سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر ۳۴

تذکرہ شعرائے اردو

مؤلفہ

میر حسن دہلوی مصنف مثنوی "بدر منیر"

بتصحیح و تنقید

جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی
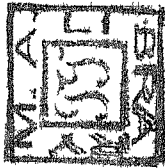
باہتمام

محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء

فہرستِ مطبوعاتِ انجمن ترقی اُردو

فلسفہ تعلیم ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف در مسئلہ تعلیم کی آخری کتاب ہی غور و فکر کا
کارنامہ اور والدین و معلم کے لئے چراغِ ہدایت ہی تربیت کے زبانی قوانین کو اس
مرتب کیا ہی کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہی اس کا نہ پڑھنا گناہ ہی۔ قیمت ۱۲/

القول الاظہر۔ ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف الفوز الاصغر کا اُردو ترجمہ
ابن مسکویہ آسمانِ علم و فضل کا آفتاب تھا یہ کتاب فلسفہ اُنھیں کے اصول پر لکھی گئی ہی
مذہب اسلام پر انھیں اصول کو منطبق کیا گیا ہی اس کو بمبئی یونیورسٹی نے سرکاری
کے لئے تجویز کیا ہی قیمت عمہ

نپولین اعظم۔ ایبٹ کی مستند کتاب کا اُردو ترجمہ ہی کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوگا
نپولین کی زندگی بشری جد و جہد کا آخری باب ہی واقعات کی داد یا تو سکندر کی زبان
ادا کر سکتی ہی یا تیمور کی زبان، ترجمہ آسان اور عام فہم مکمل پانچ جلدوں میں قیمت

رہنمایانِ ہند۔ مشہور کتاب پروفٹس آف انڈیا کا ترجمہ ہی شروع میں ہندو
برگزیدہ عقائد کا بیان فاضلانہ مگر دل کش پیرایہ میں لکھا ہی اس کے بعد سری کرشن جی
کی سوانح عمری اور گوتم بدھ کے پُر اثر حالات آتے ہیں آخری حصہ میں شنکر اچارج
اور راما نند کا ذکر ہی قیمت عمصر

اُمرائے ہنود۔ پانسو سے زیادہ ہندو اُمراء کے حالات قلمبند ہیں۔ یہ ا
سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے کتاب گویا ان متعصب
مورخوں کا جواب ہی جو اسلامی حکومت پر تعصب کا الزام لگاتے ہیں قیمت حصہ اول

تذکرۂ شعرائے اردو

مؤلفہ

میر حسن دہلوی

مع مقدمہ نوشتہ

مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکتبہ جامعہ دہلی

مُقدّمہ

تذکرۂ شعرا مؤلفہ میرحسن دہلوی

"بدرِ منیر" نے میرحسن دہلوی کے نام کو آسمانِ شہرت پر مہرِ منیر بنا کر روشن کیا۔ روشنیِ طبع نے میر صاحب کو یہ مضمون پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ مثنوی مذکور کی نسبت کہتے ہیں ؎

رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگارِ جہاں یہ کلام

"مثنوی میرحسن" کو جو قبولِ عام نصیب ہوا شاید ہی اُردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ جو پڑھ سکتے تھے اُنھوں نے پڑھی۔ جو پڑھ نہیں سکتے تھے اُنھوں نے پڑھوا کر سنی۔ جاہلوں کا بھی یہ عالم رہا کہ جو دو چار شعر یاد تھے اُن کو پڑھتے تھے اور سر دھنتے تھے۔ چاندنی رات میں ماہِ کامل کی روشنی بہت سے ستاروں کو نگاہ سے اوجھل کر دیتی ہے یہی حال "بدرِ منیر" کی آب و تاب کے سامنے میرحسن کے باقی کلام کا ہوا۔ آبحیات میں آزاد نے لکھا ہے۔ دیوان اب نہیں ملتا۔ "تذکرہ" بھی طاقِ نسیاں کی نذر ہو چکا تھا۔ بالآخر وقت آیا کہ کلامِ حسن کا حُسن سادہ رونمائے عالم ہوا اہلِ ادب کو مژدہ کہ "انجمن ترقیِ اُردو" کلیات اور تذکرہ دونوں کی اشاعت پر آمادہ ہے۔ اوّل تذکرے کی یاد ہوئی ہے۔

تذکرۂ شعرا | یہ تذکرہ میرحسن نے اُس زمانہ میں لکھا ہے جب کہ دلّی کو خیرباد کہکر فیض آباد میں

سکونت پذیر تھے چنانچہ خود اپنے حال میں لکھتے ہیں "شروع جوانی از گردش روزگار ۔۔۔ بطرف لکھنؤ و فیض آباد رسیدم" تذکرۂ ہذا میں میر صاحب نے جو فہرست اپنی تصانیف کی لکھی ہے اس میں "مثنوی رموز العارفین" ہے "گلزار ارم" نہیں ہے۔ رموز العارفین کا سال تصنیف ۱۱۸۸ھ ہے اور گلزار ارم کا ۱۱۹۲ھ۔ رموز العارفین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مشہور ہو چکی ہے واضح رہے کہ تذکرہ ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۲ھ کے مابین لکھا گیا اور آج اس کی تالیف کو ڈیڑھ سو برس کا زمانہ گزر چکا۔ رسم قدیم کے مطابق یہ تذکرہ فارسی زبان میں بہ رعایت حروف تہجی لکھا گیا ہے۔ ہر ردیف میں تین دور قایم کئے ہیں متقدمین[1]۔ متوسطین[2]۔ متاخرین[3] "دور متقدمین" فرخ سیر سے پہلے۔ اس دور میں زبان ریختہ کا رواج زبان دکن سے ہوا۔ دور متوسطین" آخر عہد فرخ سیر سے ابتدا عہد محمد شاہ تک "متاخرین" اس کے بعد سے زمانہ تالیف تذکرہ تک اب سب متقدمین ہیں۔ رہی نام اللہ کا۔

یہ تذکرہ شاہد ہے کہ مؤلف کو عبارت آرائی و رنگیں بیانی میں عمدہ دستگاہ حاصل تھی۔ وہ سادہ و پرکار طرز عبارت جو میر تقی میر کے تذکرہ کی ہے اس میں نہیں۔ میر کی یہ ادبی قوت خان آرزو کی تربیت کا ثمرہ تھی۔ ایک مثال سن لو۔ میر تقی ایک موقع پر لکھتے ہیں "خوش تقریر بمرتبہ ایست کہ در تحریر نگنجد"۔ میر حسن اسی موقع پر کہتے ہیں "خوش تقریر بمرتبہ ایست کہ در تحریر و تقریر نہ گنجد"۔ ارباب ذوق سلیم نے محسوس کیا ہوگا کہ لفظ کے اضافہ نے زور کلام کم کر دیا۔

اس تذکرہ کے زمانۂ تصنیف کی ایک خاص خوبی ہے اور وہ یہ کہ وہ ایسے زمانہ میں تصنیف ہوا ہے کہ دور سوم ختم اور دور چہارم شروع ہو رہا تھا۔ اس طرح مؤلف نے دونوں دور کے شعرا کے چشم دید حالات قلمبند کئے ہیں۔ میر۔ سودا۔ خواجہ میر درد اور حضرت میرزا مظہر کو دیکھا اسی کے ساتھ مصحفی۔ انشا اور جرأت کو۔ دور سوم اور دور چہارم کے طرز کلام کا ڈانڈا جہاں ملتا ہے وہ اس تذکرہ کے انتخابی اشعار سے بخوبی واضح ہے۔ خوبی خاص یہ ہے کہ ایک

پاکیزہ مذاق استاد کا قلم نکتہ سنجی کے ساتھ انصاف کی داد دے رہا ہے۔ اس لئے اہلِ کمال کے خط و خال اس آئینہ میں ہُو بہو ہویدا ہیں۔

اگرچہ عبارت کا معتدبہ حصہ رنگ آمیزی کی نذر ہو جاتا ہے تاہم معاصرانہ قیمتی معلومات بھی قلم سے نکلتی جاتی ہیں جس سے شاعر کے اندازِ کلام طرزِ زندگی اور صورت شکل پر معنی آفریں روشنی پڑ جاتی ہے۔ مثلاً میر تقی کے حسب ذیل ضروری حالات زیرِ نظر آ جاتے ہیں۔ اُن کا خان آرزو کا بھتیجا اور شاگرد ہونا۔ وطن اکبر آباد۔ اس تذکرہ کی تحریر کے وقت میر تقی کا سن ساٹھ برس کا تھا اور دلّی میں مقیم تھے۔ جوان محمد شاہی تھے۔ میر تقی کا "تذکرۂ متقدمین و معاصرین" یادگارِ زمانہ تھا۔ رُباعی۔ غزل۔ قصیدہ۔ ہجو۔ مدح۔ سب پر قدرت ہے۔ گرم بازاری کمالِ غزل کی وجہ سے تھی جس کی شان یہ تھی کہ "بسیار باندازِ طرزِ از وے تراود" میر صاحب کا صاحبِ دماغ ہونا "بسیار صاحبِ دماغ ست و دماغ او می زیبد" عبارت آرائی میں یہ فقرہ بھی ہے "دو شعرش چوں دُرِ خوشاب و اندازِ سخنش بے حساب" سودا۔ حالات و صفات۔ مولد شاہجہاں آباد۔ تحریرِ تذکرہ کے وقت سن کا اندازہ ستر برس کا تھا۔ نوکری پیشہ۔ سرکار نواب شجاع الدولہ میں بسلسلۂ شاعری سرفراز تھے۔ علم موسیقی میں مہارت تھی۔ میر حسن اکثر اُن کی خدمت میں جاتے تھے۔ اور وہ بہت کرم فرماتے تھے۔ خوش خلق۔ نیک خو۔ یار باش تھے۔ شاعری کی زندگی اُن کی ذات سے وابستہ تھی۔ طرزِ سخن "میدانِ بیان او وسیع۔ طرزِ معانی او بدیع۔ ۔ ۔ ۔ ۔ در قصیدہ و ہجو ید بیضا دارد۔ قصائد عذب دلاویز۔ و بیانِ ہجو بلند۔ نظمش طرب انگیز"

سوزؔ۔ حالات و صفات۔ سید ضیاء الدین بخاری کے بیٹے۔ قطبِ عالم گجراتی کی خاندان سے تعلق۔ درویش منش۔ خوشنویس۔ دانشمند۔ فطرت نہایت بلند۔ علوم تیر اندازی میں ایک رسالہ زور دار لکھا تھا۔ رنگِ زمانہ سے بددل ہو کر گوشہ نشین تھے۔ اشعار اس خوبی سے پڑھتے تھے کہ بیان میں نہیں آ سکتے۔ طرزِ سخن "در عہدِ خود از جملہ ابنداں ممتاز۔ طرزِ زائیدہ ملک اوست"

جرأت - حالات وصفات - وطن اصلی شاہجہاں آباد - مقام نشو و نما فیض آباد - میاں حسرت کے شاگرد جوانِ چیچک رُو - خوش خلق - نیک دُرین نوجوانی بسیار بحلم وحیا بسر می برد فن موسیقی اور ستار نوازی میں ایک حد تک قدرت - طبیعت بہت دردمند اور گداز - شوق شعر حد جنوں تک پہنچا ہوا - کہ کسی وقت فکر سخن سے خالی نہیں - طرز سخن در کلام نمکیں - بیانِ شیریں - گلزار معانیش چوں میوۂ آرزو شاخ در شاخ" اس تذکرہ کا نام مؤلف نے نہیں لکھا۔

مؤلف تذکرہ کے حالات مسلمانوں کے عہدِ حکومت نے جن شہروں کو ناز ونعمت کا مخزن اور علم وکمال کا معدن بنایا تھا اُن میں خراسان کا دار السلطنت ہرات بھی تھا - یہی مردم خیز شہر میر حسن کے خاندان کا بھی وطن تھا - میر امامی وہاں سے ہندوستان میں آئے جو میر حسن کے پردادا تھے ہفت قلم تھے اور فاضل متبحر - بلحاظ علم وفضل دلی میں آکر ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا - شعر بھی کہتے تھے - یہ لکھکر میر حسن کہتے ہیں کہ میری شاعری آبائی ہے نہ آج کی - ہر چند کہ میر انیس نے اپنے لئے پانچویں پشت مداحی کا دعویٰ کیا ہے ع

پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

مگر میر حسن کی شہادت کی بنیاد پر چھٹی پشت تھی - میر نفیس نے کس نفاست سے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے ع

شمشیر فصاحت پہ ہے یہ ساتواں صیقل

سات پشتیں ملاحظہ ہوں -

۱ - میر امامی
۲ - خواجہ عزیز اللہ
۳ - میر ضاحک
۴ - میر حسن
۵ - میر خلیق
۶ - میر انیس
۷ - میر نفیس

آمدم بر سرِ مطلب۔ میر حسن کا نام غلام حسن تھا۔ اُن کے والد میر غلام حسین ضاحک نے دلّی میں نشو و نما پایا۔ آخر زمانہ میں فیض آباد میں جا کر سکونت اختیار کی۔ تحریرِ تذکرہ کے وقت زندہ تھے اور تیس برس سے ترکِ روزگار کر کے آزادانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ عالم و فاضل تھے۔ ناظم و ناثر۔ ہزل دوست مزاج پسند۔ غزل چالیس پچاس شعر سے کم نہ ہوتی تھی۔ فنِ موسیقی میں بھی دخل تھا۔ قد میانہ۔ رنگ بھورا۔ داڑھی اوسط۔ ریش بچہ منڈا ہوا۔ سبز عمامہ بطرزِ عرب باندھتے تھے۔ بڑا سا جُبّہ پہنتے تھے۔ فارسی اور ریختہ دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے قصائد فارسی کی تعریف تذکرۂ شعرائے ہند کے مؤلف نے کی ہے۔ متین کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

درپیش اگر روزِ اجل آہ نہ ہوتا — قصّہ تھا محبت کا یہ کوتاہ نہ ہوتا
اُس آن تھمے آنسو جس آن کہ دل ڈوبا — تب جان سی ہم اُٹھے جب دیدۂ نم بیٹھے

رباعی در منقبت

کشّافِ حقایق و نکاتِ توحید — آں راکبِ دوشِ احمدی شاہِ شہید
خود معنیِ آیاتِ کلامِ الٰہی ست — تفسیرِ حسینی ست بقرآنِ مجید

تذکرۂ میر حسن میں یہ رباعی اُن کے نام سے درج ہے۔ حالاں کہ وہ مولانا لطف اللہ شیرازی کی مشہور رُباعی ہے اور فارسی تذکروں میں اُن کے نام سے درج ہے۔

رُباعی

افسوس دلا کہ غمگساراں رفتند — سیمیں بدناں و گلعذاراں رفتند
چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار — در خاک چو قطرہائے باراں رفتند

میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تعلیم پائی۔ عربی سے واقف نہ تھے۔ ابتدا سے شعر و سخن اس سلسلے میں حضرت خواجہ میر درد کی خدمت میں رہکر پختگی حاصل کی۔ میر ضیا کے شاگرد تھے۔ مگر خود لکھتے ہیں کہ مجھ سے اُن کی طرز کا نباہ نہ ہو سکا۔ اس لئے میر درد کی طرز کی پیروی کی "ندگی بابت آبحیات میں لکھا ہے "میرزا رفیع کو بھی غزل دکھائی"۔ میر حسن کے بیان سے

اُس کی تائید نہیں ہوتی۔ وہ اپنا تلمذ صرف میر ضیا سے ظاہر کرتے ہیں۔ البتہ یہ لکھتے ہیں
کہ چوں کہ میں اُن کی طرز نباہ نہ سکا۔ اس لئے میرؔ، دردؔ اور سوداؔ کی طرز کی پیروی کی
یہاں بھی سوداؔ کی تخصیص نہیں۔ آزادؔ نے جو خط میر حسن کا قدرت اللہ خاں قاسم کے نام
نقل کیا ہے اُس میں بھی یہی لکھا ہے "اصلاحِ سخن از میر ضیا گرفتہ ام" سوداؔ کا نام نہیں۔ آغاز
شباب میں دلّی کی تباہی سے پریشان ہو کر اپنے والد کے ساتھ فیض آباد گئے۔ وہاں سے بالآخر
لکھنؤ جا کر بود و باش اختیار کر لی۔ اس سفر میں دلّی سے چل کر اوّل چند مہینے ڈیگ میں رہے
وہاں سے حضرت شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ مکن پور گئے۔ اسی منزل کی کیفیت نے
مثنوی گلزارِ ارم کی بہاریں دکھائیں۔ فیض آباد اور لکھنؤ میں نواب سالار جنگ اور ان کے
بیٹے میرزا نوازش علی خاں کی مصاحبت میں رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گزر یہاں بھی تنگی سے
ہوتی رہی۔ خود لکھتے ہیں "چنانچہ تا حال بہر نوع گزراں مینمایم"

حلیہ۔ داڑھی منڈی ہوئی۔ رنگ بھورا۔ قد اچھا بڑا (میر نفیس تک یہ قد و قامت
قائم تھا) پرانی وضع کی پگڑی سر پر (اب سر سے پگڑی ہی ندارد ہے۔ پرانی وضع کون
سمجھے گا) اپنے والد کی طرح بڑا ساجامہ پہنتے تھے۔ یہ حلیہ "تذکرۂ شعرائے ہند" میں لکھا ہے۔ آبحیات
میں اس کے خلاف یوں لکھا ہے "میانہ قد۔ خوش اندام۔ گورا رنگ۔ جملہ قوانین شرافت و آئین
خاندان میں اپنے والد کے پابند تھے اتنا تھا کہ داڑھی منڈاتے تھے۔ سر پہ بانکی ٹوپی تن میں
تنزیب کا انگرکھا پھنسی ہوئی آستینیں۔ کمر سے دوپٹہ بندھا" اہلِ نظر فیصلہ کریں کہ کون سا
بیان قابل قبول ہے۔ "تذکرۂ شعرائے ہند" کی قدامت اور تحقیقات کے موقع کا زیادہ حاصل
ہونا غالباً تذکرۂ شعرائے ہند کو زیادہ مستند قرار دے۔

میر حسن کے اخلاق کی بابت "تذکرۂ شعرائے ہند" میں لکھا ہے "وہ ظریف اور خوش خلق
آدمی تھا۔ مگر بیہودہ اور کلام معیوب کبھی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ سوا اس کے شیریں مزاج
خوش خلق پسندیدہ تعلیم یافتہ تھا۔ کسی شخص نے اس کو بُرا نہیں لکھا۔ اور نہ کچھ الزام لگایا ہے"

آخر ماہ ذیحجہ میں علیل ہوئے۔ عشرۂ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں انتقال کیا (یعنی مثنوی "سحرالبیان" کے ختم ہونے کے دو سال بعد) مرزا قاسم علی خاں کے باغچہ کی پشت پر مدفون ہوئے۔ مصحفی نے تاریخ وفات کہی۔

چوں حسن آں بلبلِ خوش داستاں	رُو۔ ازیں گلزارِ رنگ و بو بتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی	شاعرِ شیریں زباں۔ تاریخ یافت

چار بیٹے تھے۔ اُن میں سے تین۔ محسن۔ خلیق اور خلق شاعر ہوئے[۱۲۰۱ھ]۔ شاید ہی اس کی نظیر تاریخ عالم میں ملے کہ شاعری ایک خاندان میں آٹھ پشت تک مسلسل رہی ہو۔ یہ طُرّۂ امتیاز میرحسن کے خاندان کی دستار پر کھلا۔ کبھی علوم سات آٹھ پشت تک شاذ و نادر چلے ہیں۔ چہ جائیکہ شاعری جو وہبی ہے۔ پھر قدرت نے اس فراوانی سے یہ نعمت اس خاندان کو بخشی کہ میرحسن کے تین صاحبزادے شاعر ہوئے۔ اور تین پوتے میر انیس[۱]۔ مونس[۲]۔ اُنس[۳]۔ ایک میر انیس تنہا ایک ملک کے فخر کے لئے کافی ہیں۔

میرحسن کا کلام | میرحسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ اب تک فقیر نے قریب سات آٹھ ہزار کے شعر کہے ہیں۔ ایک ترکیب بند کہا ہے اور ایک مثنوی "رموزالعارفین" جو قبول خاطر و شہرتِ عام حاصل کر چکی ہے۔

آبحیات میں آزاد لکھتے ہیں "دیوان اب نہیں ملتا" اسی کے ساتھ قدرت اللہ خاں قاسم کا یہ قول دیوان کی نسبت نقل کیا ہے "انواعِ سخن سے لبریز ہے" ایک اور موقع پر لکھتے ہیں "آج یہ نوبت ہے کہ پانچ غزلیں بھی پوری نہ ملیں جو کتاب میں درج کرتا" مثنوی گلزار ارم کی نسبت لکھتے ہیں۔ میں نے یہ مثنوی دلّی کی تباہی سے پہلے دیکھی تھی۔ تذکرۂ آبحیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "آزاد" کو مثنوی رموزالعارفین کی خبر نہ تھی۔ تذکرۂ شعرائے ہند میں منشی کریم الدین نے میرحسن کی تصانیف کی نسبت عجب خلط مبحث کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "حسن مذکور کی تصنیفات یہ ہیں۔ ایک دیوان اقسام سخن کا جس میں تخمیناً آٹھ ہزار شعر ہیں۔ دوسرا تذکرہ

ہندی مصنفوں کا ریختہ میں لکھا ہی۔ تیسری مثنوی بدرِ منیر۔ اس مثنوی کی برابر کسی سے آج تک اچھی مثنوی نہیں ہوئی۔ چوتھی سحر البیان۔ یہ سب سے بڑی کتاب میر حسن کی ہی۔ اس میں عورتوں کی پوشاکِ عجیبہ کا حال بیان کیا گیا ہی اور طوایف کا بھی اُس میں ذکر ہی اور مسلمانوں کی رسماتِ شادی کا بھی حال اُس میں مندرج ہی۔" ظاہر ہی کہ "سحر البیان" مثنوی بدرِ منیر کا نام ہی۔ چنانچہ میر حسن نے مثنوی مذکور کے خاتمہ میں لکھا ہی۔ ع

نئی مثنوی ہے یہ سحر البیاں

منشی صاحب جس مثنوی کو سحر البیان کہتے ہیں وہ گلزارِ ارم ہی۔ لیکن وہ مثنوی بدرِ منیر سے بڑی نہیں۔ "تذکرہ" ریختہ میں نہیں لکھا بلکہ فارسی میں لکھا ہی۔ رموز العارفین کا پتہ منشی کریم الدین کو بھی نہیں لگا۔ اور چوں کہ اُن کا تذکرہ ڈی ٹاسی کے تذکرہ سے ماخوذ ہی اس لیے ماننا چاہیئے کہ ڈی ٹاسی بھی اُس سے بے خبر تھا۔ تذکرہ بھی دیکھا نہیں۔ سماعی خبر لکھدی ورنہ اُس کی زبان کی بابت ایسی فاحش غلطی نہوتی۔ یہاں ایک دقت اور ہی۔ آزاد نے آبحیات میں جو خطِ خود میر حسن کا قدرت اللہ خاں قاسم کے نام کا نقل کیا ہی اُس میں یہ عبارت ہی۔ "تذکرہ در ریختہ ہم نوشتہ۔" اس عبارت کے معنی خلافِ ظاہر یہ لینے ہوں گے "در بیانِ شعرائے ریختہ نوشتہ۔" ورنہ یہ تو بعید از قیاس ہی کہ شعرائے ریختہ کے دو تذکرے میر حسن نے لکھے ہوں۔ ایک زبانِ ریختہ میں دوسرا فارسی میں۔ غالباً اسی خط کی عبارت سے منشی کریم الدین کو لغزش ہوئی۔

خدا کا شکر ہی کہ جو نعمت مؤلف آبحیات کے لئے پردۂ ظلمات میں رہی وہ مجھکو مل گئی۔ لکھنؤ سے کلیاتِ میر حسن کا نسخہ ہاتھ آیا۔ جو ۱۲۵۶ھ کا لکھا ہوا ہی۔ مُطلّا اور مذہب ہے اور اُس اہتمام سے لکھا گیا ہی جس اہتمام سے فارسی شعرا کے دَواوین لکھے جاتے تھے۔ نعمت بالائے نعمت یہ ہی کہ صحیح ہے۔ قدرت اللہ خاں قاسم کا قول بھی اُس پر صادق ہی۔ انواعِ سخن سے لبریز ہی۔ چار سو صفحہ کا حجم ہی۔ تقریباً سات ہزار شعر ہیں۔ غزل کے اشعار قریباً

چار ہزار ہیں۔ چھوٹی بڑی گیارہ مثنویاں ہیں سات قصیدے ہیں۔ مخمس، مسدس، مثلث رباعی بھی ہیں۔ وہ ترکیب بند بھی (واسوخت کے نام سے) موجود ہی جس کا ذکر تذکرہ میں میر حسن نے کیا ہی۔ مرثئے نہیں ہیں۔ حالاں کہ میر حسن نے مرثیوں کا لکھنا تذکرہ میں لکھا ہی۔ اس مجموعے کی دستیابی سے آزاد کا وہ تاسف آمیز شکوہ رفع ہو جاتا ہی جو ان کو اخلاف میر حسن سے کلیات مرتب نہ کرنے کی بابت تھا۔

جوشِ عقیدت | سب سے اوّل شاہ عالم بادشاہ کا ذکر لکھا ہی۔ اس ادب کے ساتھ "ذکر اوّل بادشاہ جمجاہ سکندر سپاہ ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ ... ... خلد اللہ ملکہ، و افاض اللہ برہ و احسانہٗ"۔ اس ذکر کے بعد تذکرہ شروع ہوتا ہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ہر چند کہ اُس عہد میں سلاطینِ مغلیہ کے ہاتھ سے سلطنت ظاہری جا چکی تھی مگر دلوں پر حکومت قایم تھی۔

ادبی نکتے | جس طرح میر صاحب نے "نکات الشعرا" کو ضمناً جا بجا ادبی نکتے اور فائدے بیان کر کے زینت دی ہی اسی طرح میر حسن نے اپنے تذکرہ کو آراستہ کیا ہی۔ ریختہ کی تعریف "ریختہ اوّل از زبان دکن رواج یافتہ"۔ اس لحاظ سے یہ گرانبہا جنس شاہجہانی اُردو بازار کی دُکانوں کی ملکیت نہ تھی (میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں اس زبان کا نام یا ہندی لکھا ہی یا ریختہ۔ اُردو جہاں تک میرا خیال ہی کہیں نہیں لکھا۔ منشی کریم الدین نے اُردو کے ساتھ ہندوستانی بھی لکھا ہی) طرز متقدمین و متاخرین کا فرق۔ "طرزِ متقدمین بطور ایہام۔ طرزِ متاخرین بزبانِ حال ادائیہ" میر تقی نے خاکسار کے اس شعر میں ؎

خاکسار اُس کی تو آنکھوں سے گئے مت لگیو
مجھکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

یہ اصلاح دی تھی "بر متبع ایں فن پوشیدہ نیست کہ بجائے 'بیمار کیا'، 'گرفتار کیا'، می بایست"۔

میر حسن کہتے ہیں "درعقلِ فقیر چنیں گزرد کہ اگر چشم خود می بود گرفتار مناسب بود۔ چوں اینجا چشم معشوق ست بیماری صحت دارد۔" دیکھو کیسی بات سمجھا گئے۔ راقم کا ایک شعر نقل کیا ہے:

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

لکھتے ہیں کہ اس شعر میں "عین" (عاشقوں کا) تقطیع سے گرتا ہے اور یہ عین خطا ہے۔ مصرع یوں ہوتا تو بہتر تھا ع

میرا تو کام کچھ تجھے منظور ہی نہیں

معین بدایونی کا ایک شعر ہے

خوش ہم عریانی سے اتنے ہیں برنگِ بوئے گل نکلے جاتے ہیں ٹھہرتے نہیں پوشاک سے ہم

میر حسن کہتے ہیں "خوش ہم عریانی ناموزون ست چراکہ "میم" با "را" چناں چسپیدہ است کہ "عین"، چوں چشم غزال ازمیاں رم کردہ۔ و ایں سخت عیب ست"

سجاد کا شعر ہے

تجھے غیر سے صحبت اب آ بنی
اسی دوستی ہم سے ہو دشمنی

میر حسن کہتے ہیں "اسی دوستی" زبان قدیم ست یعنی برائے ہمیں" فی البدیہہ۔ راجہ رام نراین موزوں تخلص۔ نواب سراج الدولہ کی طرف سے عظیم آباد کے صوبہ دار تھے۔ شیخ علی حزیں کے شاگرد "آشنا پرست" سیاہ دوست۔ فارسی کا ذوق تھا۔ ریختہ کا صرف ایک شعر کہا جو مشہور ہو گیا۔ اس کا واقعہ خود میر حسن کے الفاظ میں سنو "شعر ریختہ کم گفتہ بلکہ نگفتہ۔ مگر وقتیکہ خبر شہید شدن سراج الدولہ در شہر افتاد ہماں وقت فی البدیہہ ایں شعر میخواند و از خبرداراں خبر می پرسید و می گریست

غزالاں۔ تم تو واقف ہو۔ کہو مجنوں کے مرنے کی دوانہ مرگیا آخر کو۔ ویرانہ پہ کیا گزری؟

"ہمیں شعرا زو یادگار ماند" ذرا اس شعر کو مکرر پڑھو اور اس کے درد کا اندازہ کرو اور یہ بھی غور کرو کہ ایک "آشنا پرست" ماتحت کے دل کے واردات کا سچا نقشہ ہی۔ کیا اس کے بعد مجھکو یہ کہنے کی اجازت ملے گی کہ تاریخ کے سیاہ کار بلیک ہول کے داغدار سیراج الدولہ! تیرے دل میں تو محبت ہمدردی کا چراغ روشن نظر آتا ہی! اُن کے اُستاد میر ضیا نے اپنے یہ شعر اُن کو سُنائے تھے ؎

تربت ضیا کی دیکھی کل رات دور سے میں — آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے
جاکر جو آج دن کو دیکھا میں کر تفحص — اک دل جلے ہی اُس میں حسرت کے داغ کتنے

سلام اللہ خاں تسلیم ایک فارسی گو شاعر نے ترجمہ کرکے یہی مضمون اپنے نام مشہور کر دیا ؎

دوش رفتم بر مزارِ کشتۂ تسلیم خویش — مے نمود از دور صد شمع و چراغ حسرتے
چوں شدم نزدیک دیدم از تفحص ہا بسے — یک دلے بسوختہ با صد چند داغ حسرتے

میر حسن خفا ہیں (اور خفگی بجا ہی) "تسلیم در فارسی ترجمہ کردہ بنام خود شہرت داد۔ ایں ندانست کہ در نظرِ صورت شناسانِ معانی متبنیٰ و فرزند پوشیدہ نمی ماند۔ مثلِ ہندی مشہور ہست "ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اُس کا ناؤں"۔ پھر بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تسلیم کے شعر زبانِ فارسی کی قوت و صفائی کی بدولت ضیا کے اشعار سے زیادہ تابدار ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ ضیا کی زبان بوجہ قدامت ماند پڑ چکی ہی۔ مصرع اوّل میں "کشتۂ تسلیم" نے جان ڈالدی ہی۔

میر حسن صرف ادب اُردو کے نقاد نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہی کہ فارسی شعرا کے کلام کی نقادی پر بھی پوری قوت تھی۔ اور ہر ایک کے طرز کا جُدا جُدا اندازہ حاصل تھا۔ چنانچہ اساتذۂ اُردو کے کلام کی طرز کو اساتذۂ فارسی کی طرز سے تشبیہ دیتے جاتے ہیں۔ میر ضیا "طرزش مانا بہ طرزِ مولانا نسبتی"، میر تقی "طرزش مانا بطرزِ شفائی"، خواجہ میر درد۔ "دیوانش

اگرچہ مختصر ست لیکن چوں کلام حافظ سراپا انتخاب"۔ میر درد کا ایک شعر سن لو۔ حافظ کے بہت سے شعر یاد آجائیں گے ؎

ساقیا یاں لگ رہا ہی چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

قائم چاند پوری "طرزش بہ طرزِ طالب آملی می ماند" زبان کی ٹکسال دلّی تھی۔ "قائم مذکور کے حال میں متوطن چاند پور ندیہہ۔ چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہاں آباد آمدہ بسر بُرد بنا برآں محاورۂ او درست گشت" معین بداؤنی کا ایک مصرع ہی۔ ع

نہ آیا یار دوپہری بھی اب ڈھلی افسوس

میر صاحب لکھتے ہیں "ایں محاورہ دُرست نیست۔ مردم شاہجہاں آباد دوپہر ڈھلی میگویند نہ دوپہری مگر مردم پیرو نجات" ایک شعر میں شاعر موصوف نے "بُتِ خانگی" باندھا ہی۔ میر حسن کہتے ہیں "بُتِ خانگی نامانوس ست۔ فقیر در ہیچ جا نشنیدہ"

سرمایۂ مشترک یہ زمانہ صنعت و حرفت کی ترقی کا ہی۔ گوناگوں مصنوعات سے نہ صرف بازار بلکہ گھروں کے در و دیوار معمور ہیں۔ اسی سلسلے میں بہت سے مصنوعی مسائل کا انبار ہے جو ہماری زندگی پر مؤثر ہیں۔ انھیں مسئلوں میں سے ایک مسئلہ ملکی زبان کا ہے۔ ایک زبان صرف مسلمانوں کی ہی اُس کا نام اُردو ہی۔ دوسری ہندوؤں کی ہی اُس کو ہندی کہتے ہیں۔ ہندوستان کے چاروں گوشوں کو دیکھا۔ شہر۔ دیہات۔ پہاڑ اور جنگل دیکھے مگر زبان کی یہ تقسیم کہیں عمل پذیر نہ دیکھی۔ تذکرۂ میر تقی میر اور تذکرۂ میر حسن کے مطالعہ سے صاف واضح ہی کہ ریختہ کہو اُردو کہو ہندی کہو جو نام چاہو رکھو مگر واقعہ یہ ہی کہ ہندوستان کی عام رائج زبان ہندو اور مسلمان اہلِ ادب کی محنتِ مشترکہ کا ثمرہ ہے۔ ابتدائے شاعری سے لے کر انتہا تک یہ اشتراکِ محنت عیاں ہی۔ نکات الشعرا میں جہاں متقدمین شعرا میں خانِ آرزو اور قزلباش خاں اُمید ہیں وہاں رائے انند رام مخلص اور

ٹیک چند بہار بھی ہیں۔ متوسطین میں بندرابن راقم ہیں۔ میر حسن کے تذکرہ میں بھی بہت سے ہندو شعرا کا ذکر ہی جن میں سے بعض جگت استاد تھے۔ مثلاً رائے سرب سنگھ دیوانہ تخلص۔ اُن کی نسبت لکھا ہی "شاعر زبردست فارسی ست شعر بسیار گفتہ است۔ اُستادِ ریختہ گویانِ لکھنؤ۔ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیراں و اکثر دیگراں شاگردِ اویند۔ در آنجا مشہور و معروف است۔" حسرتِ مذکور اساتذۂ لکھنؤ میں سے ہیں۔ جرأت کے اُستاد شاگردوں کی یہ کثرت تھی کہ پہچان نہیں سکتے تھے۔ ایک اور معتبر شہادت۔ منشی کریم الدین نے تذکرۂ شعرائے ہند میں (جو ڈی ٹاسی کے تذکرہ سے ماخوذ ہی) طبقہ دوم۔ اُن شعرا کے ذکر میں لکھا ہی جو مصلحِ اُردو اور مُروج اس زبان کے تھے۔ اور اُنھوں نے الفاظِ کریہہ کا استعمال یک قلم زبانِ ریختہ سے موقوف کر دیا۔ اس طبقے میں سب سے اوّل راجہ جسونت سنگھ متخلص بہ پروانہ کا ذکر ہے۔ یہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے نائب راجہ بینی بہادر کے بیٹے اور رائے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ جرأت کی وفات کی تاریخ کیا خوب کہی ہی۔

"کہو جنت نصیب جرأت ہے"
۱۲۲۴ھ

پروانہ کے دیوان کی بابتہ یہ رائے ظاہر کی ہی "دیوان اس شاعر کا دیکھنے میں آیا۔ بہت اچھا۔ پاکیزہ اشعار اُس کے ہیں۔ ۔ ۔" اسپرنگر بہادر کے پاس وہ دیوان موجود تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں حسب ذیل ہندو شعرا کا ذکر لکھا ہے۔ رائے پریم ناتھ[۱]۔ ٹیک چند بہار[۲]۔ سنتوکھ رائے بینوا[۳]۔ سیا ناتھ سنگھ[۴]۔ لالہ سرب سنگھ دیوانہ[۵]۔ گھاسی رام خوشدل[۶]۔ بندرابن راقم[۷]۔ لالہ بلاس رائے رنگیں[۸]۔ لالہ خوشوقت رائے شاداب[۹]۔ رائے بھکاری داس عزیز[۱۰]۔ فائغ[۱۱]۔ بدھ سنگھ قلندر[۱۲]۔ لالہ کاشی ناتھ[۱۳]۔ انند رام مخلص[۱۴]۔ راجہ رام نراین موزوں[۱۵]۔ عجائب رام منشی[۱۶]۔ لالہ نول رائے وفا[۱۷]۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے مذکورۂ بالا مصنوعی تفریق کو دیکھکر چارہ کار یہی ہے کہ ملک اور اہلِ ملک کے حال پہ افسوس کیا جائے۔

اس عہد کی معاشرت عموماً شعرا کی نسبت یہ خیال ہی کہ وہ ایک بیکار فرقہ ہی جو خیالی دُنیا کی سیر میں مصروف ہی۔ کلام کی شوخی و رندی سے قیاس کیا جاتا ہے کہ قائل اپنی حالت کا مرقع کھینچ رہا ہی۔ واقعات اس خیال کا ساتھ نہیں دیتے۔ طبقہ شعرا میں کثیر حصّہ ایسے کاروباری آدمیوں کا تھا جن کا معیارِ اخلاق بلند تھا۔ اور جو شعر گوئی کو زندہ دلی کا سامان اور ادب کی خدمت تصور کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ اور کمالات انسانی میں قدرت وکمال پیدا کرتے تھے۔ ذیل کے شعرا کے اخلاق و مشاغل پر نظر ڈال لیے۔ اُمید ہی کہ آپ بھی میرے ہمنوا ہوں گے۔ میر اثر "خوش اوقات و نیک سیرت درویشے ست مؤقر۔ وصاف سخنے ست موثر۔ عالم۔ فاضل" عاصمی "درعلمِ تاریخ و شمشیر شناسی ولطیفہ گوئی دستے بہم رسانده" رائے پریم ناتھ "خطاطِ بے نظیر کمال دار دل پذیر۔ غزل فارسی خوب می گوید اگاه "بوسیلۂ قصّہ خوانی بسر می برد۔ دریں فن شاگرد میر احمد مرحوم ست کہ بقصہ خوانی مشہور بود" میر اعلیٰ علی "خلیق و متواضع" میر شیر علی افسوس" دار وغۂ توپ خانۂ عالیجاہ جوانے ست ظاہر و باطن آراستہ۔ بحلم و حیا پیراستہ" بیدار "بزیور حلم و حیا آراستہ" حشمت "سپاہی پیشہ . . . فہمیدہ و سنجیدہ۔ متواضع و مؤدب" رنگین "سپاہی پیشہ خوش اوقات و نیک ذات۔ جوانِ محمد شاہی بخط نستعلیق خوب می نویسد" مہربان خاں رند (اُس عہد کے اُمرا کا ایک نمونہ) نواب غالب جنگ بہادر والی فرخ آباد کے وزیر "مجلسے رنگین و بزمے ارم تزئیں داشت" ہر صادر و وارد کی فراخ حوصلگی سے خدمت کرتے تھے۔ اہل سخن اور ہر فن کے اہلِ کمال سے ربط تھا۔ موسیقی اور ہندی شاعری میں جو کبتوں سے عبارت ہی مشّاق تھے۔ مرتبۂ امارت اتنا بلند تھا کہ خود اُمرا اُن کی صحبت میں تھے۔ مصحفی اور سودا کے شاگرد تھے۔ موسیقی میں بہت سے راگ تصنیف کئے تھے۔ فن تیر اندازی میں بھی میر سوز کے شاگرد تھے۔ اور اس فن میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ شمشیر شناسی۔ ادب شناسی اور مردم شناسی بھی میر موصوف کی صحبت میں حاصل کی تھی۔ دیکھو ادب شناسی اور

انسان کی قدردانی بھی اُس زمانہ میں فن تھے جو اُستادوں سے حاصل کئے جاتے تھے۔ اس بیان سے خود میر سوزؔ کے کمالات کی نیرنگی معلوم ہوتی ہے۔ میر مظہر علیؔ "پاکیزہ سرشت و نیک شعار۔ جوانے ست بعلم و عمل آراستہ و بصلاح و تقویٰ پیراستہ۔" سجادؔ "موصوف باوصافِ حمیدہ۔ مخلوق باخلاقِ سنجیدہ۔ ۔ ۔ ۔ در لطیفہ گویاں۔ ۔ ۔ ۔ طاق۔ در ہر امور کہ دخل کردہ بکمال رسانیدہ۔ علم طب ہم حاصل نمودہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ طلسمات۔ و انشا و خوشنویسی و شعر فہمی بمراتب اعلیٰ رسانیدہ۔" شوقؔ "مرد سپاہی پیشہ۔ صاحب دیوان۔ از شاگردانِ سراج الدین علی خاں آرزو۔ مدتے در سرکارِ نواب عماد الملک غازی الدین خاں بوسیلۂ سپہ گری بسر بُردہ۔" شاعرؔ "جوانے ست بکمال صلاحیت آراستہ و بہ علم و عمل پیراستہ۔ اہلِ دل منصف۔ متواضع مؤدّب۔ بزرگ و بزرگ زادہ۔" نواب عماد الملک غازی الدین خاں را ایک او رامیر) "بر جمیع علوم قادر و در فنونِ سخن ماہر از وزرائے ہندوستان۔ ۔ ۔ ۔ بود۔ ۔ ۔ ۔ ہفت قلم و ہفت زبان۔" فغاںؔ "خانِ ظریف طبع۔ و خوش اختلاط۔ با ہر کس خوش طبعی داشت۔ ۔ ۔ ۔ لطائف و ظرائف او مشہور ست۔" گریاںؔ "جوانے ست شائستہ۔ ۔ ۔ ۔ سپاہی پیشہ۔" وحشتؔ "سید زادہ خوش اوقات و نیک صفات۔ جوانِ وضع دار و در فنِ سپہ گری اُستاد۔" لالہ نور ائے وفاؔ "از تذکرۂ محمد قایم چناں ظاہر ست کہ جوانے ست نوخاستہ۔ بزیورِ علم و عمل آراستہ۔ ۔ ۔ ۔ صاحبِ حلم و حیا۔ لطافتِ مزاج از گُل زیادہ۔ ۔ ۔ ۔ برادرِ خوردِ شش راجہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الدولہ نواب نجیب خاں مرحوم بود۔ لیکن ایں عزیز مصروف اکتساب و غریقِ مُطالعہ کتاب۔ طلبِ ہر کمال دامن گیرِ حال۔ طبع در دمند داشت۔"

یہ نہ خیال کرنا کہ میر حسن صاحب کے یہاں حُسنِ بیان حُسنِ ظن کا دفتر کھُلا ہوا ہی اور ہر شخص سندِ تعریف سے سرفراز ہوتا ہی۔ اصل یہ ہی کہ وہی لکھا ہی جو خود دیکھا یا دوستانِ حقیقت داں سے سُنا۔ چنانچہ دیباچہ میں لکھ دیا ہی "پس از دریافتِ حالِ خیر مآلِ صاحبِ سخن

شمہ کہ از دوستانِ حقیقت داں مسموع نمودہ در ذیلِ اشعارِ ہر یک نوشت"۔ ایسے شعرا بھی ہیں جن کی اخلاقی حالت معلوم نہ ہوئی اُن کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ مثلاً مصحفیؔ۔ اُن کے کلام کی فصاحت اور بلاغت کی تعریف کی ہے۔ مگر اخلاقی حالت چوں کہ معلوم نہ تھی اس لئے صرف اس قدر لکھا ہے "از تخلص معلوم می شود کہ مرد صالح ست"۔

مذکورۂ بالا اقتباس اہلِ انصاف کو اس امر کا معترف کرنے میں کامیاب ہوگا کہ شعرائے ماضی نکوہیدہ حال نہ تھے۔ بلکہ علم و اخلاق سے آراستہ انسان تھے۔ کیا اس سوال کا موقع ہے کہ آج کل کے مدعیانِ کمال کہاں تک علم و ادب کی خدمت کر رہے ہیں؟

بزرگانِ دین کی توجہ ادبِ اُردو پر

عام خیال یہ ہے کہ بزرگانِ دین و علما نے اُردو ادب کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔ اس خیال کو واقعات سے مطابق کیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اُردو ادب نے شروع سے حضراتِ اولیائے کرام کی آغوشِ شفقت میں تربیت پائی ہے۔ ریختہ کے اُستادِ اوّل (بقولِ میرحسن) ولی دکنی ہیں۔ میر تقی میر اور حسن دونوں کی شہادت ہے کہ دلی میں آکر حضرت شاہ گلشن قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور فیض حاصل کیا۔ ریختہ میں فارسی کے مضامین رنگین استعمال کرنے کا مشورہ حضرت ہی نے دیا۔ میرحسن کی اصل عبارت "ولی۔ ۔ ۔ از خاکِ گجرات ۔ ۔ ۔ در وقتِ عالمگیر بہ ہندوستان جنت نشان آمدہ درخدمتِ شاہ گلشن قدس اللہ سرہٗ استفادہ حاصل نمود۔ از توجہ آں بزرگوار مقبولِ اعلیٰ و ادنیٰ گردید"۔ اُردو شاعری کے تیسرے دَور کے ارکانِ چہارگانہ میں سے دو رکن وہ عالی مرتبہ بزرگ ہیں جن کی تعلیم سے ہزاروں انسان زندگی کے مقصد سے واقف اور شاہدِ مقصود کے حصول میں کامیاب ہوئے۔ یعنی حضرت خواجہ میر دردؔ اور حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہما۔ یہ حُسنِ اتفاق ہے کہ یہ شوق حضرات نقشبندی سلسلے میں اس طرح اُردو ادب کا نقشِ اوّل و ثالث حضرات نقشبندیہ کی توجہ کا منت پذیر ہے۔ آزاد آبِ حیات میں لکھتے ہیں "اپنے اُستادوں اور بزرگوں سے

یہی سُنا کہ مرزا جانِ جاناں۔ سودا۔ میر۔ خواجہ میر درد۔ یہ چار شخص تھے جنھوں نے زبانِ اُردو کو خراط اُتارا ہی؛ آخر الذکر دونوں حضرات نے گوناگوں اسلوبوں سے ادبِ اُردو کو ترقی بخشی۔ خود اُستادانہ کلام کہا۔ اپنے فیضِ اثر سے اُس کو مقبول بنایا شاگردوں کی تربیت کی۔ حضرت خواجہ میر درد کو دیکھو۔ خود قادر الکلام اُستاد ہیں۔ چھوٹے بھائی اثرؔ ہیں۔ صاحبزادہ الَمؔ۔ قایمؔ چاندپوری اور بھکاری داس عزیزؔ زمرۂ تلامذہ میں ہیں۔ میر حسن نے حضرت ہی کی خدمت میں ذوقِ سخن کی پختگی حاصل کی۔ حضرت میرزا صاحب خود اُستادِ فن۔ یقینؔ و حزیںؔ زمرۂ تلامذہ میں۔ ان حضرات کے علاوہ الہ آباد کے دائرے بھی اس ذوق سے پُرصدا تھے۔ حضرت شاہ اجمل سجادۂ حضرت شاہ خوب اللہ اور اُن کے برادر بزرگوار شاہ غلام قطب الدین مصیبتؔ بھی شاعرانِ اُردو میں شامل ہیں۔

ایک لطیف بحث میر تقی میر نے اپنے کلام کا انتخاب نکات الشعرا میں درج کیا ہی: میر صاحب کا کلام۔ اُس پر اُن کا انتخاب۔ سونے میں سُہاگہ۔ مگر آفریں میر حسن کے انتخاب کو کہ میرؔ کے کلام کا انتخاب خود میرؔ سے بہتر کیا۔ مشتے نمونہ از خروارے اشعار ذیل میر حسن کے انتخاب میں ہیں۔ میر صاحب کے انتخاب میں نہیں ؎

کہا میں نے کتنا ہی گل کا ثبات | کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا | جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے | ہے خیر میر صاحب۔ کچھ تم نے خواب دیکھا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا | کیا جدائی کو منھ دکھاؤں گا

ان اشعار کی بابت یہ کہا جاتا ہی کہ چوں کہ ان اشعار کے ہم طرح اشعار میرؔ کے تذکرہ میں نہیں ہیں اس لئے ممکن ہی کہ ترتیبِ تذکرہ کے بعد کہے ہوں اس لئے انتخاب میں نہ آئے ہوں۔ مگر کہ یہ ہی کہ جن غزلوں کے اشعار منتخب کرکے خود میر صاحب نے لکھے ہیں اُن ہی

غزلوں سے بعض ایسے نادر اشعار میر حسن نے انتخاب کر لئے ہیں جو خود میر کے انتخاب سے زیادہ نادر ہیں۔ اور یہ ایک انسانی کمزوری کا پہلو ہے کہ بعض اوقات خود اپنے کمال پر وہ قلم پھیر دیتا ہے۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ زلالی خوانساری کی معرکۃ الآرا مثنوی محمود ایاز کا مسودہ دیکھا گیا تو اُس میں بعض ایسے نادر اشعار زلالی نے کاٹ دیئے تھے جو فارسی ادب کے لئے مایۂ ناز ہیں، مثلاً۔ شبِ تاریک کی تشبیہ میں یہ بے نظیر شعر ؎

ستارہ می نمودے درمیانہ
چو چشمِ گربہ در تاریک خانہ

ایسے متعدد اشعار اہلِ نظر احباب نے مثنوی مذکور میں بعد کو اضافہ کر دیئے ہیں۔
خلاصۂ کلام۔ نمونۂ کلام مذکور ملاحظہ ہو۔ ایک غزل ہے دیدار دیکھنا۔ گلزار دیکھنا۔
اس غزل کے یہ اشعار میر نے انتخاب کئے ہیں ؎

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا — عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
ہونا نہ چار چشم دل اُس ظلم پیشہ سے — ہشیار۔ زینہار۔ خبردار دیکھنا

میر حسن اسی غزل کے یہ شعر انتخاب کرتے ہیں ؎

صیاد دل ہے داغِ جُدائی سے رشکِ باغ
تجھ کو بھی ہو نصیب۔ یہ گلزار دیکھنا

دوسری طرح۔ روتا رہیگا۔ سوتا رہیگا۔ اس غزل کے یہ شعر انتخابِ میر میں ہیں ؎

جو اس شور سے میر روتا رہیگا — تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دو — ہمیں کچھ کہیگا تو ہوتا رہیگا

میر حسن کے انتخاب میں یہ شعر ہے ؎

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے — جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

ایک تیسری طرح ہی - یار افسوس - ہزار افسوس - انتخاب میر

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس　　آہ افسوس صد ہزار افسوس

یوں گنواتا ہی دل کوئی - مجھ کو　　گے آتا ہے بار بار افسوس

انتخاب میر حسن

رخصت سیر باغ ہمیں نہ ہوئی　　یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

ایک چوتھی طرح - وفائے بلبل - جائے بلبل - انتخاب میر

گل کی جفا بھی دیکھی - دیکھی وفائے بلبل

یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

انتخاب میر حسن

کی سیر جذب الفت گلچیں نے کل چمن میں

توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل

یہ شعر ایک دیوان پر بھاری ہی - میر صاحب کا اس کو منتخب نہ کرنا سراپا حیرت ہی -

میر حسن کے اس حسن انتخاب نے یقین ہی کہ طبائع کو اُن کے انتخاب کا مشتاق کر دیا ہو گا اس لئے دل چاہتا ہی کہ اور انتخاب بھی ناظرین مقدمہ کی ضیافت طبع کے لئے یہاں لکھ دوں -

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں زندہ و مردہ دونوں کو غایت شفقت کے ساتھ دعائے خیر سے یاد کیا ہی - اور دیباچہ میں غرض تالیف تذکرہ بھی یہی لکھی ہی کہ اس کو پڑھکر شاید کوئی مجھ کو دعائے خیر سے یاد کرے - لہذا خاتمۂ مقدمہ پر دعا کرتا ہوں ناظرین آمین کہیں -

اللّٰھم اغفر لہ وتجاوز عن سیئاتہ

انتخاب اشعار

آبرو

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں — اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

دل کب آوارگی کو بھولا ہے — خاک گر ہو گیا بگولہ ہے

شوق سے جس گھر میں ہو تو جلوہ گر — آئینے ہو جائیں دیواروں میں دل

اثر

بس رفع اب خیال مے و جام ہو گیا — ساقی بیک نگاہ مرا کام ہو گیا

دردِ دل چھوڑ جائیے سو کہاں — اپنے باہر تو یاں گزر ہی نہیں

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے — اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

اثر کیجئے کیا کدھر جائیے — مگر آپ ہی سے گزر جائیے

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر — مجھکو میری وفا ہی راس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے — پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں — سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں

اسد

جیوں تیوں اسد کو لائے تھے اس کی گلی سے ہم — خانہ خراب۔ راہ میں پر پھر مچل گیا

آزاد

پوچھتے کیا ہو کہ بیداد کروں یا نہ کروں — یہ تو فرما دو کہ فریاد کروں یا نہ کروں

وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو — دل کو اس وعدے ہی میں شاد کروں یا نہ کروں

عاصمی

مثالِ آئینہ ہم نے سبھی نقشِ جہاں دیکھا — جہاں دیکھا بصورت تجھی قالب میں جاں دیکھا

قیامت کی عقوبت ساری ہجرِ یار میں گزری — وہاں تھا دیکھنا جو کچھ سو سب ہم نے یہاں دیکھا

انشا

ہوئے ہیں خاکِ سرِ راہ اُس کے ہم انشا — بڑا غضب ہی جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

افسوس

اُس کے اُٹھتے ہی جی پہ آن بنی — دیکھیے آگے آگے کیا ہوگا

بیاں

اب ہجر میں کہتا ہی کہ تھا وصل میں آرام — نالاں ہی بیاں میں نے تو دیکھا تجھے جب بھی

پیو شراب جوانو کہ موسمِ گل ہی — ہمیں بھی یاد وہ عہدِ شباب آتا ہی

جاتا ہی یار کچھ تو بیاں منہ سے بول لے — اے بے نصیب مانعِ گفتار کون ہی

ہوویگا ذوقِ حسرتِ دیدار میں خلل — شیریں گزر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

رباعی

سو طرح سے یہ عشق لبھاتا ہی مجھے — ہر چیز میں آ جلوہ دکھاتا ہی مجھے

کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہی یارب — ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہی مجھے

رباعی

دنیا سے بیاں چلا ہوں روتے روتے — گزری شبِ عمر اپنی سوتے سوتے

ظلمات میں تھا آبِ بقا پر افسوس — روشن یہ ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

بیتاب

دل چھین لیا میرا بنارس کے بتوں نے — اس وقت میں تو اے مرے اللہ کہاں ہی

بسمل

اُن کی منہ کی کیا کروں تقریر — نقش ہی روئے خاک پر تحریر

تاباں

عجب احوال ہی تاباں کا تیرے — کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

سید محمد تقی (عرف میر گھاسی)

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرنا بلبل — تری فریاد سے جیتا ہوں مرنا بلبل

جرأت

آنے کی خبر ہی اُس کے لیکن — آتا نہیں اعتبار دل کو

آپ کا جان کے سب مجھ پہ کرم کرتے ہیں — ہے عینِ ہجر ہی میں میسّر وصالِ دوست

بات میں کس کی سنوں آہ کہ اے مرغِ چمن — شور میں اپنے ہی نالوں کے سدا رہتا ہوں

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں — تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں

کچھ تو نکلے آرزو دشنام نے تلوار کھینچ — چشمِ حسرت سی کہاں تک دمبدم دیکھا کریں

چین اس دل کو نہ اِک آن ترے بن آیا — دِن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

حاتم

حاتمِ بیکس کا تجھ بن کون ہی — کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

حزیں

ویراں ہوا ہی باغ خزاں سے یہاں تلک — چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

حسن

تھی ہمیں سیر کوئی دن اُسی میخانے کی — اب خبر ہی نہ صراحی کی نہ پیمانے کی

تیغ ابرو نے تو مارا ہی تھا جو زلف نہو — غیر زنجیر خبر کون لے دیوانے کی

اے حسن آپ کو سمجھیگا تو کیا بس چپ رہ — سرِ حق ہی یہ نہیں بات تری پانے کی

حیراں

دلِ ستم زدہ کا آج پوچھتے ہو حال — غمِ فراق سی کب کا ہوا ہشت نصیب

حسرت

کہی وہ اپنے منہ سی قتل حسرت کو کیا میں نے — مرے مرنے کی عالم میں خبر اوس ہو تو بہتر

قطعہ

تم جو کہتے ہو کہ دو حسرت کو — آہ و فریادیاں کیا نہ کرے
آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے — دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

مؤلفِ تذکرہ ۔ میر حسن ۔ متخلص بہ حسن

عشق کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا — راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائیگا
تو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں — لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا
قیامت تھی، شب اس کا ترحم اور تظلم تھا — کبھی تھیں گالیاں منھ پر کبھی لب پر تبسم تھا
ایسی ہی آہ باتیں اس بے وفا نے چھیڑیں — روتے ہی روتے جس میں روزِ وصال گزرا
اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا — جیسے کوئی بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا
چھوڑے ہے کوئی کسی کے لئے جس طرح سے کچھ — ہم نے تری منت میں تری کون و مکان چھوڑ دیا
کرتے تو مجھکو قتل کیا ہو پر اب حسن — کیا کیا نہ اپنے جی سے وہ باتیں بنائیگا
جز اشکِ بلبل اب نہیں گل شاخسار پر — کیا اوس پڑ گئی ہے چمن میں بہار پر
اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا — ہو چکی واں بہار ہی آخر
مژۂ چشم نے پلکوں کی چڑھا سنگینیں — ایک عالم کو نظر بند کیا پہرے میں
ہزار حیف کچھ اپنی ہمیں خبر نہ ہوئی — تمام عمر گئی پر ہمیں یہ سحر نہ ہوئی
شبِ فراق میں رو رو کے مر گئے آخر — یہ رات جیسی تھی ویسی ہی سحر نہ ہوئی
جان و دل ہیں اداس سے میرے — اٹھ گیا کون پاس سے میرے
جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہم کو حسن — اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے
کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے — دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی — پر ایک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی
کچھ ہو نہ ہو سلے ہو تیرا خیال ہر دم — اس بن نہیں گزرتی اس بن نہیں گزرتی

رہی جس میں خطرہ سدا نیستی کا — بس اے زندگی ایسی ہستی سو گزرے

رباعی

دُنیا داری میں اور نہ دین داری میں — چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری میں
حیرت کدۂ دہر میں تصویر کی طرح — سویا کرتے ہیں عین بیداری میں
پہنچے نہ حسن منزلِ مقصود کو ہم۔ اور — آخر ہوئے سب زیست کے ایّام سفر میں

۵ کرم اللہ خاں دَرد

اگر وہ بت کسی صُورت سے میرا رام ہو جائے — تو پوچھ اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے
تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہی نیم بسمل کر — اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے
تحمل آتشِ غم میں دلِ بیتاب کیا جانے — ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
کنارے سے کنارہ کب ملا ہی بحر کا یارو — پلک لگنے کی لذت دیدۂ پر آب کیا جانے

حضرت خواجہ میر دَرد

خوابِ عدم سے چونکے تھے ہم تیری واسطے — آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
باری مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا — پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا
کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اُس کو بھی — جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا
مدرسہ یا دیر یا کعبہ تھا یا بُت خانہ تھا — ہم سب ہی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا
ولئے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا
ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ — وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا
جان سے ہو گئے بدن خالی — جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سَو سَو طرح سے مر دیکھا
تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا — برابر ہے دُنیا کو دیکھا نہ دیکھا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا — بس ہجومِ یاس دل گھبرا گیا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا — پر وہ کیا کچھ تھا کہ دل کو بھا گیا

کسی سے کیا بیاں کیجے اِس اپنے حال ابتر کا — دل اُس کے ہاتھ دی بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو — ورنہ کچھ طاعت کی خاطر کم نہ تھے کرّوبیاں

ہم کس ہوس کی تجھ سے فلک جستجو کریں — دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں — گر آئینے کے سامنے ہم ایک ہو کریں

تیرے سوا نہیں کوئی دونوں جہان میں — موجود ہم جو ہیں بھی تو اپنے گمان میں

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں تو نہ ہو — کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو — پر نہ آجائے کبھی جی میں کہ آزاد کرو

اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں — اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے
تمنّا ہے تیری اگر ہے تمنّا — تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

رہنے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے — اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ وہ آہوں کی ہے دھونی — ہُوا کیا دردؔ کو پیارے گلی کیوں آج ہے سونی

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن — میں نے پوچھا تو کہا۔ خیر یہ مذکور نہ تھا

رباعی

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم — تھے آپ ہی ایک سُو۔ گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی — ساتھ اپنے دوچار ہو گئے ہم

رباعی

اے دردؔ یہ دردِ جی سے کھونا معلوم — جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزارِ جہاں ہزار پھولے لیکن — میرے جی کا شگفتہ ہونا معلوم

رباعی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی — اے درد کہاں ہی زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو — کہتے ہیں ہم آپ اب کہانی اپنی

درخشاں

تھی درائے ناقۂ لیلیٰ کی ہردم یہ صدا — آہ مجنوں پاشکستہ رہ گیا محمل سے دُور

رُسوا

رُسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے — ایسی نگاہِ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے
وصل میں بیخود رہی اور ہجر میں بیتاب ہو — اِس دِوانے دل کو رُسوا کس طرح سمجھائیے
وہ کون سی زمین جو اشکوں سے نم نہیں — رُسوا بھی اِس زمانہ میں مجنوں سی کم نہیں
دیگرے را در گرفتاری شریکِ ما مکن — مدعا گر شہرتِ حسن ست یک رُسوا بس ست

رِند

سینے سے داغِ عشق مٹایا نہ جائیگا — ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

راقم

پہنچا نہ آہ درد کو میری کوئی طبیب — یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہی مجھے
سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہی جگ میں دوامِ صبح — ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

قطعہ

اے باغباں نہیں تری گلشن سی کچھ غرض — ہم کو قسم جو توڑیں ترے برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ہم اور عندلیب — آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھکر کہیں
کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے — اُڑا دیتے ہیں اُس کی بات ہنس کر

رضا

دنیا میں کوئی تجھ سا ستمگار نہیں ہی — بے رحم جفا پیشہ و خونخوار نہیں ہی

زار

چھوٹ جاویں غم سی ہر دم کے جو نکلے دم کہیں
خاک ہی یہ زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

ایک دن آ گے ہی دنیا سی اُٹھا نا ہم کو
شب فرقت تو آکہی نہ دکھا نا ہم کو

ہمیں تو فرش سے اور تکیۂ مخمل سے بہتر ہی
گلی میں اُس کی پڑ رہنا سرہانے ہاتھ کو دھر کے

سراج

نہیں ہی تاب مجھی تیرے سامنے جانا
کماں سراج کہاں آفتاب عالم تاب

اوس بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نہیں ہی ستاروں کی کیا کمی

شعلہ خو جب سے نظر آتا نہیں
لوٹتا ہی تب سے انگاروں پہ دل

وہ ظالم مجھکو جلتا دیکھکر اتنا نہیں کہتا
کہ کیا ثابت قدم ہی کیوں نہو آخر سراج اپنا

سعادت

واللہ جو سر لوح ترا نام نہ ہوتا
ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

سجاد

جان و دل سب قبول ہی جاتا
پر گلی میں تری مجھے آنا

اس فصل گل میں جوشِ جنوں کا ہوا ہی قہر
جنگل میں آ بسا ہی نکل کر تمام شہر

اس زمانے میں دوستی کا رنگ
آن میں کچھ ہی آن میں کچھ ہی

سودا

سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہی کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہی کہ نہیں

فکر معاش ذکر بُتاں یادِ رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

گر ہو شراب و خلوت و معشوق خوب رُو
زاہد تجھے قسم ہی جو تو ہو تو کیا کرے

عشرت سی دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہو سکے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

مت اگر خط تم اپنے حق میں کیوں کانٹوں کو بوتے ہو — یہ عارض گل نمو دیں عبث سبزہ بھی کھوتے ہو

صورت میں تو کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے — اک دھج ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے

پوچھے ہے پھول پھل کی خبر اب تو عندلیب — ٹوٹے جھڑے خزاں ہوئی پھولے پھلے گئے

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

نہ تلطف نہ مروت نہ محبت نہ وفا — سادگی دیکھ کے اس پر بھی لگا جاتا ہوں

محمد امیر سوز

یاریوں دور جا سے اللہ — کیا زمانے کا انقلاب ہوا

سوز کچھ منہ بنائے آتا ہے — آج مجرے کا پھر جواب ہوا

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہوگیا — آہ یارب راز دل ان پر بھی ظاہر ہوگیا

بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا — تڑپنے کے سوا کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا

شل سے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے — کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

شاعر

اپنے مطلب کی کہی جائیں گے ہم — گرچہ سو بار نہیں کیجئے گا

ضیا

کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگ خلق — اس کے کوچہ میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

مجھ سا بندہ نہیں خدائی میں — ہاتھ سے اے صنم نہ کھو مجکو

آہستہ پاؤں رکھیو اے بوئے گل چمن پر — سوتے ہیں اس زمین میں نازک دماغ کتنے

اک تبسم میں کیا خلق کو ساری تسخیر — مسکرانا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے

کون سے زخم کا کھلا ٹانکا — آج پھر دل میں درد ہوتا ہے

کبھی جا گل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو — خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے ہے ڈھونڈتی کس کو

ہم نہ مشہر نہ ہم نہاں ہوئے — اُگتے ہی ہم تو پایمال ہوئے

دل کے جلنے پر نہ کی رقت کسی نے رحم ہی — خود بخود جل بل یہ انگارا دہک کر رہ گیا

کعبہ میں چھپ رہا ہی یا دیر میں نہاں ہی — خانہ خراب جلدی تو بول اُٹھ کہاں ہی

کیا کہا قاصد ضیاؔ سنتے ہی جس کے مرگیا — بات تھی کچھ یاس کی یا ہجر کا پیغام تھا

ظہورؔ

چشم گریاں حسن سے معمور ہی — چاندنی برسات کی مشہور ہی

مرزا عسکری

بات اب امتحان پر آئی — قصۂ کوتاہ جان پر آئی

عشقؔ

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم — تجھے تیری طرف جدھر گئے ہم

تھا کعبۂ و دیر سے کیے کام — مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم

فراقؔ

اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں — کوئی اُن ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہی

فقیرؔ

زندگی موج آب ہی گویا — دم کا آنا حباب ہی گویا

فغاںؔ

دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے — گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا

یہ امتحاں نہ کر اے میرے مہربان عزیز — جہان میں کوئی تجھ سے رکھیگا جان عزیز

فغاںؔ کو وصل میں آرام کیا ہو — جُدائی کا تصوّر بندھ رہا ہی

فدویؔ

فدویؔ مرا ہی کام ہی روز اُٹھکے جس طرح — رکھتا ہوں تھام تھام دلِ بیقرار کو

فارغ

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گوہر نکلا
بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

افصح

کر یاد تجھے جدھر گئے ہم
ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم
سُرمۂ چشم جہاں ہیں ہونا
خاکساری کی کرامت دیکھی

قایم

اِن دنوں چرخ پر نہیں یہ مہر
گود میں کا ٹھکرا ی لئے ہے سپہر
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات
کالے کمل میں رات کاٹے رات
درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی نادم ہوں
کیا کہوں پر رہا نہیں جاتا
یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لینا نہ کہیں نام کسی کا
ہم نے ہر طرح تسے ہجر میں دل شاد کیا
ہچکی آئی تو یہ سمجھے کہ ہمیں یاد کیا
کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ
ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا
ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا
خوب نکلے ہم اُس کے کوچہ سے
ورنہ آئے تھے اک عذاب میں رات
آہ اے پیر چرخ قایم نام
یاں جو رہتا تھا اک جوان ہے یاد
بے شغل نہ زندگی بسر کر
گر اشک نہیں تو آہ سر کر
کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی
اس سے جو کوئی جیا تو مر کر
وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں
خوش رہ لے دل اگر تو شاد نہیں
یاں کی شادی پہ اعتماد نہیں
میں کہا۔ عہد کیا کیا تھا رات
ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

نازو ادا کہیں کہیں عجز و نیاز ہی — کس کس طرح سے یار مرا جلوہ ساز ہی
حسرت دل کو مری سمجھی وہی خستہ جسے — یار نے آ کے دم باز پسیں دیکھا ہی
گو۔ کہیں یار۔ بلایا ہے وہ اب آتا ہی — پر اُسے ہیں تو سمجھتا ہوں وہ کب آتا ہی
شام ہوتی نہیں اک دل پہ بلا ہوتی ہے — صبح ہوتی نہیں اک جی پہ غضب آتا ہے
مر جایئے کسی سے پر الفت نہ کیجئے — جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے
شب گریہ سے وابستہ مری دل تنگی تھی — جو بوند تھی آنسو کی سو ہیرے کی کنی تھی
مردن دشوار ہیں یہ جان سے تقصیر ہی — حسرت دل سو طرف سے اس کی دامنگیر ہی
فلک رلائے تو ہی ہم کو لیک یہ ڈر ہی — کہ بلبلا سے کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے
مجھ سا کوئی جہان میں آشفتہ سر نہیں — ہی یوں تو زلف یار بھی پر اس قدر نہیں
قایم ہیں عندلیب خوش آہنگ تھا لے — زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے
آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی — کچھ رکا جاتا ہی دل گردسے ویرانے کی
آج کی رات جو اس گل کا میسر ہو وصال — شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی

قدرت

اہل عدم کو رمز فنا کا تھا کب شعور — سر مشق رفتگاں مرا لوح مزار تھا
تڑپوں ہوں خاک و خوں میں پڑا جس کو وار سے — قدرت میں کیا کہوں یہ وہی شہسوار تھا
کس کی بیرنگی یہ شمع پردۂ فانوس ہے — جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہی
جو نقش قدم ہیں ترے وہ خاک نشیں ہم — تا مٹ نہ چکیں آپ سے چھوڑیں نہ زمیں ہم
سینہ اُس کا ہی دل اس کا ہی جگر اُس کا ہی — تیر بیدا دجدھر رو کرے گھر اُس کا ہی

قرباں

یوں بند قبا کھل گئے جو آن میں گل کے — کیا پھونک دیا تو نے صبا کان میں گل کے
کیا کچھ دل بلبل پہ کرے دیکھئے یہ عشق — سو چاک دیئے جس نے گریبان میں گل کے

رباعی

کافر

کیا پھرتی ہی میکدی میں مٹکی مٹکی — زاہد عابد سے ڈور بھٹکی بھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر — یہ دخترِ رز بھی جیسی اٹکی اٹکی

کلیم

آتی ہی دل پہ قلقلِ مینا سے اب شکست — وے دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

گماں

مدت سے ہو رہا تھا مرا داغ داغ دل — اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل
فیضِ گل سے پھر ہوا اب گرم بازارِ چمن — نسبتِ پر لے کر ہوئی بلبل خریدارِ چمن
مجھے تو زیست بھی دشوار ہو گئی ہی اب — خدا کرے کہ گماں۔ دل مرا سنبھل جائے
قتل کر مجکو مری نعش پہ بولا قاتل — ہائے یارو یہ گماں تھا؟ مجھے معلوم نہ تھا

گریاں

دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر — مر جاوی وہیں وہ آہ بھر کر
رشکِ روحی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہی — کہ دودِ شمع پہ رکھتا نہیں بارِ کفن اپنا

مضموں

ہم نے کیا کیا نہ تری ہجر میں محبوب کیا — صبرِ ایوبؑ کیا گریۂ یعقوبؑ کیا

میر مدد اللہ۔ رند

اشک آنکھ سے دل ہاتھ سے جی تن سے چلا جائے — اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے

منعم

بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز — دل کے نگیں پہ نقش ہی نامِ خدا ہنوز
تصویر اُس کی کھینچ کے ناز و ادا کے ساتھ — نازاں ہی اپنے آپ پہ دستِ قضا ہنوز

محمد تقی۔ میر

کیا دن تھے وہ کہ یاں بھی دلِ آرمیدہ تھا — رو آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا — بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم — عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میرؔ کا اس لیت و لعل میں لیکن — نہ گیا ظلم ہی تجھسے نہ بہانا ہی گیا

کہاں آتے میسرؔ تجکو تجھ سے خود نما تنے — یہ حسنِ اتفاق - آئینہ تیری روبرو ٹوٹا

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات — کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

صیاد دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ — تجھکو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے — جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا — جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے — ہے خیر میرؔ صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا — خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا — کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اُس کے میرؔ — سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

مانندِ شمع آتشِ غم سے پگھل گیا — بزمِ جہاں میں روتے ہی روتے میں گل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر — تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رُخِ زرد پر مرے — کہتا ہے میرؔ رنگ تو کچھ اب نکھر چلا

رخصتِ سیرِ باغ ہمیں نہ ہوئی — یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل — اک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

کی سیرِ جذبِ اُلفت گلچیں نے کل چمن میں — توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے — اے اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

مطرب نے پڑھی تھی غزل اک میر کی شب کو — مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو

ہوگا کسی دیوار کے سایہ میں پڑا میر — کیا ربط محبت سے اُس آرام طلب کو

مرتے ہیں تیری نرگسِ بیمار دیکھکر — جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھکر

جاتا ہے آسماں لیئے کوچہ سے یار کے — آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھکر

رہی نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری — نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

آتا ہی جی میں حالِ بد اپنا بھلا کہوں — پھر آپ ہی آپ سوچ کہ کہتا ہوں کیا کہوں

نازِ چمن وہی ہی بلبل سے گو خزاں ہی — ٹہنی جو زرد بھی ہی سو شاخِ زعفراں ہی

از خویش رفتہ اکثر رہتا ہے میر اُس بن — کہتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے — اس طرح کے رونے کو کہاں سے جگر آوے

کوئی کانٹا سرِ رہ کا ہماری خاک پر بس ہی — گل و گلزار کیا درکار ہی گورِ غریباں کو

کام تھے عشق میں بہت پر میر — ہم ہیں فارغ ہوئے شتابی سے

دمِ نزع دشوار دی جان اُس نے — مگر میر کو آرزو تھی کسی کی

مر گیا کوہکن اسی غم سے — آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہی

کتنا خلافِ وعدہ ہوا ہوگا وہ کہ یاں — نومیدی اور اُمید مساوات ہو گئی

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے — ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے

دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا — ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

کوئی نا اُمیدانہ کرتے نگاہ — سو تم ہم سے مُنھ بھی چھپا کر چلے

بے بسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے بنے
نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سُنا کرتے ہیں

اُس کے کوچہ میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر
ایسے ہنگامے تو یاں روز ہوا کرتے ہیں

اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں
یاں کبھی سرو و گل کے سائے تھے

ڈوبے اُچھلے ہے آفتاب ہنوز
کبھی دیکھا تھا تجھکو دریا پر

اِن دنوں یاروں کی نظروں سے نہاں رہتے ہو
خوش رہو میر مری جان جہاں رہتے ہو

رباعی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلتِ کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر
مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

مِنّت

مِنّت ایسے کو دل دیا تو نے
اے مری جان کیا کیا تو نے

مُحِب

عارض اُس کے تھے عرق سے یوں سحر بھیگے ہوئے
جس طرح شبنم سے دو گلبرگِ تر بھیگے ہوئے

اشک سے مژگاں ہیں نم تجھ تک پہنچتی نہیں نگاہ
مانعِ پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

ممتاز

ڈروں میں کس لئے رنجش سے پیار میں کیا تھا
میں اب خزاں کو جو ڈروں بہار میں کیا تھا

جفائے یار نے کس طرح کر دیا مایوس
اور اپنی خاطر اُمیدوار میں کیا تھا

تری ہی واسطے آئے عدم سے ہم یاں تک
وگرنہ ہستیِ ناپائدار میں کیا تھا

عشق میں عرضِ تمنا مانعِ دیدار ہے
میرا ہی دستِ دعا منہ پر مری دیوار ہے

یادُاس شوخ کی اِس دل میں بھری رہتی ہے — لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے

محترم

محترم کیا بیاں کروں تجھ سے — اِس دلِ داغدار کی صورت

مستمند

نزع تک وصل کی ہے یار اُمید — ہے مثل ایک دم ہزار اُمید

مائل

کتنا نہ تھا کہ باز آ ہر دم کی اس ہنسی سے — آخر گیا نہ ظالم اِک بے گناہ جی سے

مصحفی

جہاں کا گل بنے وہ شوخ یارب — مجھے تو اُس چمن کا خار و خس کر

وقفہ

اے پیکِ نگہ۔ دیدۂ تر ہے درپیش — دن ہیں برسات کے اور رہ میں خطر ہے درپیش
دلِ حیراں کی مری دیکھئے صورت کیا ہو — اب تو واں آئینہ ہی آٹھ پہر ہے درپیش
ہے نہاں داغِ جگر زخم نمایاں کے تلے — جس طرح لالہ کہیں ہو گلِ خنداں کے تلے
آشیاں بندی کی تکلیف نہ کر ہم کو ہوں — گر رہیں گے کسی دیوارِ گلستاں کے تلے

مجذوب

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہے صفیر — صیاد نے سُنا یہ ترانہ تو ہم رہے
عجب قسمت ہے اپنے دل کی بازارِ محبت میں — جو کوئی صبح اُس کو لے گیا تو شام لے آیا

ناجی

اُس کے رُخسار دیکھ جیتا ہوں — عارضی میری زندگانی ہے

ولی

پھر میری خبر لینے وہ صیّاد نہ آیا — شاید کہ اُسے حال مرا یاد نہ آیا

صنم کے لعل پر وقتِ تکلّم — رگِ یاقوت ہی موجِ تبسّم

زندگی جامِ عیش ہی لیکن — فائدہ کیا اگر مدام نہیں

عجب کچھ لطف رکھتا ہی شبِ خلوت میں مہرو سے — سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

اے جانِ ولی وعدۂ دیدار کو اپنے — ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

ہے حسن ترا ہمیشہ یکساں — جنّت سے بہار کیوں کہ جاوے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہی اُس کو — کرتی ہی نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی

وحشت

لگتا ہی مجھکو آج یہ سارا جہاں خراب — شاید کہ مرگیا ہی کوئی خانماں خراب

وفا

حُسنِ عمل پہ اپنے نہ پھول اس قدر کہ شیخ — واں کے معاملے کی کسی کو خبر نہیں

دکھ نہ دے اس قدر وفا کے تئیں — آخرش وہ بھی جان رکھتا ہی

بس کہ اپنے انقلابِ بخت سے ڈرتے ہیں ہم — بسترِ گُل پر بھی لرزاں ہی قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ کرلیا ہی اُس نے اے محرم تو کیا — یاں تو بیتابیِ دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

نہ کشتی پار رہی بہہ کر گئی اپنی نہ وار آئی — ہوئے ہیں غرقِ دریا اُس گھڑی جب عین دھار آئی

شب و روز وصل کو روئیے کہ عجب وہ لیل و نہار تھا — کبھی ہم سے یار کو لطف تھا کبھی ناز تھا کبھی پیار تھا

یک رنگ

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہی — میرا صبر و قرار جاتا ہی

خیالِ چشم و ابرو کرکے تیرا — کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

زخمی برنگِ گل ہیں شہیدانِ کربلا — گلزار کی نمط ہے بیابانِ کربلا

اندھیری جہاں میں کہ ابا شامیوں کے ہاتھ — ہے سر بُریدہ شمعِ شبستانِ کربلا

یار

جائے سنگِ لوحِ تربت نصب کیجو آئینہ — تا کوئی جانے کہ یہ حسرت کشِ دیدار تھا

آفریں اے دستِ گستاخِ محبت آفریں — یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ھار تھا

۱۶ر نومبر ۱۹۲۱ء
حیدرآباد (دکن)

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخن سنجان مضمون پرور را حمد قادرے کہ زبانِ لال قلم را از سرمۂ دودۂ ہیچمیچ منقار
بلبلاں نمودہ محال؛ و نکتہ پردازانِ معنی گستر را ثنائے صانعے کہ حسنِ شاہدِ مضمون را در آئینۂ
الفاظ جلوۂ عروسی دادہ بہ نظرِ صاحب نظراں در آوردہ اند وہم ست و خیال؛ سبحان اللہ شبہ
راہوسِ منزہ در سر آید لاحول و لا قوۃ الا باللہ؛ چہ حمدے کہ سزاوار محمدت اوست بزبانِ
محبوبِ خود فرمودہ؛ الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین؛ و غریقِ بحرِ معصیت از
زبانِ زیاں کار نعتِ معجز بیانی کہ شادابیِ کلامش سبعۂ معلقہ را از عرقِ خجالت فصحائے
نطقے را شستہ بچہ رو گویاند محض جرات ست و محال؛ چہ نعتے کہ درخورِ لیاقت او ست محبِّ او
فرمودہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین؛ و ایاک نعبد و ایاک نستعین؛ او صیاے او کہ بر
صراط المستقیم اندر روندگانِ طریقِ ہدایت را وخضر راہ ہند گمگشتگانِ بادیۂ ضلالت را در منقبت
ایشاں از خود چہ انشا کند غیر ازیں مناجات کہ اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم
غیر المغضوب علیہم ولا الضالین؛ آمین- اما بعد ایں پروردۂ آغوشِ رنج و محن اسیرِ دار الحزن میر
غلام حسن ابنِ میر غلام حسین بن میر عزیز اللہ را تمنائے آں شد کہ تذکرۂ سخن آفرینانِ ہندی
زبان را کہ چمن چمن گلہائے رنگین معانی و گلشن گلشن نازک خیالی در گریبان دیوانہا ریختہ اند
دستہ بندِ صفحۂ اوراق نماید تا ہر صاحب نظرے از تماشائے آں بحمدِ صانعِ حقیقی ذاکر شود

کہ مصنوعِ او یک عروس را بہ ہزاراں ہزار بوئے معانی پیچیدہ، اگر عاشقانہ است بیاباں بیاباں
وحشت در روست و گر مجنونانہ است جفا جفا غمزہ با دست اگر بزمیہ است محفل محفلِ طنازی ست
و گر رزمیہ است میدان میدانِ جانبازی ست اگر تعریفِ خوش خرام ست قمری سروِ قالی
شان خندہ کبک بر کوہسار دارد، و گر تعریفِ تیغِ خوں آشام ست دمِ او چشمک بر برقِ خاطف
می زند، غرض ازیں جا ثابت می شود معنیِ الحمد کہ جمیع محمدت محمودِ حقیقی ست، وما توفیقی الا باللہ
علیہ توکلت والیہ مآب، پس از دریافتِ حالِ خیر مآلِ ہر صاحبِ سخن شمّۂ کہ از دوستانِ حقیقت
داں مسموع نمودہ در ذیلِ اشعارِ ہر یک نوشت و مطابقِ حروفِ تہجّی نامِ ہر یک را ضبط نمود تا
جویائے را تردد نہ افتد، و دعائے خیر خلف و سلف نماید، مدعائے فقیر از ذکرِ جمع کثیر ہمیں ست
و بس، شاید بہ طفیلِ ایں بزرگان کسے را توفیق در حقِ ایں جامع آید، باللہ التوفیق والیہ التکلان۔

ذکرِ اول، بادشاہِ جمجاہ سکندر سپاہ ظلّ اللہ شاہ عالم بادشاہ، با وجود شغلِ جہانبانی و
فرمانروائی گاہ گاہ بحسبِ اتفاق زبانِ الہام بیان را بہ گفتنِ رباعی و بیتے کہ عبارت از فارسی
و ریختہ نیز باشد گلفشاں می نماید و آفتاب تخلصِ او در یں زماں اظہر من الشمس ست خلد اللہ ملکہ
و افاض اللہ برّہ و احسانہ، من غزل

صبح تو جام سے گزرتی ہے شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے اب تو آرام سے گزرتی ہے

بعضے از احوالِ متقدمین
حروف الف سلک متقدمین

باید دانست کہ ریختہ اوّل از زبانِ دکھن رواج یافتہ
فقیر اللہ آزادؔ تخلص از حیدرآباد، بود در صغر سن
یتیم شد، اہلِ محلہ عزیز می داشتند، چوں بحدِ بلوغ رسید عشقِ گل رخے ورزیدہ مانندِ عندلیب
نالاں بہ آہ و فغاں بسر می نمود و برنگِ صبا سراسیمہ می گشت، یک جا قرار نمی گرفت چنانچہ ہمراہ
فراقی دکھنی در شاہجہان آباد آمدہ بود طبع دردمندی داشت و بسیار بہ صفا حرف
می زند جدائیش بیا مرزد، از دست ؎

[1] کوئی کسی ہی فن میں مجھ ساتھ بر نہ آیا   پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

احمد گجراتی از قدیم ست دگر احوالش معلوم نیست ؎

ہوئے دیدار کے طالب خودی سی خود گزر نکلے   نہ پائی راہ دانش میں خردشاں بے خبر نکلے

محمد افضل "افضل" تخلص از قدیم ست کدام ہندو بچہ گوپال نام بود کہ برد عاشق شدہ حسبِ حالِ خود بارہ ماسہ عرف بکٹ کہانی گفتہ کہ اکثر کھتریاں و گائنیاں مشتاق او می باشند نصفے فارسی و نصفے ہندی دارد لیکن قبولیت داد الٰہی ست، بر دلہا اثر می کند از وست

پڑی ہے گل میں میرے پیم پھانسی   مرن اپنا ہے اور لوگوں کو ہانسی

مسافر سے جنھوں نے دل لگایا   اُنھوں نے سب جنم روتے گنوایا

آدجی تخلص، از پیرزادہائے حیدرآباد بود اوّل در شعر و شاعری و آخر بعبادت گزرانید غفر اللہ

درپن سیتی نگاہ کو مائل نکو کرو   یہ دکھ اپس کے واسطے حاصل نکو کرو

احمد گجراتی دیگر در زبانِ سنسکرت و بھاکا می گویند کہ تصانیف بسیار دارد، چوں معاصر شاہ ولی اللہ ولی بود دو سہ ریختہ نیز گفتہ، خدایش بیامرزد ؎

شب جھوٹے وعدوں پر جو ترے ہم بہک گئے [1]   کوئی لاکھ بار گھر سے اُٹھے در تلک گئے

چھپی تھی کل تباں سے کہیں دل کی میں خبر   سو آج لا کے سر سے وہ میرے پٹک گئے

احمد بتا میں کیا کروں اب راہِ عشق میں   سر پر تو سانجھ پڑ گئی اور پانو تھک گئے

مجد تخلص نیز شخصے از قدیم ست، اکثر قوالان ایں غزل او را می خوانند ؎

نمتا تھا جسے کعبہ و بت خانہ میں آخر   امجد میں اُسے حضرتِ انسان میں دیکھا

از حروفِ الف ذکرِ احوالِ متوسطین

او اخر فرخ سیر و ابتدائے سلطنت محمد شاہ بادشاہ خانِ مغفرت نشان سرگروہ سخن سنجان استادِ استادانِ ہندوستانِ جنت نشان چراغ دودمانِ گفتگو سراج الدین علی

---

[1] تذکرۂ شعرائے ہند، مؤلفہ ڈاکٹر فیلن و مولوی کریم الدین میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے ؎
سب صنعتیں جہاں کی آزادہم کو آئیں

خان آرزو، بعد امیر خسرو دہلوی چنیں صاحب کمال پُرگو و خوشگو بسامع عالمیان نہ رسیدہ ہفت دیوان دارد کہ ہر یکے پہلو بہ نظیری و فغانی می زند و دیگر چند تصنیفات دارد فکر صائب او تزلزل در ارکان مضامین مبتذل انداختہ شاعر فارسی و عالم فاضل شہرۂ آفاق در سخن فہمی طاق، استادان ریختہ نیز شاگرد اویند، برائے تفنن طبع دو سہ ریختہ خود ہم فرمودہ نور اللہ مرقدہٗ، ؎

جان کچھ تجھ پہ اعتماد نہیں — زندگانی کا کیا بھروسا ہے
میخانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے — زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے
رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے — چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے
آتا ہی صبح اُٹھ کر تیری برابری کو — کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

اسد یار خان المتخلص بہ "انسان" مردے بود بکمال انسانیت و قابلیت، دران زمان بہ پایۂ امارت رسیدہ بسیار بکرّ و فر معاش می نمود، خدا اش بیامرزد ؎

نہ دیکھی اک جھلک بھی آن کر تن بیچ اندھولے — اگرچہ ہر بُن مو سے بدن سارا اُٹھکا ہے
زمین اور آسمان اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انسان — نظر بھر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھمکا ہے
سودا خیال خال کا سر سوں گزر گیا — تل باندھتے تھے جس میں وہ کملی نہیں رہی

باید دانست کہ سخن سنجان آن زمان در پئے صنعت ایہام می بودند و تلاش لفظ تازہ می نمودند چون طرز تازہ بود خوش می آمد لیکن اکثرے ازین بحر گوہر شہوار بر نبردند و بعضے بسبب تلاش لفظ خذف ریزہ بہ کف آوردند، چار و ناچار برائے یادگار رقمی می نماید، معذور باید داشت ؎

محمد اشرف ہمعصر میاں آبرو شخصے بود ؎

لے پل میں نیم خواب بیچ ڈر بڑھے گا لیا — اس غم سے خاک عاشقان سیوں بیچ ڈالیا

مرزا اکبر قلی اکبرآبادی ؎

جا کہہ نسیم گل سے سر ما کا خوف مت کر — بلبل کے بال و پر سے تو ہی بنا دوشالا

"افکار" تخلص ؎

چاہیئے گر بت کو پوجو دل کو بتخانہ کرو　　رام ہی سرجن تمھارا گھٹ میں پیدا کرو

خواجہ زین العابدین آزاد، تخلص، جوان محمد شاہی بود، از وست ؎

جبھی بلبل نے چھوڑے شعلۂ آواز کے چھٹکے　　تبھی گلشن کے سالے جل اٹھے گل اور کنول دہکے

آبرو، غنچۂ گلزار گفتگو از شاگردان سراج الدین علی خان آرزو میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک المتخلص بہ آبرو، نبیرہ حضرت محمد غوث گوالیاری نور اللہ مرقدہٗ از ابتدائے جوانی مشقِ سخن می کرد شاعر خوشگوے در وقت خود بود، خداش بیامرزد ؎

دل تو دیکھو آدم بے باک کا　　عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوگی　　اِس دل بے قرار کی صورت

کریں جو بندگی ہوویں گنہگار　　بتاں کی کچھ نرالی ہے خدائی

بوسا لباں سی دینے کہا کہہ کے پھر گیا　　پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤنگا اس گلی　　ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

مشتاقِ عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے　　یہ روٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹھکنا

دُور خاموش بیٹھ رہتا ہوں　　اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

اُٹھ جیت کیوں جنوں سیتی خاطر نخبت کی　　آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا اب تک نہیں مجھ کوں　　طرح وہ پاؤں رکھنے کی مری آنکھوں میں پھرتی ہے

آبرو کے قتل کو حاضر ہوا کس کر کمر　　خون کرنے کو چلا عاشق پہ تہمت باندھ کر

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بیحاصل ہے یہ　　لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے یہ

کہتا ہوں میں پکار سنو کان دھر سجن　　جو اور سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں

میاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہے　　کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

زلف کی شان ٹک ادھر دیکھو　　کہ گویا عرش پہ لٹکتی ہے

کیا ہوا گو کہ مرگیا فرہاد — روح پتھر سے سر پٹکتی ہے
پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے — دے عاشقی کے آہ زمانے کدھر گئے
نچھوڑیگا پیارے جی کسی کا — تمھارا ہنس کے یہ کہنا اجی کا
زندگی ہو سراب کی سی طرح — بادبندی حباب کی سی طرح
کون چاہے گا گھر بسی تجھ کو — مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح
تب سیتی دل کو بے قراری ہے — جب سے ملنے کا کر گیا ہے قرار
جلتا ہو اب تلک ترے مکھڑے کے رشک سے — ہر چند ہو گیا ہی چمن کا چراغ گل
نالہ ہمارے دل کے غم کا گواہ بس ہو — دینے کے تئیں شہادت انگشت آہ بس ہو
دل کب آوارگی کو بھولا ہے — خاک گر ہو گیا بگولا ہے
شوق سے جس گھر میں ہو تو جلوہ گر — آئینے ہو جائیں دیواروں میں دل

شاہ ولی اللہ درویشے بود بکمال خوبی واخلاق المتخلص بہ اشتیاق، از اولاد مجدد الف ثانی نبیرۂ شاہ محمد گل مولداو سرہند بود در کوٹلہ فیروز شاہ کہ در شاہ جہاں آباد مشہور ست مسکن داشت از جملۂ اوستادان ایہام بنداں بود، الحق کہ بسے خوش فکر و خوش تلاش، از وست ؎

چھوڑ کر تجھ کو ہمیں ادر سے جو لاگ لگی — نہیں یہ مہندی ترے تلووں سے ہی آگ لگی
تہاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں — کچھ ان کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں
دوبالا ہو کے مخموری عبث آنکھوں کو ملتا ہے — پیالا اور بھی پی لے سجن یہ دور چلتا ہے

در وقتیکہ نواب روشن الدولہ مغفور از شاہ جہاں آباد تا درگاہ قطب صاحب کہ عرصۂ ہفت گروہ خواہد بود چراغاں کردہ بود دراں باب گفتہ بود ؎

ایسا مرید کیوں نہ دو عالم میں نستر ے
پیروں کی راہ میں جو کرو روشنیاں کرے

میاں احسن اللہ احسن تخلص در زمان عصر مرزے بود یکمال خوبی طبعش بسیار مائل
ایہام بود خدایش بیامرزد از وست ؎

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ — کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے
لام نستعلیق کا ہے اُس بُتِ خوش خط کی زلف — ہم تو کافر ہوں اگر بندے ہوں اسلام کے

علی احسن خاں، خان ساماں عمدۃ الملک امیر خاں احسن تخلص خدایش بیامرزد از وست

مدت ہوئی ہے دل کو وہ دلبر کے ساتھ ہے — دل تو ہمارے ہاتھ نہیں اُس کے ہاتھ ہے

الف خاں بہ لباس فقیری بسر میبرد، از وست ؎

پہلے قدم میں عشق کے میرا تو جی گیا — مجنوں یہ چند روز بھلا کیوں کہ جی گیا

ہینگن خاں متخلص بہ افغان زوینہ سرکار امت الحبیب بود موافقِ نام و نسب
خود میگفت ؎

خسرو سے ملی شیریں جب شیر و شکر ہوکر — پتھر سے پٹک سر کو فرہاد بہت رویا

نواب امیر خاں از اُمرائے عظام وظرفائے عالی مقام نواب عمدۃ الملک
خوش طبع و شیریں کلام از مقربان درگاہِ فردوس آرامگاہ بود، لطائف وظرائف
او مشہور و معروف ست گاہ گاہ اشہب فکر را بحسب اتفاق در میدان نظم تیز جولان
می نمود، نمک حرامی اورا بمشورۂ دشمنانش سر سواری اندرونِ قلعہ شاہجہاں آباد
شہید کرد، غفر اللہ لہٗ از وست ؎

ٹک تو فرصت دے کہ رخصت ہو چلیں صیاد ہم — مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم
ہیں بلائیں بھیڑ میں یہ مجھ سے نادانی ہوئی — دخترِ رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی

سید عالی نسب والا حسب غنچۂ گلشن افکار میر جیون المتخلص بہ افکار، از شاہجہاں
آباد است بیشتر فکرِ منقبت میکرد از مدتے برائے زیارتِ مشہدِ مقدس رفت از بسکہ
عقیدۂ درست داشت بر مزارِ مقدس بہ قرآن خوانی جا یافت، نقل است

روزے خادم او بنجا مثل دیگر فقرا از لنگر خانه به میر موصوف شوله تقسیم کرده بود در خواب بشارت یافت که ایں عزیز از برائے ما از ہند آمده است ایں را از طعمۂ خاص میداده باشند، خوشا بحال شخصے که امام زماں سفارش او نماید یک شعر در یں ولا در مدح از و بنجا گفته فرستاده است الحق که مضمون تازه یافته است خدایش سلامت دارد ؎

علی کا بیاه ایسا جگمگا تھا شب معراج جس کا رتجگا تھا

افقیر حسن مطلع رسانیده اگر قبول افتد زہے طالع ؎

وه شعله طور کا جو تھا سو اس رات مثال شمع تختوں پر لگا تھا

قزلباش خاں اُمید تخلص مرثے بود تازه ولایت، دیوان فارسی از و مشہور ست بسیار خوش معاش و یار باش بود با مردم ہندوستان بسیار اختلاط داشت و از صحبت ایں مردم علی الرغم قوم خود خوش بود خدایش بیامرزد، از وست ؎

در و دیوار سے اب صحبت ہے یارب ین گھر میں عجب صحبت ہے

از حروف الف بعضے از احوال متاخرین

گہر سلک متاخرین اثر از فصحائے نامدار و صلحائے کامگار خوش اوقات و نیک سیر عرف محمد میر المتخلص به اثر درویشے است موقر و صاحب سخنے است موثر عالم و فاضل رتبۂ قدرش بغایت بلند گوہر صدرش نہایت ارجمند برادر خورد خواجه میر درد دام افضاله شرح رساله درد او را مشتمل بر تواردہ بکمال قوت زود نوشته در خدمت برادر بزرگوار خود گوشه نشینی اختیار کرده و قدم بر جادۂ بزرگان خود نهاده بسر می برد، حق تعالی سلامت دارد ؎

بس رفع اب خیال مے و جام ہو گیا ساقی بیک نگاه مرا کام ہو گیا

میرے تئیں تو کام نہ تھا کچھ بتوں سے آه پر دل کے ساتھ مفت میں بدنام ہو گیا

کچھ ان روزوں دل اپنا سخت بے آرام رہتا ہے اسی حالت میں لیکر صبح سے تا شام رہتا ہے

کلیجا پک گیا میں کیا کہوں اس دل کے ہاتھوں سے — ہمیشہ کچھ نہ کچھ اس میں خیالِ خام رہتا ہی
بیاں میں کیا کروں اب اس سے آگے اپنی ناکامی — ترے یہ طور اور مجھکو تجھی سے کام رہتا ہی

تجھ سوا کوئی جلوہ گر ہی نہیں — پر نہیں آہ کچھ خبر ہی نہیں
دردِ دل چھوڑ جایئے سو کہاں — اپنے باہر تو یہاں گزر ہی نہیں
تیری اُمید چھٹ نہیں اُمید — تیرے در کے سوائے در ہی نہیں
حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے — بات میری تو معتبر ہی نہیں
کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے — اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں
جو سزا دیجے ہے بجا مجھکو — تم سے کرنی نہ تھی وفا مجھکو
وہی میں ہوں اثر وہی دل ہی — اب خدا جانے کیا ہوا مجھکو
کیا کیجے اختیار نہیں دل کی چاہ میں — ہیں سب وگرنہ تیری یہ باتیں نگاہ میں
ایسے کے خیر خواہ ہوئے ہم کہ جس کو آہ — بدخواہ ہی میں فرق نہ کچھ خیر خواہ میں
اثر کیجے کیا کدھر جایئے — مگر آپ ہی سے گزر جایئے
کبھو دوستی ہی کبھو دشمنی — تری کونسی بات پر جایئے
بس ہو یارب یہ امتحان کہیں — مر یا نکلجائے اب یہ جان کہیں
وائے غفلت کہ ایک ہی دم میں — میں کہیں اور کاروان کہیں
صرفِ غم ہم نے نوجوانی کی — واہ کیا خوب زندگانی کی
بیوفا تجھ سے اب گلا ہی نہیں — تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں
یا خدا پاس یا بتاں کے پاس — دل کبھی اپنا یہاں رہا ہی نہیں
دل سی جو چاہیئے سو باندھئے بات — میں نے واللہ کچھ کہا ہی نہیں
ہم ہیں بیدل دل اپنے پاس نہیں — آہ اس کا بھی تجھکو پاس نہیں
پوچھ مت حالِ دل مرا مجھ سے — مضطرب ہوں مجھے حواس نہیں

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر — مجھکو میری وفا ہی راس نہیں
یوں خدائی کی خدائی بر حق ہے — پر اثرؔ کی ہیں تو آس نہیں
میں کہاں تو کہاں یہ کہتے ہیں — کہ یہ آپس میں دونوں رہتے ہیں
عاشقی اور عشق کی باتیں — سب جہاں سے اثرؔ کے ساتھ گئیں
آہ کے ساتھ جی نکل نہ گیا — آہ اے آہ یہ خلل نہ گیا

"الم" منبع اشفاق و کرم میاں صاحب میر المتخلص بہ الم، بزرگ و بزرگ زادہ عالی نسب والا حسب خلف حضرت خواجہ میر دردؔ چندے بہ فیض آباد تشریف آوردہ بود الحال پیش پدر بزرگوار استقامت دارد گاہ گاہی فکر دو سہ بیت ہم می نماید خدا سلامت دارد از وست ؎

نہ دل کو قرار بیقراری کے سبب — نہ چشم کو خواب اشکباری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی — یہ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

محمد اجمل اجملؔ تخلص الہ آبادی است، از فرزندان شاہ خوب اللہ بکمال فضیلت و آدمیت تحصیل علم و تربیت در خدمت برادر بزرگوار خورد شاہ غلام قطب الدین المتخلص بہ مصیبت یافتہ شاعر فارسی است چند کتاب تصنیف نمود بندہ باوے دو سہ ملاقات کردہ و کلامش شنیدہ الحق کہ کمیت فکرش در عین جولانی و رشتۂ سخنش چوں زلف گلرخاں طولانی، گاہ گاہ ریختہ ہم میگوید، چوں محاورۂ ایں زبان جدا است خود از کم مشقی خود اظہار عجز دارد بسیار منصف مزاج است الحال مسند نشین حضرت شاہ خوب اللہ اوست حق تعالیٰ بسیار سلامت دارد۔ از وست ؎

ہو گیا خون ناب آنکھوں میں — تھا جہاں تک کہ آب آنکھوں میں
شب فرقت میں تیری اے ظالم — ہو گیا خواب خواب آنکھوں میں
شاد تھا دل سب طرف تھے بزم میں جب جانانہ تھا — ہائے کیسی رات تھی جس رات وہ ہمخانہ تھا

ہو گیا تھا کہتے کہتے ان دنوں میں ہوشیار　　پھر جو کل دیکھا میں اجمل کو وہی دیوانہ تھا

خان عالی شان محمد یار خاں المتخلص بہ امیرؔ ولد علی محمد خاں روہیلہ بسیار خلیق وجوہر شناس طبع موزوں دارد از محمد قایم مشورہ شعر دارد، خدا قایم دارد۔ از وست ؎

اس منہ سے اللہ کچھ نہ نکلا　　جز نالہ و آہ کچھ نہ نکلا
دیکھی جو میں سرنوشت اپنی　　جز روز سیاہ کچھ نہ نکلا

میر اسد علی اسدؔ تخلص، سید عالی نسب درکمال وجاہت از شاگردانِ مرزا رفیع سوداؔ اصل از شاہجہان آباد است الحال از سبب پریشانیِ روزگار طرفِ مرشد آباد رفتہ خدایش سلامت دارد ہجو گنجفہ خوب گفتہ و بسے دُرہائے معانی سُفتہ طبع رسائے دارد، از وست ؎

کس جنگجو کی صبح کو باتیں نکالیاں　　باہم صبا چمن میں اُلجھتی ہیں ڈالیاں
جیوں توں اسدؔ کو لائے تھے اُس کی گلی سے ہم　　خانہ خراب راہ میں پر پھر مچل گیا

میر ظفر علی آزادؔ، تخلص دردمند و عاشق مزاج اصل وے شاہجہان آباد است در مرشد آباد مقیم است بیشتر فکر فارسی می نماید نقل است کہ یکے از کنیزانِ شخصی بنا بیگم نزاکت نام براو عاشق شد ہرچند کہ عدم ملاقات بود لیکن نہاں نہاں ازاں شعلۂ آتش در دل داشت از اثرِ آہش طرفِ ثانی را نیز گرمی ہم رسید روزے صاحبہ او پرسید کہ چرا چنیں حال داری آں زن مردانہ گفت ہرچہ خواہی بکن بر فلانے عاشقم صاحبہ در غضب شدہ بزیر چوب کشید و قید کرد، میر مذکور ایں خبر شنیدہ بسیار گریست و گفت ؎

معشوق ز رسوائیِ من خانہ نشیں شد　　ایں بود ہنرائے نگہ بے ادب ما

غرض کہ سخنِ میر خالی از نزاکت نیست سلامت باشد ؎

پوچھتے کیا ہو کہ بیداد کروں یا نہ کروں　　یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں
وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو　　دل کو اس وعدے سے میں شاد کروں یا نہ کروں

خانۂ اکدم کے سلئے سیل پہ مانندِ حباب   متحیر ہوں کہ بنیاد کروں یا نہ کروں
مرغ دل تیری جدائی سے پڑا تڑپے ہے   اس کو کیا حکم ہے آزاد کروں یا نہ کروں

خواجہ امین الدین امین تخلص ساکن مرشدآباد است ذکر احوالش معلوم نیست سلامت باشد از وست ؎

عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی   دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی

میر غلام علی اظہر تخلص متوطن شاہجہاں آباد از شاگردانِ میر شمس الدین فقیر طالب علم در فن شاعری مربوط دیوان فارسی پُر مضامین دار دالحال مائل ریختہ نیز گردیدہ چوں سر رشتہ سخن معلوم است خوب خواہد گفت طبعش دقت پسند اُفتادہ است خدایش سلامت دارد۔ از وست ؎

ساقی بہار آئی میرا ایاغ خالی   انصاف بھی ہے ظالم مت کر دماغ خالی
ابتو ہر یک سے طلب کرنے لگے چاہ نئی   ہے یہ آئین وفا میں تمھیں سے راہ نئی
نہیں یہ مردمکِ چشم ساتھ آنسو کے   نکل کے داغ جگر جم رہا ہے آنکھوں میں

میر عاصمی آبِ جوئبار شرافت و سروِ بوستانِ سیادت گل گلزار ہاشمی میر برہان الدین عاصمی شاعر ریختہ گو و مرثیہ گو بود متوطن شاہجہاں آباد در بہا در پردہ استقامت داشت در علم تاریخ و شمشیر شناسی و لطیفہ گوئی دستے بہم رسانیدہ بود از چندے بہ رحمت الٰہی پیوست خدایش بیامرزد ؎

چمن کے تخت پر جس دن شہِ گل کا تجمل تھا   ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں   بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا
مثالِ آئینہ ہم نے سبھی نقش جہاں دیکھا   جہاں دیکھا بہر صورت تجھی قالب میں جاں دیکھا
قیامت کی عقوبت ساری ہجرِ یار میں گزری   وہاں تھا دیکھنا جو کچھ سو سب ہم تیں یہاں دیکھا
نشے نے میکشوں کے کیا فلک پر سر اٹھایا ہے   کہ بادل بھی سیہ مست ہو چمن پر جھوم آیا ہے

خدا نے غم کی راتوں میں خوشی کا دن دکھایا ہے | مجھے تھا دھیان زلفوں کا جو وہ خورشید رو آیا

میر امانی ولد میر عاصی، جوانے بود بکمال خوبی طبع موزونے داشت با فقیر بسیار آشنا بود بیشتر فکر مرثیہ می نمود از ینجا بسبب پریشانی روزگار بطرف مرشد آباد رفت نقل وفات او عجیب و غریب است، روزے در خانۂ شخصے مجلس امامؑ مقرر بود، میر مذکور بعادت خود بر منبر رفتہ مرثیہ برخواند نصفے نخوانده بود کہ بر مردم رقت گرد ید چنانچہ خود ہم گریست و پشت بر دیوار منبر داده مانند تصویر ساکت گردید مردم گمان بردند کہ حالا بند دیگر خواہد خواند چوں خاموشی بطول انجامید اکثر اشخاص برخاستہ دیدند کہ جان بجان آفرین سپرد، خوشا بحال کسے کہ در غم امام علیہ السّلام جاں بحق تسلیم کرد و مشق شعرش بہ پختگی نرسیده ازبسکہ مصروف مرثیہ بود خدایش بیامرزد ؎

شور بر کوه و بام کرتا ہے | دل بڑی دھوم دھام کرتا ہے
نہ وہ سنتا ہے وہ امانی حال | نہ تو قصّہ تمام کرتا ہے

تخلف داراہ

رائے پریم ناتھ خلف رائے کشن ناتھ از قوم کھتری است قایم در تذکرۂ خود نوشتہ کہ ظاہر حالش چوں طبع خویش موزون و موزونی طبعش از خوبی ظاہر افزوں، خطاط بے نظیر و کماندار دلپذیر غزل فارسی بسیار بخوبی میگوید گاہ گاہے فکر ریختہ ہم میکند از وست

خاموشی اُن لبوں کی گپ چپ کی ہے مٹھائی | اَن بولنا سجن کا میٹھا لگے ہے دل کو

آشنا تخلص شخصے شنیده ام بفقیر آشنا نیست از کلامش معلوم میشود کہ فی الجملہ آشنائی با سخن دارد، معلوم نشد کہ کجاست ہر جا کہ باشد سلامت باشد، از وست ؎

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا | درد دل سے خبر نہیں رکھتا
کس طرح دل میں جا کروں اس کے | نالہ میرا اثر نہیں رکھتا
کبھو تو مہرباں ہو ہم پہ اے بُت | کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے
آشنا کیا بنے گی آخر کو | تجھ سے خانہ خراب کی صورت

آشنا وہ نہووے گا میرا　　یاد رکھیو تو عاشقوں کی بات

خواجہ اکرم مردے خوبے بود در شاہجہان آباد، معلوم نیست کہ الحال کجاست در گفتن تاریخ خیلے مہارت داشت، ہر حرفے وسخنے کہ میگفت و اندکے تامل میکرد تاریخ برمی آمد۔ ازوست ؎

ایکبار مرے دیر میں زاہد اگر آوے　　میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے

مرزا حسن علی چراغ بزم سخن مظہر اخلاق حسن مرزا حسن علی المتخلص بہ احسن اختر فکرش در اوج و اخضر طبعش پُر موج، جوانیست خوش خلق و نیکخو اصل از عرب است نشو و نما درینجا یافتہ از متوسلان محمد یونس خاں اوائل استفادہ از میر ضیا حاصل کردہ الحال شعر خود را پیش مرزا رفیع میگذراند، قصیدہ و غزل خوب میگوید بوسیلۂ شاعری در سرکار نواب شجاع الدولہ سرفرازست، طالب علم است دو سہ خط ہم خوب مینویسد خدا سلامت دارد۔ ازوست ؎

خاکِ چمن میں کس کی ملی آرزوئے دل　　جو غنچہ یہاں کھلے ہی تو آتی ہے بوئے دل

جو دل اُدھر گیا سو وہ ماٹی میں مل گیا　　تیری گلی میں خاک کریں جستجوئے دل

ہے مجھ میں رمق دیدہ بجھے تا نگراں ہے　　جوں شمع مرا تار نگہ رشتۂ جاں ہے

کیوں کر نہ کروں نالہ و فریاد میں احسن　　مانندِ جرس دل مرا لبریزِ فغاں ہے

یارو وہ صنم کیوں کے کرے کام خدا کا　　رام اس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا

صبح کا نکلا وہ گھر سے جب نہ آیا شام کو　　تنگ پایا جی بہ ہیں کیا عرصۂ آرام کو

سر اپنے کو جوں لے گئے ہم اُس کی قدم تک　　پہنچا دیا ٹھوکر نے وہیں ملکِ عدم تک

لطف سے کیجے ادھر بھی تو نگا ہے گا سہے　　شاد ہر لحظہ نہیں کرتے تو گاہے گاہے

دل بھرے اپنے کو کس طرح سے کیجے خالی　　اس کی غیرت نے نہ دی رخصتِ آہ گاہے

اب تو غمّازوں نے وہ بات بھی کھو دی یارو　　گھیر کر بیٹھتے تھے جو سر راہے گاہے

محروم ہم ہوں محرمِ اسرار ہو کوئی
خلوت میں ہو کوئی پسِ دیوار ہو کوئی

راتوں کو اُس کے کوچے میں جاتا تو ہوں ولے
دھڑکے ہی دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی

عشق کی آتش جلے ہی یوں دلِ مایوس میں
جس طرح شعلہ ہو روشن شمع کا فانوس میں

سجدہ گہہ ہی خاکِ احسن اب تو ساری خلق کی
جان دی تھی اُس نے کس کی حسرتِ پابوس میں

پہنچی جس وقت مجھے اس کی خبر آنے کی
سُدھ رہی مجکو نہ اپنے کی نہ بیگانے کی

تم تو دل مانگو ہو یہاں جان تلک حاضر ہی
بات ہی یہ بھی کوئی آپ کے فرمانے کی

دل کو نہ رکھوں سینے میں تو کیا کروں احسن
جس جنس کا خواہاں نہو ناچار بغل میں

خواب میں جو روح تن سی غم سے یوں میں خستہ ہوں
گو دلِ وارستہ ہوں پر جا بجا میں بستہ ہوں

دل ہو دیدار سے مایوس تو مسرور نہو
چشم میں روشنیِ طور سے بھی نور نہو

کس طرح سے ملے آپس میں لبِ زخمِ جگر
یہ تو وہ در ہے کہ تجھ بن کبھی معمور نہو

بزم میں اُس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
دل دھڑکتا ہی کہ میرا کبھی مذکور نہو

ہجر میں کیوں کر نہووے آہ و زاری بیشتر
ہی قرار اس دل میں کم اور بیقراری بیشتر

روزِ ہجراں ہی میں تنہا کچھ نہیں روتے ہیں ہم
وصل کی راتیں کٹیں یوں ہیں ہماری بیشتر

نہ رو یا مرتے مرتے تک بھی تیری خوف سی احسن
گئی سب خاک میں افسوس اُس کی حسرتِ گریہ

کل طلب میں مے کی یوں ہم یار منہ کھولے رہی
نزع میں پانی کو جوں بیمار مُنہ کھولے رہی

دل کو خواہش ہی یہ کس کی تیر کی یا رب کہ اب
لِ بیکاں ہو کے جوں سوفار منہ کھولے رہی

سخت مشکل ہی وہ خوگر منہ پہ رکھنے سے نقاب
اور جا ہیں چشم یہ دلدار مُنہ کھولے رہی

ق

جام مے ساقی کے آگے لائی جوں مجلس بیچ بیچ
غیروں کو بہیم دئے اور یار منہ کھولے رہی

اکثروں نے پی اور اکثر قطرہ کو ترسا کئے
اُڑھ گئے دو چار اور دو چار منہ کھولے رہی

خونِ احسن کا نہ چاٹے جب تلک کب ہو تمام
اژدہا کی طرح وہ تلوار مُنہ کھولے رہی

ہاتھ سی تیرے اے فلک جان و جگر کباب ہی — عیش جو کل نصیب تھا آج خیال و خواب ہی

چہرے سے اُس کی منفعل روئے زمیں کی ماہرو — جلوے کو اُس کے دیکھکر چرخ میں آفتاب ہی

زخم لگا کے سیکڑوں کرنے لگا شمار وہ — جو ہوئی سو ہوئی دلا اب تو مر حساب ہی

ملیے تِرا جگر دلا ہووے ہی سنگ اُس کی تو — تیغِ نگہ سے جس کے اب زہرۂ برق آب ہی

کیجیے ٹک بچشم خود سیرِ دلِ پر آبلہ — یار اس ایک شیشے میں سیکڑوں ہی حباب ہی

(۱) خونِ جگر سے روز و شب کیجے رقم کہاں تلک — نامۂ شوق کی مرنے شرح تو اک کتاب ہی

اس لئے کرکے مختصر تھوڑا سا کچھ لکھا تھا میں — یہ ہی لکھا نصیب کا اس پہ بھی یہ عتاب ہی

نامہ پٹک کے ہاتھ سے آئینہ دیکھنے لگا — اس سی یہ ہم پہ کھل گیا صاف ہمیں جواب ہی

یاد سی احسن اندنوں کن نے ہمیں بھلا دیا — سینے میں دل کو اپنے کچھ خود بخود اضطراب ہی

ولہ

دھمکائیے جا اُن کو جو مرگ سے ڈرتے ہیں — ہم ہیں ترے پروانے جی دینے پہ مرتے ہیں

تم غیر کے ہاتھوں سے واں جام چڑھاتی ہو — یاں حلق میں لو ہو کے سو گھونٹ اُترتے ہیں

ہو دست بسر ظالم کب لیں ہمیں میسر — سو ناز سے ہاتھ اپنا ٹک سینے پہ دھرتی ہیں

چھٹتا ہی کوئی نالہ ہم سے دمِ آخر تک — دم جب تئیں ہی دم میں دم آپ کا بھرتے ہیں

کھلتے ہیں اسیروں کے صد عقدۂ غم دل سے — تجھ مکھڑے پہ زلفوں کی جب بال بکھرتے ہیں

پھر فصلِ بہار آئی جو ہووے سو ہو احسن — مُغ پاس گرو ہم بھی دستار کو دھرتے ہیں

ولہ

کہا جو میں نے کہ رُخ کو ترے قمر نہ لگا — بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

رہی جو تن میں مری جان اک رمق باقی — لگا کے زخم کہا حیف کارگر نہ لگا

اسی لئے تو میں تجھ سے خفا ہوں ای احسن — گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشم تر نہ لگا

---

(۱): شعر اصل نسخہ میں اسی طرح لکھا ہی۔ رام پور کے نسخہ میں یہ شعر نہیں ہی۔

جب اُس کی آگے تھک جاتا ہوں میں جو اب کہہ کے
تو کہتا ہی نہیں سمجھا میں پھر کہیو ذرا کہکے
اسی مُنہ سے تمھیں دعویِ میخواری ہی اے احسنؔ
ہو اظرف آپ کا معلوم دو ہی جام میں بہکے

ولہ

ہوس لے آئی تھی اُس جنگجو کے پاس مجھے
نگہ لڑی تو رہے پھر نہ کچھ حواس مجھے

میر انشاء اللہ از خوبانِ جہان و خوش فکراں زمان سخن آگاہ میر انشاء اللہ طبع تازہ و ذوق بے اندازہ شراب معانی و ذوق جوانی فرح بخش و مسرت افزاست خلف حکیم الحکما میر ماشاء اللہ دام افضالہ انشا تخلص می نماید جوانیست خوش ظاہر و خوش طبع با قبلہ گاہی دوست دلی است تو مشق است اکثر طرز او بطرز میر سوز میماند اصل وے از نجف است و مولد او بطرفِ بنگالہ خدایش سلامت دارد از وست

گالی سہی جفا سہی چینِ جبیں سہی
یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
منظور ہم کو دل کا لگانا ہی جب ہوا
کیا آپ کا اجارہ ہی اس میں کہیں سہی

بندہ اُسے جب نظر پڑا ہے
بولا ہی چل اُٹھ کدھر پڑا ہے
نالہ ہی تجھے تو کھینچ لایا
رونے کا اثر ابھی پڑا ہے
یوں سب سے نہ مل کہا تو بولا
تیرا ہی تو مجھکو ڈر پڑا ہے
جی دیں اپنی جان کے صدقے
یعنی اس نوجوان کے صدقے
کھا قسم جھوٹ بولے ہی کتنا
چپ ہو چپ بس قرآن کی صدقے
ہوئے ہیں خاک سرِ راہ اُس کے ہم انشا
بڑا غضب ہی جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

نورخاں جوانیست از شاگردانِ شاہ واقف آگاہ و تخلص میکند چندے از میر ضیا نیز اصلاح گرفتہ است بوسیلۂ قصہ خوانی بسر می برد در یں فن شاگرد میر احمد مرحوم است و بہ قصہ خوانی مشہور بود غرض جوانِ خوش ظاہر است خدایش سلامت دارد از وست

نہ دیکھو اپنا سیکھو ابھی رسم چاہ کی
باتیں بنا بنا کے نہ کیجے نباہ کی

بے اختیار سیکڑوں دستار گر پڑیں … جب میری کج کلاہ نے ٹک کج کلاہ کی

عبادت گاہ ہی محراب کعبہ ہر مسلماں کی … ہماری سجدہ گہ محراب ہی اپنے گریباں کی

برغزل میاں حسرت بمشورۂ شاہ واقف گفتہ۔

جاں پاویں جو تجھے ایک نظر دیکھیں تو … تو بھی پردے سے نکل نورِ بصر دیکھیں تو

دیکھیں تو، در مصرعِ ثانی بعضے میگویند کہ حیثیت نیست البتہ جائے تامل است

حلقۂ چشم میں کیوں آج ہی دم پا بر کاب … ہی کہاں کا ہمیں در پیش سفر دیکھیں تو

نہیں ممکن کہ ملیں مفت یہ بت عاشق سے … قطعہ … اپنے کوچے میں بھی کر خاک بسر دیکھیں تو

زر اگر بر سرِ فولاد نہی نرم شود … آپ سے آتے ہیں گر ہاتھ میں زر دیکھیں تو

آشنائی خفی و جلی میر اعلی علی، از سادات عالیشان سپہر مکان ابن میر ولایت اللہ خان نور اللہ مرقدہٗ امردیست خلیق و متواضع در مخمس نمودن غزل دستے بہم رسانیدہ است تضمین خوب خوب دارد منقبت و مرثیہ نیز میگوید و معجزات ہم از فکر او در منقبت مشہور است چنانچہ اکثر گدایان و نقشبندان میخوانند، مولد او در شاہجہان آباد است، وطن آبا و اجداد بطرف "توران" زمین است حق تعالی سلامت دارد، ایں چند بیت ازاں بزرگوار است ؎

کیا ہی تیری آنکھوں نے نہ کچھ مجھ پر ستم خالی … ہوئی ہیں جان سی نرگس کے قالب یک قلم خالی

چمکنا برق کا مینہ کا برسنا کیا کرے دیکھیں … نہ ہنسنے سی وہ چپ رہتا ہی رونے سے نہ ہم خالی

بتو اللہ کی سوں دل مرا جب تک نہ حاضر ہو … نظر آتا ہی آنکھوں میں مری دیر و حرم خالی

لگا دیں منہ نہ ہرگز دیکھکر بے کیفیت اس کو … فلک گر دور میں اپنے ہمیں دے جامِ جم خالی

نجاوے دل ستی اعلیٰ علی کے الفتِ ساقی … نہ ہو اس می سے یہ شیشہ الٰہی ایک دم خالی

کوئی مانی کی صدقے ہو کوئی بہزاد کے صدقے … تری صورت کہ لکھی جس ہم اس استاد کے صدقے

تو بت زاہد نے کیوں مسجد یہ تنہا ناکیا … تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانا کیا

نہ چھوڑا میں جھنجلا کے تارِ گریباں … رہی تا نہ گردن میں بارِ گریباں

جو ہاتھ اس کے بندِ قبا کھولتے تھے … سو مشغول ہیں اب بکارِ گریباں

رباعی

ہر فعل میں ہم چست کہ چالاک ہوئے یا دختر رز کے ساتھ بیباک ہوئے
موقوف ہی زیست تک یہ سب کچھ زاہد جب خاک ہوئے تو سب طرح پاک ہوئے

میر شیر علی المتخلص بہ افسوس ابن میر علی مظفر خاں داروغہ توپخانہ عالیجاہ از شاگردان میر حیدر علی حیران، در بنگالہ بسیار شہرت داشت الحال در سرکار نواب سالار جنگ بہادر بسر فراغت جوانے است ظاہر و باطن آراستہ بحلم و حیا پیراستہ، ذہن سلیم و طبع فہیم دارد چندے از میر سوز نیز فائدہ بردہ است با فقیر از سبب ہمنشینی صحبت شعراء اکثر میشود ہر سخنے کہ میگوئیم از راہ منصفی درست میداند فکر اوائل را تمام شستہ الحال شستہ و رفتہ میگوید وطن بزرگانش نارنول است سلامت باشد از وست

جب تلک نہ عشق یار و نہ دل ناکام تھا اپنے نہیں کیا چین تھا اور دل کو کیا آرام تھا
بخشیو مجکو یں تجھے لوٹا کہ ہی میں نے بھول کر دزد دل تیری بلا ہے، وہ ترا اتہام تھا
وہ بیوفا تو مجھ سے ٹک ایک آج مل گیا پر اپنے اختیار سے، افسوس دل گیا
اُس قصے کو تو ہمدم کا ہیکو سناتا ہی وہ بھولی ہوئی باتیں کیوں یاد دلاتا ہی
کوئی دل سے مری پوچھے جیسا ہی وہ اے ناصح گو تجھکو نہ خوش آیا پر مجھکو تو بھاتا ہی
کہا میرا مطلق نہیں مانتا ہی تو جیسا ستاتا ہے جی جانتا ہی
جس کو تیر نگہ لگا ہوگا ایک دم میں وہ مر گیا ہوگا
اُس کے اُٹھتے ہی جی پہ آن بنی دیکھیے آگے آگے کیا ہوگا
ایک میں ہی نہیں اس کوچے میں جو جاتے ہیں واں کئی ہو رہتے ہیں گھر اپنے سے وہ جاتے ہیں
کوچہ یار میں رہتے تو نہیں اب لیکن بھولے بھٹکے کبھی اس راہ ہو جاتے ہیں
بزم میں اس کی نہ ہنستے ہیں نہ رو سکتے ہیں چپکے بیٹھے ہوئے ایک ایک کا منہ تکتے ہیں
اُس شعلہ وش کو دیکھکے بیتاب ہو گیا یارو یہ تھا تو دل ہی پہ سیماب ہو گیا
پھر ہجر ہے وہی وہی دن ہے پہاڑ سا وصل صنم تو رات کو اک خواب ہو گیا
صبح نت کرتا ہے یہ دل اشکباری بیشتر ہو سحر کو خانہ ماتم میں زاری بیشتر

دل تری بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار   بیوفاؤں سے رہی ہے تجھکو یاری بیشتر

میر ابو الحسن ولد میر عبد اللہ از اولاد بندہ نواز گیسو دراز چون قبلہ گاہ این فقیر از نبیرہ ہائے بندہ نواز بنا برین یک رشتہ مداری ماہم بادی است مولدش شہر کہنہ کہ در شاہجہان آباد مشہور است در محلہ لال پلنگ از فیض صحبت خان عالیشان جہانعالم خان صاحب گاہ گاہی شعری و بیتی موزون مینماید حق تعالی سلامت داراد این یک قطعہ کہ بہ نگارش می آید الحق کہ مضمون تازہ یافتہ است از وست

ساکنانِ فلک نے کچھ تنہا   شہرت اس حسن کی نہیں ڈالی

مہ نہ پوچھو ہجوم انجم سے   پھرتی ہے آسمان پر تھالی

علی نقی خان المتخلص بہ انتظار بطرف عظیم آباد استقامت دارد از احوالش معلوم نیست سلمہ اللہ تعالی

صدف مشتاق ہے دریا میں ای نیسان گوہر کے   یہ میری چشم پر پھینکے ہیں ابر گوہر افشان گوہر کے

اٹکل لیس شخصے بود در وقت احمد شاہ عجیب و غریب، ہر کس کہ پیش او شعر میخواند خواہ بیت خواہ رباعی دوہرہ ہندی فارسی عربی، موافق الفاظہائے او فی البدیہہ بے معنی موزون میکرد ہیچ تامل نمیکرد چون میگفتند کہ بازیخوان نمیتوان است خواند مگر بطور دیگر۔

آشوب تخلص شخصی است چیچک رو دراز قد قدم در مسخرگی گذاشتہ است پوچ و بے معنی و ناموزون میگوید مردمان خندہ میکنند بلکہ چیزہای چند میگویند چون کوشش کرد است خود ہم میخندد و مردم را خندہ می آرد از وست

در عشق تری جیوڑی یہ مست مچا پیچ   یہ پھرکی دہ دَنا یہ پیچ و دپچا پیچ

میر اولاد علی اولا تخلص جوانے است ہندوستان زاد بزرگانش از سادات بارہ اند طبع موزون دارد سلامت باشد از وست

بتاں ہر چند بہلاتے ہیں میرے دل کو پر اولا   ادا کس طرح مجھکو اس پری رخسار کی بھولے

محمد اشرف شخصے است از مردم مرشد آباد، بہ داروغگی اخبار فرنگی جان پرشتو صاحب سرفراز است طبع موزونی دارد، یک بیتی از مدہا گفتہ است کمتر ہندی و بیشتر فارسی میگوید خدایش سلامت دارد

آ بیٹھو تو دو باتیں کریں تم سے میاں ہم   پھر دیکھیے اکدم میں کہاں تم ہو کہاں ہم

حرف الباء

اوّل از متقدمین | بیچارہ تخلص شخصے بود از سلکِ دکھنیان پیش عالمگیر، خدایش بیامرزد، از وست ؎

پی سے جدا ہونا نہ تھا چاہا خدا کا یوں ہوا
جز صبر کچھ چارہ نہیں بیچارہ ہو رہنا پڑا

میرزا عبد القادر بیدل، شاعرِ زبردست و صاحبِ طرزِ فارسی، تعریف او در تذکرہ ہائے فارسی مسطور است بندہ را چہ یارا کہ شمۂ از احوالِ آن عارف باللہ رقم نماید۔

دو شعر ہندی ازان بزرگوار مسموع شدہ نور اللہ مرقدہٗ۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم ہیں | اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا | پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

بسمل، تخلص شخصے بود، احوالش معلوم نیست لیکن این قدر میدانم کہ از متقدمین است از وست ؎

لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ | ملاتا اپنے تئیں وہ خاک و خوں میں

ذکر متوسطین | دلاور خان شخصے بود از شاگردانِ میان یکرنگ، در عہد محمد شاہ غفر اللہ لہٗ۔ اوّل ہمرنگ تخلص داشت بعد ازان بیرنگ نمود۔ خدایش بیامرزد، از وست ؎

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا | کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

محمد اسمٰعیل بیتاب، تخلص درویش دردمندے بود شاگرد میاں یکرنگ از پشت اسپ افتاد بیماری دست داد، آخر جان بحق تسلیم شد، خدایش بیامرزد، ؎

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل | تو کیا آرام سے رہتا مرا دل
نہ جانوں کس پریرو کی نظر ہوئی | ابھی تو تھا مرا چنگا بھلا دل

بینوا۔ تخلص در اوائل سلطنت محمد شاہ در شاہجہان آباد آمد، ظریف طبع بود، ساکن

قصبۂ سنام روزے در کجائے با میاں آبرو ملاقات کرد او شان کم التفات کردند گفت کہ اے میاں آبرو! مگر شما تبین چشم شدن نمیدانید چوں او شان یک چشم نداشتند این لطیفہ بسیار مناسب افتاد و مردمان بخندہ در آمدند، غرض عجب ظریفے بود خداش بیامرزد ازوست ؎

بینوا ہوں زکوٰۃ حسن کی دے اے میاں مالدار کی صورت

ازمستعدان روزگار لالہ ٹیکچند المتخلص بہ بہار شاعر فارسی بود از اصطلاحات فارسی بسیار خبر داشت از یاران سراج الدین علی خاں صاحب بود، تصانیف بسیارے داشت، این چند بیت ازوست ؎

وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
سبھی کرتے ہیں دعوی خون کا قسمت دیکھیں تو صف محشر میں ہو گا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا
نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں ہمیں ایسا خدا بانی کیا تجھ کو بنا جاتی
محبت کی قلمرو میں جو جاویگا تو دیکھیگا کوئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

میاں بیان شاعر عذب البیان از خوش گویان زمان خواجہ احسن اللہ خاں المتخلص بہ بیان از تلامذہ میرزا مظہر جان جاناں، مولدش شاہجہان آباد، الحال معلوم نیست کہ کجاست چنانچہ از و مشہور است، بسیار خوب گفتہ. رباعیات دل پزیر دارد - کلامش چوں تبسم گلرخاں نمکین و بیانش چوں قند دلبران شیریں، بندہ از فکر او بسیار محفوظ است ہر جا کہ باشد سلامت باشد ازوست ؎

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش ہم سے یار تھا در کے باہر دنگی ہوں صورت دیوار تھا
اس تجاہل پر ترا میں رکھتا ہوں گھر میں وہ کہ جس کی چشم کا میں عمر بھر بیمار تھا
ق
دیکھکر تابوت کو تیرا دل بہر سے پوچھتے لاکہ اس بہر سے کو کیا آزار تھا
عالم کو تاج دگوہر دتخت دلوا دیا بتلا تو اے فلک کہ مجھے تو نے کیا دیا
نہ دین ہے طلاں نہ دنیا کی کچھ خبر اس عشق نے غرض ہمیں سب کچھ بھلا دیا

ایسے ہی میرے بخت جو ماتے تھے نیند کے — خوابِ عدم سے کاہیکو مجکو جگا دیا

کس قدر تجھ سے دل خفا ہوگا — کہ ترا شکوہ سر کیا ہوگا

جنگ پر لوگ جس کی لڑتے ہیں — صلح میں اُس کی کیا مزا ہوگا

کوئی کسی کا بیان آشنا نہیں دیکھا — سوائے اُس کے ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجکو — انھوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت نہ ہوئی تو کیا — سُرخ و سفید ماٹی کی مورت نہ ہوئی تو کیا

رو کر اُس سے میں کہا مرتا ہی یہ بیمار آج — مسکرا کر وہ لگا کہنے کہ اس کا کیا علاج

مری بساط ترے آگے یار ہے موجود — دل شکستہ و جان نزار ہے موجود

ہمارا ضعفِ بصارت ہے مانعِ دیدار — وگرنہ سامنے آنکھوں کے یار ہی موجود

ادھر تو دیکھوں ہوں منہ اپنا اور اُدھر تیغِ یار — یہاں یہ طرفہ خزان و بہار ہی موجود

یکبار فوج غم کی پڑی مجھ پہ ٹوٹ کر — لیگئی قرار و صبر و دل و ہوش لوٹ کر

لینا اگر ہے دل کو تو لے بھی اسے کہیں — سینے میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر

کر آپ کو اس قدر فراموش — ہو یاد سے پا و سر فراموش

گو سب نے مجھے بھلا دیا ہی — پر تو تو مجھے نہ کر فراموش

کیا ایسے سے درد دل کو کہئے — ادھر تو سنا اُدھر فراموش

جہاں روؤں تنہا میں تری ای شمع رُخ یار — اُگیں اُس گھر میں پھر حشر تک جوں لالہ انگارہ

قمارِ عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سی باہر ہے — اُسے کہتے ہیں جیتا جو کوئی یاں تن و دل ہار

آنسوؤں تک بہا پونچھنے کی خبر کے تدبیر ہے — مجھے اتنا بھی نہیں کہتا کہ کیوں دلگیر ہی

چرخ کی رہزنی سے یہ تعجب ہی یہاں — لیلیٰ و مجنوں کی یکجا اب تلک تصویر ہی

شبِ فراق کی دہشت سے جان جاتی ہی — یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ جان جاتی ہی

کیا ہے عجز نے میرے اسے یہاں مغرور — تری وفا سے جور و جفا سکھاتی ہے

جا کہو کوئے یار میں کوئی — مر گیا انتظار میں کوئی

وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا — سر رکھے اس کنار میں کوئی

کیوں بیاںؔ سیر باغ کی فرصت — نہیں دیتا بہار میں کوئی

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی — ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی

کیدہر ہی کہاں ہی خوشدلی تو — ہم سے کبھی تو آشنا تھی

مارا ہی بیاںؔ کو جس نے ای شوخ — کیا جانئے کونسی ادا تھی

رسوا بھی کرتی ہی اے چشم تر مجھے — آتا ہی اُس کی بزم میں بار دگر مجھے

آیا ہوں اس گلی میں ابھی دم نہیں لیا — پھر لیچلا ہی یہ دل وحشی اودہر مجھے

کنج قفس سوا مری قسمت میں جا نہ تھی — تو کیوں دئے فلک نے بیاںؔ بال و پر مجھے

قطعہ

تھا حکم شرم عشق کہ ہرگز نہ رو بیاںؔ — گو ضبط گریہ سے نہ ترے جی کو کل پڑے

بھر عمر ہم نے ضبط کیا لیک وقت نزع — بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

مت آیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی — جس طرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی

آخر تو شکایت سے مجھے منع کرے ہی — سی دیجیو ٹک ہاتھ سے اپنے مرے لب بھی

اب ہجر میں کہتا ہی کہ تھا وصل میں آرام — نالاں ہی بیاںؔ میں نے تو دیکھا تجھے جب بھی

جھگڑتے تجھ سے تو پیارے حجاب آتا ہے — وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے

پیو شراب جوانو کہ موسم گل ہے — ہمیں بھی یاد وہ عہد شباب آتا ہے

تیغ چہرہ اُس کی سان پر آئی — دیکھیں کس کس کی جان پر آئی

کیجیے عرض حال کو کچھ ہو — نہیں رہتی زبان پر آئی

غیر کے آگے دل کی بات بیاںؔ — آہ میری زبان پر آئی

اپنے دل ہی کی بھی عداوت ہو گئی ہی اب مجھے — دشمن جانی ہے میرا جو کوئی چاہی تجھے

اس سرو قد کا مجھ سا خریدار کون ہی — آزادگی کا اپنی گرفتار کون ہے

جاتا ہے یار کچھ تو بیاں منہ سی بول لے
اے بے نصیب مانعِ گفتار کون ہے

ہو تو بھی چرخ اُس ستم ایجاد کی طرف
کافی ہے یاس اس دلِ ناشاد کی طرف

جانے دے مجکو اے ہوسِ سیرِ گلستاں
اب اس چمن سے اپنے غم آباد کی طرف

ہو دیگا ذوقِ حسرت دیدار میں خلل
شیریں گذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

تمنا بادشاہی کی کبھی سفلے کو ہووے گی
مرے دل میں خدائی کا بھی خطرہ ہو تو کافر ہوں

یارو تمھاری دوستی سے یہ بعید ہے
میں یار سے بعید ہوں کیسی یہ عید ہے

کوئی جز قیس دِوانہ نہ ہوا لیلیٰ کا
میں ترے عہد میں دیکھوں ہوں جدھر مجنوں کر

عالم میں گو کہ عشق نے رسوا کیا مجھے
لیکن تجھے تو شہرۂ آفاق کر دیا

رباعیات

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیگا
عالم کی غضب سے جان کھوتا ہیگا
غنچوں سے صبا کہیو کہ آہستہ کِھلیں
زانو پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیگا

دیگر

اب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میری
سب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میری
پہلے کہہ لو کہ میں نہ مانونگا بُرا
تب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میری

دیگر

مت کہیو بیاں جام اجل پیتا ہے
یا اُس کے لئے کوئی کفن سیتا ہے
یارو جو مرے حال کو پوچھے وہ شوخ
اتنا کہیو کہ اب تلک جیتا ہے

دیگر

کیا زلف میں اُس شوخ کی ہے دیکھی صبح
یا شام سے ہوتی ہے کبھی شب کی صبح
ٹک زلف کو میں ہاتھ لگایا کہ اُدھر
ہمسایہ پکارا کہ ہوئی کب کی صبح

دیگر

؎ کس طرح سے یہ عشق لُبھاتا ہے مجھے　　ہر چیز میں آ جلوہ دکھاتا ہے مجھے
کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یارب　　ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہے مجھے

دیگر

؎ دنیا سے بیاںؔ چلا ہوں روتے روتے　　گزری اپنی شبِ عمر سوتے سوتے
ظلمات میں تھا آبِ بقا پر افسوس　　روشن یہ ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

دیگر

کہتا ہوں جنابِ حق میں ڈرتے ڈرتے　　مدّت گزری دعا ہی کرتے کرتے
ہے اُس کو یہ قدرت کہ بیاںؔ سا محروم　　منہ یار کا دیکھ لیوے مرتے مرتے

سلٹو کہو رائے المتخلص بہ بیتاب ، از تذکرۂ قائم معلوم شد کہ کم دماغ و خلوت دوست بود ، معلوم نیست کہ الحال کجاست ، دران زمان زورِ طبعش بروز مانندِ ہلال در ترقی بود و ربطِ کلام را خوب می فہمید ، خدایش زندہ دارد ، از وست ؎

نہ رہے باغِ جہاں میں کبھی آرام سے ہم　　پھنس گئے قیدِ قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریقِ اخلاص　　کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
صحبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہم نشیں راہیں　　کہ خوباں یوں ہیں دکھ دیں ہم اُن کو اس طرح چاہیں
ادھر نالہ کیا اودھر وہ مضطر ہو چلا آیا　　عجب دن تھے وہ جن روزوں میں رکھتی تھیں اثر آہیں
سبزے پہ اُس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک　　اُن گل زمیں میں کھیت ہزار دل جواں ہے
جی میں ہے اُس کی بات میں اپنا پھر نہ بولئے　　لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے
محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی　　کہ بن لیلیٰ کہیں کھنچتی نہیں تصویر مجنوں کی
ہیں کیا خلل نہ اٹھائے فلک کے کینے سے　　کسی کو کام نہ ڈالے خدا کمینے سے
تو اپنا دل سا مرا دل نہ سمجھیو بے رحم　　کہ سنگِ سخت کو کیا نسبت آبگینے سے

عشق میں گاہے غسل گہ نیش ہو ‏ ‏ ‏ ‏ بنت نیایاں ماجرا درپیش ہے
خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے ‏ ‏ ‏ ‏ نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

رباعی

یاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے ‏ ‏ ‏ ‏ مل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر ‏ ‏ ‏ ‏ اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

میاں محمد علی المتخلص بہ بیدار، جوان محمد شاہی است از شاگردان مرتضیٰ قلی بیگ کہ شاعر فارسی گو بود و فراق تخلص مینمود، قریب چہاردہ سال شدہ باشند کہ فقیر اورا در لباس درویشی در شاہجہان آباد دیدہ بود، طبع درد مند داشت، باریک سخنی، بزیور حلم و حیا آراستہ، معلوم نیست کہ الحال کجا ست، از وست، ع

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کی ‏ ‏ ‏ ‏ کیا تجھ لب نے ہم رنگ خجالت لعل مرجاں کو
دیکھ تجھ کاکل مشکیں کی ادائیں، شانہ ‏ ‏ ‏ ‏ دو نوں ہاتھوں سے لیتا ہے بلائیں شانہ
چھوڑ کر کوئے بتاں جاتا ہے تو کعبہ کو ‏ ‏ ‏ ‏ جا ہم پر یوں تجھے بیدار خدا کو سونپا

از احوال متاخرین | فاضل بے کمال و عالم بے مثال فضیلت مآب شاہ علیم اللہ اللہ آبادی المتخلص بہ طالب، حالا در خانہ او مشاعرہ میشود، شاعر فارسی است، از برائے خاطر ریختہ گویان گاہ گاہے دو سہ بیت میگوید، از کلامش دریافت خواہد شد بسیار بزرگ است ادام افضالہ

دل چھین لیا میرا بنارس کے بتوں نے ‏ ‏ ‏ ‏ اس وقت میں تو اسے مرے اللہ کیا کیجے
جب قرص مہ کا آئنہ لاتی ہے چاندنی ‏ ‏ ‏ ‏ صورت کسی کی یاد دلاتی ہے چاندنی
نگیں کی طرح یہ کیا سخت مجھکو بھاتی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ کہ ایک نام کی خاطر جگر کھداتی ہے

غنچۂ بوستان وفا سرو موزون باغ صفا شیخ محمد بقا اللہ المتخلص بہ بقا ابن حافظ لطف اللہ کہ در لکھنؤ مشہور اند، بوا نسبت بکمال خوبی، خوش فکر و خوش اندیشہ، در شعر فارسی از شاگردان

میرزا فاخر مکین سلمہ اللہ تعالیٰ، لیکن شوق ریختہ نیز دارد، بافقیر صحبتہا گرم داشتہ است خدا سلامت دارد۔

یاد میں تڑپے ہی دل کس ابروِ خمدار کی — آج کچھ ناخن بدل ہی آہ اس بیمار کی
کیا تجکو لکھوں خط ہاتھ سی حرکت گم ہے — خامہ بھی مرے ہاتھ میں انگشت ششم ہے
کل دست محتسب سے جوں توں مجھے چھڑایا — شیشے سی میری خاطر اپنا گلا بندھایا
یہ گل اندام جو صرفے سے ٹک اک ناز کریں — کام لیں زلف سے کاکل کو پس انداز کریں
دیکھیے منصب مجنوں پہ یہ لیلیٰ صفتاں — خاک میں ہم کو ملا کس کو سرافراز کریں

بسمل تخلص، گدا علی بیگ سپاہی پیشہ جوانے است ابلہ رو نیک خو۔ در فیض آباد استقامت دارد۔ دینوک نامہ (دیمک) ازو مشہور است، دیگر شعر بلندش بسمع نرسیدہ خدا ایش سلامت دارد۔

از دینوک نامہ

جب کہ دینوک کی فوج چلتی ہی — زلزلے سے زمیں دہلتی ہے
وہم دینوک یار واب کے سال — ہیں ستارے بھی آسماں کو زوال
در و دیوار گلشن و محفل — ہینگے دینوک کی خاک سی کہگل
ہینگے اک مہربان عالیشان — سُنیے اب ماجرے کا اُن کے بیان
کہیں دینوک نے یہ کیا ہی خلل — جیسے کچھ اُن کے گھر میں دی کو مھل
دیکھیے دیں تقچہ کی اگر صورت — تو نظر آئے خاک کی مورت
مشرو محمودی بافتوں کے تھان — کتریں ہیں اس قدر بہم یکساں
کہیے گر اُن کے نقش کی تمثیل — ہے یک جلد کاغذی قندیل
اُن کی مسند کی کیا کروں تقریر — نقش ہے روئے خاک پر تحریر
چاندنی کو اگرچہ سمجھو آب — پھر جو معلوم ہو تو نکلے سراب

تھا جو قالیچہ مثل گل لالا | اس سے بہتر ہے مکڑی کا جالا
یہ ستم ہے کہ ایک تھی پوشاک | نہیں ثابت وہ بنیں گے کیا خاک

در تعدّیِ دیمک میگوید

دیکھ لو تم بھی اتنا کر کے سُراغ | مہ کے سینے میں دیمکوں کا داغ
ذرّے کے دام میں نہیں خورشید | دیمکوں نے اُسے کیا ہے چھید
آگے اب اس سے کیا کہے بسمل | جیسی دیمک سے اُنپہ ہے مشکل
ڈرے دیمک سے وہ جو پہنے شال | یاں تو اب کٹگئے خصیوں پر بال
لُنگ کے زیر و لُنگ کے بالا | نے عظیم وزد و نے غم کا لا

حرف الباء فارسی

ازسلک متوسطین اشرف الدین علی خاں پیام، شاعر فارسی بود، صاحب دیوان، درعہد محمد شاہ غفراللہ لہٗ۔ ریختہ نیز بطور ایہام کہ رائج آں وقت بود میگفت اصل از اکبرآباد است از مدتے وفات یافت او تعالےٰ رحمت کناد از وست ؎

بات منصور کی فضولی ہی | ورنہ عاشق کو آہ سولی ہی

قطعہ

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے | کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا | ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

شاہ پیچھا آزاد فقیرے بود در شاہجہاں آباد، کاغذ و قلم ہمراہ داشت ہر جا کہ می نشست میگفت و می نوشت، ہم فارسی و ہم ہندی ؎

دل مرا گرد لبِ یار کے منڈلاتا ہے | یہ شکر خورہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

حرف التاء

اول ذکر متقدمین | میر عبداللہ **تجرّد** تخلص از شاگردان سید عبد الواسع است قدیم است، احوالش معلوم نیست، از وست ؎

تجرد میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں — خورشید کیا ہے اسکی فلک کو خبر نہیں

ذکر متوسطین | ابوالحسن **تانا شاہ** رحمۃ اللہ، از پادشاہانِ دکن بود در کمالِ عیاشی بسر برد این مطلع ازین شنیدہ شدہ بزبان دکن ؎

کس ہر کہوں کالے جاؤں میں مجھ دلہیں بچھڑا ہے — ایک بات کیے ہونگے سجن یہاں جیو بارہ باٹ ہے

میاں صلاح الدین المتخلص بہ **تمکین**، درویشے بود در وقت فردوس آرامگاہ، بہ کسے کار نداشت، بہر نوع اوقات بسر می برد، این مطلع از وگوش خوردہ ؎

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا — مجکو دیوانہ کیا تجکو پریزاد کیا

میاں عبد الحیّٰ المتخلص بہ **تاباں** در وقت محمد شاہ پادشاہ مشہور و معروف است در وقت خویش نظیرے نداشت سید زادہ بود بکمالِ حسن و وجاہت تمام عالم فریفتۂ حسنِ او بود بلکہ گرم بازاریِ ریختہ ازاں شعلہ رو دوبالا شد اکثر اشخاص این فن را وسیلہ ساختہ دخیلِ صحبتِ او میشدند، شاعرِ بامزہ و رنگین طبع بود چہرہ کلامش با حسنِ یوسفیؑ و احسن القصص بیانش باگرمیِ عشقِ یعقوبیؑ، عاشقِ معشوق مزاج بہ یک طفلے سلیماں نام تعشق داشت شراب بسیار میخورد چوں ہفت ہشت روز از حیات او باقی ماند توبہ کرد از اینکہ بسبب کثرتِ استعمالِ شراب مزاجِ او شدہ بود از گزاشتنِ او ازنو درگزشت، غرض آفتابِ تابانِ عمرِ او در شروعِ شبِ جوانی نہاں گردید خدایش بیامرزد ؎

انگارکو چھپا راکھ میں میں دیکھ کے سمجھا — تاباں تو تہ خاک بھی جلتا ہی رہیگا

جب یار مرا بگڑا خط آنے سے اے تاباں — تب حسن کو میں اسکے کریا و بہت دیا

بہت قابل سمجھ رہے ہو اپنے آپ کو لائبریری کو
سے بڑھ رہے ہو ۔ چل فریب

دیکھ اسکو خواب میں جب آنکھ کھلجاتی ہے صبح ۔ کیا کہوں کیسی قیامت مجھ پہ لاتی ہے صبح
پاس تو سوتا ہے پہنچیں پر گلے لگتا نہیں ۔ قسمیں کرتے ہی ساری رات ہوجاتی ہے صبح

خزاں تک تو رہنے دے صبا دم کو ۔ کہاں یہ چمن اور کہاں آشیانا
ترے غم سے نسیان ہے یاں تک تو مجھکو ۔ ادھر بات کہنا اُدھر بھول جانا

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا ۔ جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا
لیا تھا دوستی سے جس نے جی آہ ۔ وہ اب دشمن ہوا ہے میرے جی کا
نہیں اک لمحہ بیتابی سے فرصت ۔ الٰہی دل لگا تھا کس گھڑی کا

ہمیشہ رات کو غیروں کے رہنا ۔ پھر آکر صبح کو یوں ہم سے کہنا
جو یار آیا تو میں دونگا رکھائی ۔ تم اے آنکھو کہیں مت پھوٹ بہنا
عجب احوال ہے تاباں کا تیرے ۔ کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

تمہارے ہجر میں رہتا ہے ہم کو تم میاں صاحب ۔ خدا جانے جئیں گے یا مرینگے ہم میاں صاحب
مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن ۔ لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

ہاتھ میں اس کے ہاتھ تھا یہ بات ۔ دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہاتھ

غیر کے ہاتھ میں اس شوخ کا داماں ہے آج ۔ میں ہوں اور ہاتھ ہے اور میرا گریباں ہے آج
ہم کو تم بن اک دم اے جان جینا ہے محال ۔ تم تو ہوتے ہو جدا لیکن ہمارا کیا علاج

تجکوں غرض ہی نہیں کسی آشنا سے شوخ ۔ کوئی مرے کوئی جیے تیری بلا سے شوخ

بتاں کے عشق میں ہیں کیوں نہ ہوں شاد ۔ کہ اُن کو دیکھ آتا ہے خدا یاد

لے دل کی خبر چشم مرے یار کی کیونکر ۔ بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

آشنا تو مجھ سے ایسا ہے کہ جیسا چاہیے ۔ پر جو کچھ جی چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو ۔ ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے ۔ آہ یہ چاہنا ایسا ہی بُرا ہوتا ہے

عاشق نے وقتِ مرگ کہا یار سے یہی / سمجھونگا تجھ سے حشر کے دن دیکھ تو سہی

تاباں نے تجکو دیکھتے ہی اپنا جی دیا / سننے نپایا تیری نہ اپنی ہی کچھ کہی

کیا میں فرض کر محشر کے تئیں مجھے بخشیں / جو تو نہو دے تو فردوس بھی جہنم ہے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے / تجھے بے مروّت مروت کہاں ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی / مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

گئے نالے ترے برباد مانند جرس چپ رہ / اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ

ترے ابرو کو نہ چھوڑیگا مرا دل ہرگز / گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

تو مئے پی اسقدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے / ترا بیہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

بتاں کے شہر نا پرساں میں کب کوئی داد کو پہنچے / مگر یاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

ہزاروں بار صاحب ہوش کی تدبیر پھرتی ہے / ولیکن حق تعالےٰ کی نہیں تقدیر پھرتی ہے

سلیماں کیا ہوا گر تو نظر آتا نہیں مجکو / مری آنکھوں کی پتلی میں تری تصویر پھرتی ہے

کہتے ہیں اثر ہیگا گریہ میں یہ ہیں باتیں / اکدن بھی نہ یار آیا روتے ہی کٹیں راتیں

کر یاد تری ظالم روتا ہوں میں ہر ساعت / غصے کا وہ ٹھکرانا اور پیار کی وہ لاتیں

ہونٹوں پہ ترے ظالم مسّی کی یہ دھڑی ہے / یا اُنکے تئیں کسی نے مل مل کیا ہے نیلا

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی / بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی

ہے مجکو خمار شب کا اب صبح ہوئی / شیشے میں جو کچھ کہ مے ہو باقی ساقی

سید نجیب الطرفین از مرثیہ گویان حضرت ابا عبد اللہ الحسین سید محمد تقی عرف میر گھاسی فقیر او را ندیدہ لیکن اکثر اوصافِ آں بزرگوار شنیدہ مولدش شاہجہان آباد، الحال بطرف فرخ آباد استقامت دارد، گاہ گاہے فکر شعر ہم میکند از وست ٥

تو ہوا در باغ ہوا ور زمزمہ کرنا بلبل / تیری فریاد سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

ترے عتاب سے کس دن بہ رنگ رو نہ اُڑا — کہ مُرغِ روح مِرا اُس کے دبدبہ نہ اُڑا
مرے ادب نے رکھا مجکو یاں تلک محروم — کہ بعد قتل بھی دامن طرف لہو نہ اُڑا

رباعی

تجھ ہجر میں اے لشکرِ خوباں کے شاہ — سینے پہ مرے غموں کی ہے یہ حالت آہ
جیسے رکتی ہے پل پہ دریا کے بھیڑ — پیچھے کو نہ پھر سکے نہ آگے کو راہ

حرف الثاء

دریں فصل از متوسطین **ثاقب** تخلص مردے درویش گزشتہ است، از شاگردان میاں آبرو، در اواخر شعرِ خود پیش خاں آرزو میگزرانید از وست ؎

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نے آکے پوچھا — یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازا

شجاعت اللہ خاں از شاگردان میاں حسرت است **ثابت** تخلص دارد، از متاخرین است نبیرۂ نواب شیر افگنخان نبیرۂ نواب دل دلیرخاں، اصل ایشاں پانی پت کہ قصبہ است متصل شاہجہان آباد پیشتر گاہ گاہے فکر شعر داشت الحال از مدتے راغب بانیکار نمے شود خدا اسش سلامت دارد ؎

یہ سچ کہو کہ کیا کس نے بدگماں تمکو — غبار میری طرف تو ہے اے بتاں تمکو
ہم آپ جانتے سو اُس سے عرض کر لیتے — ہمارا حال نہ کہنا تھا داستاں تمکو

میں ہوا کل جو یار سے رخصت — تھوا اختیار سے رخصت
مثل بلبل کے مر گیا **ثابت** — ہوتے ہی گلعذار سے رخصت

کیا ہی بے اختیار روتا ہوں — جس گھڑی مجکو یاد آتی ہو
آتے ہو دن میں تم تو کئی بار اس طرف — پر دیکھتے نہیں کبھی اے یار اس طرف

ریپناتھ سنگھ محررِ دلپذیر و مورخ بےنظیر صاحب کمال بسن ہفتاد سال از معتقدان

خواجہ میر درد است ، در علم تاریخ چناں فکرش رساست کہ اکثر قصائد دارد کہ در ہر مصرعش تاریخ ممدوح بر می آید بہ فرمائش یاران تا دیہ بچاہ بسیار گفتہ است باقیرب یار آشنا ست سلامت باشد تاریخ چاہ گفتہ مصرع

آب ازیں چاہِ بے نظیر بر آر

تعمیۂ آب بسیار مناسب افتادہ کہ بہتر از بے تعمیہ گردیدہ -

حرف الجیم

جنون تخلص اکبرآبادی از قدیم است دیگر احوال بگوشش نرسیدہ از وست

پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر پہ پہنچا   تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہنچا

جنوں کا یاں تلک ہی گرم بازار   کہ پتھر بھی نہیں سر کا خریدار

از احوال متوسطین | میر جعفر زٹلی نادرۂ زماں داعجوبۂ دوراں بود لے علیٰ وادنے ہمہ کس از و ملاحظہ میکردند از بسکہ دراں زمانہ عالم غیرت داشت چیزے میدادند و زبانش بند میکردند الحال اگر کسے درہجو کسے گوید مدح خود می شمارند غرضیکہ میر مذکور در مدح و قدح بطور خود خوب میگفت - در مدح اعظم شاہ گفتہ

نگین سلیمان کہ تابندہ بود   ہمیں اسم اعظم در و کندہ بود

نقل ست کہ روزے پیش میرزا بیدل رفت میرزا در فکر مصرعے مصروف بودند ملتفت نشد تد پرسید کہ صاحب و قبلہ کدام مصرعے فرمودہ اند گفت بلے وآں

ایں مصرعہ بود ع لالہ بر سینہ داغ چوں دارد -

میر مسطور گفت دریں تامل چیست ع

پچو سبز زیر کوں دارد

مرزا ازیں معنی بہم بر آمدہ و چیزے دادہ رخصت نمود خدا نستس مبادا مرزد

این مثنوی از دست ـــہ

شنو اے طوطیِ روحانیِ من — نہ کر الفت بہ رنگین پنجرۂ تن
نہ تو یاں سے نہ یہ پنجرا رہیگا — بلا کر لال تجکو کیا کہے گا

جعفر بوستانِ جہاں دم غنیمت است — شادی نصیب اگر نشود غم غنیمت است

خانِ عالیشان جعفر علی خاں ولد مرزا مومن بیگ جوان محمد شاہی
از متوسلانِ نواب عمدة الملک امیر خاں بود با دشاہِ عالیجاہ محمد شاہ رحمۃ اللہ بہ
منصب سہ ہزاری سرافراز نمودہ بود در ذیلِ امرایانِ مشہور بود، ذہن و ذکا و طبع
رسا داشت، سوائی رام راجہ برو تعشق داشت چنانچہ این مثنوی در عشق او گفتہ
مشہور است ـ

الٰہی شوق سے دل کو جلا دے — برہ کی آگ تن من میں لگا دے
جلا جوں پھلجھڑی مجھ ناتواں کو — شرر لبریز کر ہر استخواں کو
فنا کہ عشق میں یوں جان بیتاب — کہ جوں آتش میں کھپ جاتا ہی سیماب
وحدت کی آتش سے دوئی کو — کہ بس ہے ایک چنگاری روئی کو
محمد باعثِ ایجادِ امکاں — کہ جس کے واسطے آیا ہی قرآں
مقرر ہے کہ ہر اندِ دکا ندار — دکھاوے جنس اول آخر کار
اسی سے جان ارفع اسکا پایا — کہ سب پیغمبروں کے بعد آیا
علی ہی شاہِ اورنگِ ولایت — شریعت کا معین دین کا حمایت
ہوا جیسے سے نور اس کا نمایاں — کہ جوں ظلمات سیتی آبحیواں
کیا معراج پر سشیر اندھاوا — لیا افلاک پر چڑھکر چڑھاوا
رسالت کی گرو اب سیر گھر کا — بنا ہے نور ایواں پانچ در کا
قضا کے راج کی صنعتگری دیکھ — نبی کے گھر کی یہ بارہ دری دیکھ

نبی کی آل پر سے وار جانا | اسی بارہ پلی سے بار جانا
خدا تک اب پہنچنا کیا ہے مشکل | کہ بارہ کوس کی ہی ایک منزل
اگر فہمید حکمت آشنا ہے | اسی نسخے میں چودہ بد پایا ہے
صفا اسکے بنا گوشوں کی دیکھ آن | خجالت سے رہے ہے موتی پکڑ کان
زبس گلبرگ لب میں نازکی ہے | کٹورے میں پیئے ہی پھول کی مے
بگولا گمرہوں کا رہنموں ہے | نشانِ لشکرِ اہلِ جنوں ہے

این مثنوی حقہ بہ فرمایشِ فردوس آرامگاہ از اول چند بیت گفتہ و بعدہ میاں حاتم باتمام رسانیدہ اینست۔

تما کو کو نجانو کیا سبب ہے | ملا ہے گڑ سے اور کیونکہ طلب ہے
طلب گڑ کی اُسے ہے اس سبب سے | ملا وے گڑ اُسے پیارے کے لب سے

از اشعار اوست

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی | تا صبح کیوں نہو وے چمن میں چٹا پٹی
آ مجھ میں نین بس کہ بنا ہے ترے لیے | یہ خیمہ سیاہ و سفید بٹا پٹی
خاکساری پر نہ کر موذی کی ہرگز اعتبا | جونک ماٹی میں ملے تو بھی لہو پیتی رہے ہے
عشق میں بلبل کو کیا نسبت ہے پروانے کے ساتھ | وصل مرجاے وہ یہ ہجر میں جیتی رہے
پر وے کیونہ ہر اک بات میں موتی وہ چھتیسی | صفا دانتوں کی روشن ہی شب میتی نین تفیسی
نہو کھوجی انجھو کے کاروان و منزل دور ہتے | خدا جانے کدھر یہ بے سر و پا جا نکلے بہکے

مرزا احمد علی" چراغ بزمِ آشنائی و شمعِ انجمن آرائی تیغِ شجاعت را جوہر و کانِ مروت را گوہر مرزا احمد علی المتخلص بجوہر، مردے بود در نہایت خلق و اخلاق در صحبت داری و یار باشی چالاک و حیست و درکار آشنائیہا درست، از زبانِ شیخ اسراری سلمہ اللہ شنیدم کہ اکثر مجمعِ شعرا، در خانۂ او میشد، اصلش از ایران بود،

مولد وے شاہجہاں آباد، طبع موزوں داشت، اکثر فارسی میگفت مگر ہمیں غزل ریختہ از بہ یادگار ماند کہ قلمی خواہد شد، میگویند کہ با یکے از آشنایانِ او جائے خانہ جنگی رو داد ایں خبر شنیدہ در معرکہ در آمد دو سہ را کشت و خود نیز کشتہ شد غرضکہ تا جان از یاران دریغ نکرد، خدایش بیامرزد از وست ؎

آتش دہ چمن ہو یا برق آشیاں ہو　　اے مرغ نالہ کچھ ہو کیشب تو پرفشاں ہو
شاید کہ پہنچے تجھ تک واماندہ کوئی ہم سا　　آوارۂ بیابان اے گرد کارواں ہو
گر ہو سکے ہے تجھ سے اٹھ اے غبارِ مجنوں　　ناقے کے ساتھ تو بھی اک دو قدم رواں ہو
اتنا لب وہاں تو جو ہر ہو عاشقی میں　　منہ پر تو ہوئے نالہ اور زیر لب فغاں ہو

میر مستقیم　سید زادۂ عالی ہمت المتخلص بہ جرأت، از جوانان محمد شاہی است بندہ او را در صغر سن بہ شاہجہاں آباد دیدہ ام، بسیار خوش رو بود کہ بے اختیار دل را مے ربود حالا شنیدہ ام کہ بطرف پورنیہ بہ لباسِ درویشی بسر می برد، سلامت باشد از وست ؎

ہر بنِ مو سے مرے شعلہ نمایاں کر دے　　دل تو جلتا ہے پرا سے و چراغاں کر دے
جاؤں صحرا میں دِوانوں میں مری عزت ہے　　اپنے ہاتھوں سے مرا چاک گریباں کر دے
کون گلشن میں یہ بو مشک کی لے آتی ہے　　کہتے ہیں زلف کے کوچے میں صبا جاتی ہے

میاں رمضانی جولان تخلص، جوان محمد شاہی کما ندارے بے نظیر بود دگر احوالش معلوم نیست ؎

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن　　جیوین گے ہم سے شخص کیا تجھ بن

از احوال متاخرین | میر علی ہمدا، شاگرد شاہ فصیح، جنون تخلص از متاخرین است احوالش معلوم نیست کلامش پختگی نیافتہ ؎

رقیبوں کے گھروں میں ہائے کیوں وہ شوخ جاتا ہے　　لڑوں جا کر رقیبوں سے یہی اب جی میں آتا ہے

خمار آلودہ یا تا نیند کا ہے غیر صحبت میں   سحر تک جاگا رات تو جاگا ہی کیوں باتیں بناتا ہی

میاں حلگین خالہ زادہ شیر افگنخان، دعویٰ شاگردیِ میر تقی سے نماید از متناہیران نیست خدایش بسلامت دارد ؎

اے دل مریض عشق کو آزار ہے بھلا   جینگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہے بھلا

میر مظہر علی المتخلص بہ جذب در عظیم آباد استقامت دارد گاہ گاہے فکر ریختہ مینماید سلامت باشد ؎

ہے جنوں کا زور طوفاں اندنوں   میں ہوں اور میرا گریباں اندنوں

میاں محمد روشن المتخلص بہ جوشش۔ مرد بیست ساکن عظیم آباد خوش طینت و نیک اعتقاد شاعر شیریں کلام صاحب دیوان، از خاصان آن دیار است بندہ با وے ملاقات نکردہ از سبب بُعد اشعار شش نیز بہ فقیر نہ رسیدہ مگر چند بیت از زبانی مرزا فدوی سلمہ اللہ شنیدہ بودم بہ نگارش می آید مشتے نمونہ از خروارے، خدایش سلامت دارد ؎

توانائی جدا کرتی ہی اب آغوش سے مجکو   کرامت دیکھ لے ناتوانی دوش سے مجکو

دل میں ہی اب قرب ہیں آئینہ سا پیدا کرں   وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اسے دیکھا کرں

چون آئینہ بہ دستم رسیدہ   رہتا ہے مدام آب دیدہ

ہیں داغ میرے جزو بدن یون پرطاؤس   مخلوق ہوا ہوں دہر میں ہم پیکر طاؤس

کلامش شاعرانہ است شخصے میگفت کہ او در تالیف تذکرہ مشغول است۔

خان عالیشان ملبہ مکان برادر زادہ نواب روشن الدولہ مغفور ولد مفتخر الدولہ جانعالم خان، بحر ذخاریست طبعش از گوہر نثر و نظم لبریز و افکار صدف معانیش چون دیدہ عشاق جواہر خیز اگوہر طبعش از چشمہ خورشید آب خوردہ سہیل خلقش از زلف نکویان تاب بردہ سخنش بیحساب و شعرش چون دُرِّ یتیم نایاب، در اوائل مشق سخن از میر سوز

نمودہ در غزل تخلص ہمی آرد محتاج شہرت نیست قابل و قابل دوست، خدایش سلامت
باکرامت دارد از دست ؎

لگا خوبان کو خط سے یہ ملنے	گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں میں دل نے
چھوڑ مار عقدِ دل کی گھیر زلفِ شکیں فام	صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو

میاں قلندر بخش المتخلص بہ جرأت، از شاگردان میاں حسرت، جوانیست
چیچک رو خوش خلق و شگفتہ، کلامش نمکین و بیانش شیریں، دستگاہِ شعورش چون دل
صاحب ہمتاں فراخ و گلزار معانیش چون میوہ آرند شاخ در شاخ، اصل او از شاہجہاں
آباد، نشو و نما در فیض آباد یافتہ، شوق شعر از حد زیادہ دارد اگرچہ پارۂ در علم موسیقی و ستار
نوازی نیز دستے بہم رسانیدہ لیکن آنچہ گوید دیوانۂ فن شعر است کہ گاہے بے فکر نمی ماند
بسیار دردمند و گداز است، مثنوی ہجو برسات و کھٹمل نامہ ہم گفتہ و دریں نوجوانی بسیار
تحمل و حیا بسر می برد، خدایش سلامت دارد ؎

کیا سحر کیا ہے یار دل کو	تجھ بن جو نہیں قرار دل کو
آنے کی خبر ہے اسکی لیکن	آتا نہیں اعتبار دل کو
تب زخم تو اسکے بھرنے پاویں	جب صبر ہو اس فگار دل کو
نالہ و آہ و فغاں میرا ہی دم بھرتے ہیں	آپ کا جان کے سب مجھپہ کرم کرتے ہیں
ہے نہین ہجر ہی میں بستر وصالِ دوست	اب کچھ خیال دل میں نہیں جز خیالِ دوست
سب سے ملتا ہے وہ ایک ہم سے ملاقات نہیں	آہ کیا کیجیے دم مارنے کی بات نہیں
وصل کی رات مرا جی ہی نکل جاتا ہے	جبکہ آواز یہ آتی ہے کہ اب رات نہیں
اس کے کوچے میں سگ یار گئے ای ہمدم	ہے مساوات ہمیں دل کو مساوات نہیں
اپنا میں درد دل اس طور چھپا رہتا ہوں	حسب حال اس کو کبھی شعر سنا رہتا ہوں
بات میں کس کی سنوں آہ کہ اے مرغ چمن	شور میں اپنے ہی نالوں کے سدا رہتا ہوں

آے ستم ایجاد کب تاک یہ ستم دیکھا کریں ‌ ‌ ‌ تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں
کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ ‌ ‌ ‌ چشم حسرت سے کہاں تک دمبدم دیکھا کریں
ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے ‌ ‌ ‌ سب پیچھے چمن کے فراموش ہو گئے
چین اس دل کو نہ اک آن تمھے بن آیا ‌ ‌ ‌ دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا
صیاد نے جفا تو یہ ایجاب داور کی ‌ ‌ ‌ پر میرے کاٹے اور سنی فریاد داور کی
جرأت ذلیل ہو چکا مارا ہی جائیگا ‌ ‌ ‌ اب کے جو اُس نے پھر کہیں فریاد داور کی
کیوں مُکرتا ہے جو کچھ ٹھانی ہے تو نے دل میں ‌ ‌ ‌ سب مرے جی پہ عیاں ہے تجھے معلوم نہیں

جلال الدولہ جلال الدین وکیل مرہٹہ مشیر نواب عماد الملک، از وست ؎

ماہرو مسند پہ بیٹھا جب سے دل بیتاب ہے ‌ ‌ ‌ چاندنی کے فرش پر کیا عالم مہتاب ہے

حرف الحاء

اول احوال متقدمین | حبیب وحسن تخلص از خاکِ دکن بودند اکثر اشعار ہما در ترکیب بنظر آمدہ چوں الفاظش ربط بیکدیگر نداشتند بقلم نیاوردہ،

حیا، تخلص ہم سے گزشتہ است چند شعر در سلکِ متوسطین دیدہ شد اغلب کہ زن باشد احوالش معلوم نیست ونیز بے ربط میگوید، از وست ؎

حیا کی تلخ کامی کا یہ قصہ ‌ ‌ ‌ مفصل جا کہو شیریں سخن کو

احوال متوسطین | شیخ محمد حاتم المتخلص بہ حاتم، شاعریست صاحب کمال و پسندیدہ افعال، عالی فطرت و بلند ہمت، معاصر میاں آبرو، دو دیوان ترتیب دادہ یکے بزبانِ قدیم بطورِ ایہام، دوم بزبان حال ادائیہ، شہرۂ اشعارش بسیار است اکثر غزلہاے اور ا نغمہ سرایانِ ہند میخوانند، تا حال در شاہجہان آباد مقیم است از وست ؎

مثالِ بحر موجیں مارتا ہے ‌ ‌ ‌ کیا ہے جنے اس جگ سے کنارا

ہجر کی زندگی سے موت بھلی — کہ جہاں سب کہیں وصال ہوا
تو نہیں تو کنج تنہائی ہیں ہے — بوریا کا نقش ہم پہلو مرا
حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے — کون ہوگا جو نہو گا تو مرا
سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل — بجا ہے معذرت لکھنا ہیں کا غذ خطائی یہ
ستم سے تیرے میں جاتا ہوں پھر نہ کہیو تو — کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا
کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد — کوئی سنتا نہیں فریاد فریاد
جب سے تیری نظر پڑی ہے جھلک — تب سے لگتی نہیں پلک سے پلک
ایک دن ہاتھ لگا یا تھا ترے دامن کو — آج تک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ
شانہ کیجو زلف میں زنہار دیکھنا — ہنسوں کے دل ہیں اس میں گرفتار دیکھنا

سید حاتم علی خاں حاتم تخلص، انہم از سالک متوسطین است مولدش جونپور شاگرد میان مضمون بوده است خداندیش بیا فرزد ہ

شاید محبت اٹھ زمانے میں ڈوب گئی — آتی نظر نہیں جو کسی آشنا کے بیچ

حشمت، عالی ہمت و بلند فطرت سید محتشم علیخاں المتخلص بہ حشمت، ولد میر باقی، سپاہی پیشہ عمدہ روزگار بود۔ برادر خرد میر ولایت اللہ خاں، ریختہ و فارسی ہمہ میگفت، فہمیدہ و سنجیدہ متواضع مؤدب، آخر روزگار ترک نمودہ خانہ نشیں بود ناگاہ فوراً فوت شد

از دست ہ

نکہت گل نے جگایا کسی زنداں کے بیچ — پھر یہ زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ
بہار آئی دِوانوں کی خبر لو — اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

این دا سوخت از مشہور ست ہ

کیوں رے دل جا ہی پھنسا میں نہ تجھے کہتا تھا

بند دوم این بندہ را خوش آمد۔ ہ

حاسدان تم کو جدا بیٹھ کے بہکاتے ہیں — ہم سے دل توڑ تمہارے کو وہ بہلاتے ہیں
کیا ہوا تم کو بھی اب گرچہ وہی بھاتی ہیں — آجکل جور تمہارے سے وہ سب جاتے ہیں
پھر وہی تم ہو وہی ہم ہیں وہی باتیں ہیں — پھر وہی عیش وہی دن ہیں وہی راتیں ہیں

باز فرد است کہ زلف تو بود درد ستم — من ہماں عاشق دیرینہ کہ بودم ہستم

میر محمد باقر مرویست از سلک متوسطین متخلص بہ حزیں از سادات اکبرآبادی پیشتر شاگرد مرزا مظہر، از مدتے بطرف بنگالہ رفت، خدا اش سلامت دارد ؎

اس بیوفا کے عشق میں کچھ مجکو حس نہیں — پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
ویران ہوا ہے باغ خزاں سے یہاں تلک — چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
جس دن سے میں سنا ہے کہ آخر ہوئی بہار — اس دن سے چھوٹنے کی مجھے کچھ ہوس نہیں
کیا کیا گزرتی ہوئے گی اسیر چمن کے بیچ — ان بلبلوں کا ہائے کوئی دادرس نہیں
کس کس مزے سے دھوم مچائی تھی تنکے ساتھ — جاتی ہے یوں بہار حزیں ہائے بس نہیں

کہا میرا اگر وہ شوخ مانے — تو غیروں کو نہ دے آس پاس جانے
حزیں اک دم نہ جیتا تھا سجن بن — سو یوں گزرے جدائی کے زمانے

وہ کہ ہے ملک مسلم جسے یکتائی کا — خوب لیتا ہے مزہ عالم تنہائی کا
میں تو بندہ ہوں ترے جور و جفا کا لیکن — سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا

محمد علی حشمت تخلص از شاگردان محمد علی بیگ قبول تخلص، مردم کشمیر بود استاد عبدالحی تاباں شاعر مربوط گو و وقت پسند بود ہمراہ قطب شاہ روہیلہ کشتہ شد خدایش بیامرزد ؎

جب آ خزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل — تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل
خط نے ترا حسن سب اڑایا — یہ سبز قدم کہاں سے آیا

میرزا حسن علی حسن تخلص برادر جعفر علی خاں، این بیت در مرثیہ امام علیہ السلام

از دست ؎

یہ کس طرح کا زخم لگا تھا حسینؔ کے — اشک بہے ہے خون حسنؔ دل کے گھاؤ سے

از احوال متاخرین | میر حسن المتخلص بہ حسنؔ در کمال خوبی و اخلاق ظاہر حالش بلباس دنیا داری آراستہ و باطن بزیور فقیری پیراستہ، مدتے در صحبت یونس خاں بسر بردہ گاہے دو سہ بیت میگوید خدایش سلامت دارد از دست ؎

تھی ہمیں سیر کوئی دن اُسی میخانہ کی — اب خبر ہے نہ صراحی کی نہ پیمانہ کی

تیغ ابرو نے تو مارا ہی تھا جو زلف نہ ہو — غیر زنجیر خبر کون لے دیوانہ کی

اے حسنؔ آپ کو سمجھے گا تو کیا بس چپ رہ — سرِّ حق ہے یہ نہیں بات تیرے پیمانہ کی

خواجہ حسن گلشنِ بوستان آشنائی و سروِ گلستانِ رعنائی خوش فکر و خوش سخن متخلص بہ حسن ابن خواجہ ابراہیم نبیرۂ حضرت خواجہ کبھاری قدس اللہ سرہٗ از فرزندانِ خواجہ مودود چشتی، جوانے است درویش صالح متقی و متواضع، مورد ست، در فنِ طلسم و شعبدہ بازی نیز ماہر است۔ مدتے بطرفِ بریلی اقامت داشت چوں از تخلص فقیر واقف بود بنابرین حسن، تخلص نمود الحال بہ فیض آباد استقامت دارد خدایش بسلامت دارد

از دست ؎

دل دلاسوں سے کرے ہی بیقراری بیشتر — خانۂ ماتم میں ہو پرسے سے زاری بیشتر

صحبتِ سنگیں دلاں سے کیوں نہ ہو خونریز حسن — سنگ سے شمشیر کو ہے آبداری بیشتر

کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانے سے رہے — پر یہاں تک ایسا ہو کہ یہ دل تلملانے سے رہے

ہم نے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی — بے سبب جو آپ اپنا یدھر کے آنے سے رہے

آہ کس کس بیوفائی کا میاں کیجیے شمار — اور تو سب یک طرف منہ بھی دکھانے سے رہے

اُسنے کس کس طرح اپنے در سے ٹالا ہم کو یہ — دیکھ تو ہم بھی حسنؔ کس کس بہانے سے رہے

حجام تخلص شخصے است حجام در شاہجہاں آباد، متصل مدرسہ غازی الدین خاں

دوکانِ سخن راگرم داشتہ مضمون تراشی مے نماید لیکن ازیں شعرِ او معلوم شد کہ کلامش بے اصلاح است در موشگافی معانی قصور دارد۔ شعر اینست ؎

کام کیا زور یہ حجام نے — شیخ کی ڈاڑھی کو قصر کر گیا

میر حامد نصیری درویشِ گوشہ نشیں بکمالِ صلاح و تقوےٰ متواضع و مؤدب از مریدانِ حضرت میر نصیر دام افضالہ کہ الحال جانشینِ حضرت خواجہ محمد باسط نور اللہ مرقدہٗ ہستند غرض ہمانجا بر دروازۂ پیرِ خود از سرِ اعتقاد بسر می برد، شوق شعر بمرتبۂ دارد کہ در گفتن نمی آید، اشعار بسیار جمع نمودہ چوں مزاولت اکثر بشعر و سخن دارد گاہ گاہے بعد از سال و ماہے بیتے یا رباعی موزوں میکند خدایش سلامت دارد، رباعی از وست ؎

دنیائے دنی کو جو کہ فانی سمجھے	اور قصۂ عمر کو کہانی سمجھے
دریائے حقیقت کو وہی جاوے پیر	جو مثلِ حباب زندگانی سمجھے

حضور تخلص شخصے ہندو در شاہجہاں آباد رطب و یابس بسیار دارد ؎

زبانِ شمع سے روشن ہوا یہ اہلِ مجلس پہ — کہ یاں جو دم گزرتا ہے ترقی ہے تنزل میں

میر حیدر علی گلِ بوستانِ سیادت و سروِ جویبارِ شرافت از نجبائے زماں میر حیدر علی المتخلص بہ حیران، جوانے است شگفتہ رو نیکخو، سلیقۂ سخنش نہایت خوب و فکرِ دلپذیرش بسے مرغوب اصل وے از شاہجہاں آباد است الحال در لکھنؤ استقامت دارد از شاگردان لالہ سرب سکھ کہ شاعرِ فارسی است و دیوانہ تخلص دارد، با فقیر بسیار دوستی دارد، سلامت باشد۔ ؎

دکھ اس سے کون کہے تابِ التماس کہاں	کسے ہی ہوش بجا دل کہاں حواس کہاں
ہوا ہے اب تو نئے دوستوں سے ربط ٹلے	تمہیں اب آئینگی فرصت ہمارے پاس کہاں
ہوا نہ ہمکو کبھی سیرِ باغ و کشت نصیب	کرینگے زیست کا کیا یاد ہمسے زشت نصیب
دلِ ستم زدہ کا آج پوچھتے ہو حال	غمِ فراق سے کب کا ہوا بہشت نصیب

کٹی شب کس توقع پر ہماری چین سے حیراں　　اب آیا دم میں آیا دن تو ان باتوں میں کٹتا ہے
اپنے جانیکا نہ واں ڈھنگ ہے نہ رات کو ڈھب　　دیکھیے کیسی بنے آن پڑی بات کو ڈھب
رہیے بن کوئی گھڑی دل نہیں لگتا اپنا　　یار بن آپڑی اپنی نپٹ اوقات کو ڈھب
درد دل غیر کے ہونے سے نہ کہنے پایا　　کل میسر ہوئی حیران کو ملاقات کو ڈھب
نظر تیری ادھر کو اس طرح اے یار پڑتی ہے　　لٹیری فوج جیسے لوٹ پڑا کیا رپڑتی ہے

قطعہ

کل کہا میں نے میرے گھر چلیے　　اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
سن کے تیوری بدل کے کہنے لگا　　رسم و راہ ادب تو سب ڈوبی
مجھ سے کہنا ہے میرے گھر چلیے　　دیکھیے اختلاط کی خوبی
کلیجا بھن گیا کیتک کرو گے ہائے بیدردی　　اٹھوں میں ہی جہانسے یا کہ اٹھ جائے بیدردی

از شعرائے دوران و فصحائے زمان غنچۂ گلشن محبت میاں جعفر علی المتخلص بہ حسرت طبعش از چمن خوبی بشکل طوبے برخاستہ و درج فطرتش رشتۂ سخندانی از جواہر معانی آراستہ شربت عذب بیانش را قوام عالی و گوہر طبع رو انش را نظم متوالی، خلف میاں ابو الخیر کہ بہ پیشۂ عطاری در لکھنؤ متصل اکبری دروازہ بسر می برد، جولانی طبعش از حد گذشتہ قصیدہ ہا در زمین مشکل گفتہ، فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، حالا بوسیلۂ فن شاعری در سرکار حسن علیخاں بہادر سرفراز است، مدتے اصلاح سخن از رائے سرب سنگھ گرفتہ الحال منحرف است غرض مثل او پیدا نیست خدایش سلامت دارد کثرت شاگردانش چنانست کہ در صورت شناسی خود ہم حیرانست ؎

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کروگے　　لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے
برنگ آبلے والے یہ کیا زندگانی ہے　　کہ جس کے پاؤں پڑتے ہیں اسی کو سر گرانی ہے
جبتلک سینے میں دل تھا داغ بھی جلتا رہا　　بیچراغ اب گھر ہوا مالک جو تھا چلتا رہا

چھنے تیر نگہ سے دل اگر یوں ہو تو بہتر ہے — بنے غربال کی صورت جگر یوں ہو تو بہتر ہے

کہے وہ اپنے منہ سے قتل حسرت کو کیا میں نے — مرے مرنے کی عالم میں خبر یوں ہو تو بہتر ہے

سرشک گرم یہ چین بحر سے ملنے نکلے — حباب ہو کے وہیں اسپہ آبلے نکلے

تمام دن تھے جدا آہ شمع و پروانہ — ملے جو شب کو تو آپس کے سب گلے نکلے

رقیب نے ہمیں تو ام ہو جسطرح بادام — جو توڑا اس سے تو دونوں کے دل ملے نکلے

تم جو کہتے ہو کہ حسرت کو ق آہ و فریادیاں کیا نکرے

آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے — درد دل کی کوئی دوا کرے

اے شوق کیا ہے یاد تجھے آہ ستمبر — کی تونے دل پہ لاکھ ستم راہ دستبرد

چھپائے تونے ہیں دل پرخوں حنا سے یہ — ثابت ہے تیرے ہاتھ یہ واللہ دستبرد

دل رکھتے تھے بساط میں حسرت سو دے چکے — اب غارت اس دیار میں ہو خواہ دستبرد

اتنا رسوا یہ دل زار ہوا کچھ نہوا — کچھ بھی یہ عشق سے بیزار ہوا کچھ نہوا

وہیں سو بات تھی پر اسنے جو پوچھا احوال — مجھسے کچھ درد دل اظہار ہوا کچھ نہوا

سارے ہستی کے بکھیڑے ہیں وگرنہ دم مرگ — کچھ سر انجام بھی درکار ہوا کچھ نہوا

کاٹتے عشق جتاتا نہیں اس کو حسرت — میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہوا

مثال اس شمع کے جسکو ہوا لے تند لگتی ہے — ہماری ساعت آپہنچی ہے اب خاموش ہونیکی

ہوئے ہیں اسقدر آفت زدے ہم تو کہ اب ہم میں — نہ کیفیت ہے ہنسنے کی نہ کچھ لذت ہے رونیکی

درہندوستان رسم است کہ برائے پوشیدن پستان اکثر زناں دامن را گریبان میکنند دراں مقدمہ میگوید ؎

شاید اس دامن میں پیارے خون بے تقصیر ہے — تیرا دامن آج کیوں تیرا گریباں گیر ہے

رُباعی

دل دردِ بتاں سے آہ کیونکر نکرے | یہ آہ تو تب کرے جواں سے نبڑے
دہ شکل ہے جیسے دشمنوں میں گھائل | دم لیوے تو سر کٹے نہ دم لے تو مرے

پارۂ از احوال فقیر مؤلف کتاب

پوشیدہ نماند کہ اصل ایں فقیر ابن غلام حسین ولد میر عزیز اللہ بن میر امامی ہروی از ہرات است میر امامی نور اللہ مرقدہٗ ہفت قلم و فاضل متبحر بودند بسبب فضیلت در شاہجہاں آباد آمدہ بین الاقران ممتاز گردیدند گاہ گاہ شعر ہم میفرمودند پس ایں عاجز سخن را سر رشتہ شاعری اجدادی است نہ امروزی، حاصل کہ از صغر سن میلان طبیعت ایں فقیر بطرف سخن بیشتر بود بارے حقتعالے دریں فن کم و بیش موافق ظرف استعداد و قبولیت بخشید اصلاح سخن از میر ضیا سلمہ اللہ گرفتہ ام لیکن طرز او شان از من کماحقہ سر انجام نیافت بر قدم دیگر بزرگان مثل خواجہ میر درد و مرزا رفیع سودا و میر تقی پیروی نمودم۔ شروع جوانی از گردش روزگار بدہنجار کہ ہر گز بہ کسے وفا نکردہ است بطرف لکھنؤ و فیض آباد رسیدم۔ بارے کم و بیش از قدردانی نواب فلک جناب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ بلب نان رسیدہ در خدمت مرزا نوازش علیخاں بہادر صحبت گزیدم کہ خلف ارجمند اوست چنانچہ تا حال بہر نوع گزراں مے شاید اکثر بفرمائش نواب معلی القاب مرثیۂ امام علیہ السلام نیز بہ گفتن می آید از بسکہ طبع عالیِ آن بزرگوار در ہمہ فن بلند افتادہ است علی الخصوص در علم موسیقی کہ از حصر و بیان بیرونست، سوز ہائے مرثیہ طرح می نماید و ایں حسنہ برائے آخرت است، اجرہٗ اسلے اللہ و سردار جنگ بہادر نیز ہمیں طور دریا فن ذہنِ رسا و گوشِ شنوا دارد حقتعالی عمر و دولتِ ایشاں را تا جہانست مع فرزندان قائم دارد۔ فقیر دریں مدت قریب ہفت ہشت ہزار بیت گفتہ باشد و یک ترکیب بند و یک

رموز العارفین گفته است که مقبول دلها گردیده مشهور شده است دو سه بند او در اواخر
قلمی خواهد شد، اول چند اشعار برائے یادگار در ذیل این بزرگان مسطور می نماید شاید
که مقبول دلها افتد ؎

گرچه از نیکان نیم خود را به نیکان بسته ام
در ریاضِ آفرینش رشتهٔ گلدسته ام

مطلع سر دیوان فقیر حسنؔ تخلص ؎

گر کیجیے رقم کچھ تری وحدت کی بیاں کا
تو چاہیے خامہ کی اُسے ایک زباں کا

رکھتے ہیں نہ کچھ نام ہی اپنا نہ نشاں ہم
کیا نام و نشاں پوچھو ہو بے نام و نشاں کا

سر دیویگا جس دن تو حسنؔ تیغ کو اُس کی
اسرار کھلے گا جبھی اس سرِّ نہاں کا

چھوٹا نہ واں تغافل اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا یاں یہ اضطراب جاں کا

وہ دن گئے کہ گلشن تھا بود و باش اپنا
اب تو قفس میں بھولے نقشہ بھی گلستاں کا

عشق تو کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا
راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائیگا

تو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا

قیامت تھی شب اُسکا ترحّم اور تلطّف تھا
کبھی تھیں گالیاں منہ پر کبھی لب پر تبسّم تھا

کہا میں کہ پھرتا ہوں دکھ آپ کا
لگا کہنے صاحب کرم آپ کا

کیا جانے اسکے جی پر کیا کچھ خیال گزرا
کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گزرا

ایسی ہی آہ باتیں اُس بیوفا نے چھیڑیں
رونے ہی روتے ہمیں روزِ وصال گزرا

کچھ تو صدا ہی آہ تو خاک بھی کہ جو
ادھر کی لگ رہا ہے حسنؔ گوش نقش پا

نے صبح سے تا شام اُسی نام کو جپنا
اور شام سے تا صبح غم و درد میں کٹنا

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا
جیسے کوئی بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا

جیسے ملنے میں تمہارے دو جہاں چھوڑ دیا
تم نے ملنا بھی اب اس دل سے بتاں چھوڑ دیا

چھوڑ دے کوئی کسی کے لیے جس طرح سے کچھ
ہم نے منت میں تری کون مکاں چھوڑ دیا

اتنی جاگہ نہ ملے اور کہیں مجھ کو کیا — تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجکو کیا
میں ہوں آئینہ تو اپنا ہے تماشائی آپ — تیری آنکھیں جو مجھے دیکھ رہیں مجکو کیا

گو اب رہا تو کیا ہے پر اک روز جائیگا — مجھپر قیامت ایک نہ اک دن تو لائیگا
کرتے تو قتل مجکو کیا ہے پر اب حسن — کیا کیا نہ اپنے جی سے وہ باتیں بنائیگا
وہ ملک دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا — سو ہوگیا ہے تجھ بن اب وہ مقام ہوکا

جز اشک بلبل اب نہیں گل شاخسار پر — کیا اوس پڑ گئی ہے چمن میں بہار پر

وصل بھی ہوگا حسن تو ٹک تو استقلال کر — حال اپنا ہم سے کہہ کہ ہم کو مت بیحال کر

آئے گر دبا د طرف چمن ٹک گزار کر — بلبل کے پر پڑے ہیں گلوں کے نثار کر
بے چیز تو نہیں یہ حسن اس گلی میں روز — جا جا کے بات کرنی ہر اک سے پکار کر

جس طرح ہو کوئی حیران رہے حیران دیکھ کر — دل پریشاں ہوگیا زلف پریشاں دیکھ کر
دامن صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں — پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

نہ رہا گل نہ خار ہی آخر — اک رہا حسن یار ہی آخر
اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا — ہو چکی واں بہار ہی آخر

اس شوخ نے پھینکا ہے مگر تیر ہوا پر — جاتا ہے جو دل کا مرے نخچیر ہوا پر
ٹک کیجیو حذر نالۂ جاں سوز سے میرے — ہے برق کے مانند یہ شمشیر ہوا پر

آباد شہر دل تھا اسی شہریار تک — اب کوئی آ پھرے نہ اس اجڑے دیار تک
قسمت نے دور ایسا ہے پھینکا ہمیں کہ ہم — پھر جیتے جی پہنچ نہ سکے اپنے یار تک
دیکھا جو واں نہ مجکو گمان سو طرف گیا — آئے نہ ہونے کا شکے ہم کوئے یار تک

آتشکدۂ غم کدۂ دہر میں جو بیٹھے ہم — شمع ساں اپنے تئیں آپ ہی رو بیٹھے ہم
آرزو دل کی بر آئی نہ حسن وصل میں اور — لذت ہجر کو بھی مفت میں کھو بیٹھے ہم

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں — نالے نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں

اس ملنے سے ہو دل کو بھلا کیونکہ تسلی
دم رکتا ہوا آتا ہے لب تک ترے غم سے
اشکوں سے حسن کیونکے نہو رازِ دل افشا
اُس کی جب بزم سے ہم ہو کے تنگ آتے ہیں
حسن میں جب نہیں گرمی تو جی دیوے کون
اپنے دل سے تو کبھی ہم ترا شکوہ نہ کریں
روز و شب ہم کو اسی فکر میں گزرے ہے کہ ہم
ترے بن باغ میں جسوقت غنچۂ گل کے کھلتے ہیں
نہ لیٹ اسطرح منہ پر زلف کو رکھ کے اے ظالم
سماں تھا کل عجب ہونے سے تیرے شمع محفل میں
ہے سزا دل کی جو زلفوں سے گیا پھیری میں
مردم چشم نے پلکوں کی چڑھا سنگینیں
حسن گر یار رساہوں میں تو ناچاری سے ہوں ورنہ
حسن مت یاد کر اُن صحبتوں کو
کہیں جا کرے بارش تو یہ کہدیجو دہقاں کو
نہیں تقصیر کانٹوں کی مرا چھالا ہے پاؤں کا
رہنے نہ دیگا اس بن یہ دل تو ایکدم بھی
ہزار حیف کچھ اپنی ہمیں خبر نہ ہوئی
شبِ فراق میں رو رو کے مر گئے آخر
یہ سینہ بھی جائے قدم تھا کسی کا
نہ رہتی تھیں آہیں نہ تھمتے تھے آنسو

اکبار کہیں چھپکے ملیں لاکھ برس میں
عقدے پڑے ہیں لبکہ مرے تارِ نفس میں
پانی کے چھڑکتے ہی سے بو ہوتی ہے خس میں
اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں
شمع تصویر کے کب گردِ پتنگ آتے ہیں
ہوں گر آزردہ بھی ایسے ہی تو بولا نہ کریں
عشق میں اسکے حسن کیا کریں اور کیا نہ کریں
خراشِ ناخنِ غم سے جگر کے زخم چھلتے ہیں
ذرا اُٹھ بیٹھ تو اسدم کہ دونوں وقت ملتے ہیں
کہ سو سو آرزوئیں مضطرب پھرتی تھیں دل میں
شکوہ کیوں نکلا اکیلا جو پھنسا پھیرے میں
ایک عالم کو نظر بند کیا پھیرے میں
نظر ہے جام پہ میری سدا اور دل ہے شیشے میں
سدا اکیساں نہیں رہتی کسی کی
کہ اپنی کشت پر لیجائے میری چشمِ گریاں کو
برنگِ کہربا کھینچے ہے خود خارِ مغیلاں کو
کیوں روٹھ کر ہم اپنا کھو دیں عبث بھرم بھی
تمام عمر لگی پہ تھم یہ سحر نہ ہوئی
یہ رات جیسی تھی ویسی رہی سحر نہ ہوئی
کبھی اس طرف بھی کرم تھا کسی کا
حسن تجکو کیا رات غم تھا کسی کا

جان و دل ہیں اُداس سے میرے
کبھی کبھی جو مرے دل میں ہوش آتا ہے
دریا میں ڈوب جائیے کہ یا چاہ میں پڑیے
آجا کہیں شتاب کہ مانندِ نقشِ پا
یوں غیر کچھ کہیں تو بلا کو بری لگے
اس بُت کی بندگی سے نہ آزاد ہو حسن
بیکلی مجکو نہیں ہر گلبدن کے واسطے
کچھ سُنا تھا حق میں اپنے ایکدن تجھ سے سخن
بے جگر عاشق ہوا ہے کیا کریں کچھ بس نہیں
کہتا ہے تو کہ تجھسے میں ہیں نباہتا ہوں
مجھ پر تو یہ تیرا ستم و جور کچھ نہیں
روٹھا کرے نہ کیوں وہ کسی اور سے حسن
جان میں جان تبھی قیس کے بس آتی ہے
ساتھ دیکھوں ہوں کسکے جو کسی دلبر کو
زندگی ہی تو خزاں کے بھی گزر جائیں گے دن
جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہمکو حسن
غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو
دیکھنا زلف و رخ تمھیں ہر وقت
کیا کہئے اب کوئی اور کیا رو سکے
کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی
کچھ ہو نہ ہو وسلے ہو تیرا خیال ہر دم

اُٹھ گیا کون پاس سے میرے
تو پھر تری ہی محبت کا جوش آتا ہے
لے عشق پر نہ کوئی تری راہ میں پڑے
تکتے ہیں راہ تیری سرِ راہ بیٹھے
تو کچھ نہ کہہ کہ ہم غربا کو بری لگے
یہ بات بھی کہیں نہ خدا کو بری لگے
جان لب ہوں اپنے اُس غنچہ دہن کے واسطے
سیکڑوں سنتا ہوں باتیں اس سخن کے واسطے
جی تو کُڑھتا ہے بہت اپنا حسن کے واسطے
تو ہی کہیں ہو سچا میں یوں ہی چاہتا ہوں
لیکن ترے ہر ایک سے یہ طور کچھ نہیں
یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں
ناقۂ لیلیٰ کی جب بانگِ جرس آتی ہے
میں بھی جی رکھتا ہوں مجکو بھی ہوس آتی ہے
فصلِ گل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے
اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو
شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
یہ ایک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی
اس بن نہیں گزرتی اس بن نہیں گزرتی

نہ ہم ہوش میں مے پرستی سے گزرے ہوئے جبکہ بیہوش مستی سے گزرے
نہ ٹھہرا ذرا قافلہ اس سرا میں لیے حسرتیں یاں کی بستی سے گزرے
رہے جس میں خطرہ سدا نیستی کا بس اے زندگی ایسی ہستی سے گزرے

آنکھوں کو اسکی دیکھا تو مستی نظر پڑی پھر ساتھ اسکے بادہ پرستی نظر پڑی
سارا جہاں خراب تھا آنکھوں میں تجھ بغیر بارے تو آج آیا تو بستی نظر پڑی
سوجھا ہمیں نشیب و فرازِ زمانہ تب جب عشق کی بلندی و پستی نظر پڑی

وصل کا عیش کہاں پر غمِ ہجراں تو ہے لبِ خنداں تو نہیں دیدۂ گریاں تو ہے
آرزو اور تو کچھ ہم کو نہیں دنیا میں ہاں مگر ایک ترے ملنے کا ارمان تو ہے
حال کیا پوچھے ہے حیرتکدۂ دہر کا دیکھ آئینہ یاں کا ہر ایک دیدۂ حیراں تو ہے

جو چاہیے آپ کو تو اُسے کیا نہ چاہیے انصاف کر تو چاہیے یہ یا نہ چاہیے
مجھ سے نے تجھکو چاہا تو چاہا عجب نہیں تجھ سا جو مجھکو چاہیے تو پھر کیا نہ چاہیے

نہ تو آہ و نالہ ہی نکلے ہے نہ اُٹھے ہے کل سی صدائے دل تو خبر تو سینے میں لے سخن کہیں چل بسا ہو نہ ہائے دل

چند اشعار بطور قدمائے ایہام بندان گفتہ شد

سجن جل جاؤنگا میں رشک سے مت دیکھ آئینہ دکھاتے غیر کو منہ آرسی تجھ کو بھی آئی نہ
مژگاں سے جھاڑتے ہیں جو اس گلی کی تنکے رہتے ہیں ہم دوانے روزِ ازل سے تنکے
اکدم میں پھنستے ہیں وہ اکدم میں ہیں فرشتہ ہم آشنا ہوئے ہیں دو چار دن سے جنکے
گیا ڈھنگ ہو دیں اب سے دیکھیں تو حسن کے صحرا کو پھر یہ نکلا مجنوں کے حال بن کے
سبزے نے تیرے خط کے آنے کی دھوم ڈالی خضری خبر اُٹھی ہے تحقیق ہو گئے آج

غزلے گفتہ بودم کہ در سہ بحر خواندہ مے شد آتش کہ بخانہ افتاد سوختہ شد جز
یک مطلع قلمی نسخے نماید ؎

کہے تو غم ترے آگے کہوں ٹک ایک یکجا ں ‏ نہیں ہے تاب میرے دل میں جو رکھوں اسے پنہاں

اول بحر ہزج مفاعیلن ہشت بار، دوم بحر رمل مثمن مجنون فعلاتن ہشت بار، سوم بحر مجتث مجنوں مفاعلن فعلاتن چہار بار

رُباعی

ہر آن ہیں آپ کو دکھا جاتے تھے ‏ مشتاق کو تسکین دلا جاتے تھے
کیوں دیر لگی ہے کس نے روکا تم کو ‏ اب تک تو کئی بار تم آجاتے تھے

دیگر

دنیا داری ہیں اور نہ دینداری ہیں ‏ چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری ہیں
حیرتکدۂ دہر میں تصویر کی طرح ‏ سویا کرتے ہیں عین بیداری ہیں

بند اول ترکیب بند

ہر ایک بزم میں ہے اُس کا ذکر صبح و مسا ‏ ہر ایک ملک میں ہی اُس کے حسن کا شہرا
ہر ایک چشم میں ہر دل میں ہے اُسکی جا ‏ ہر ایک ملت و مذہب میں اُس کا ہے چرچا
ہر ایک جان کو بلبل صفت ہے اُسکی ہوا ‏ اگرچہ اور بھی گل ہیں بہت بہ نام خدا

ندانم آں گل خنداں چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفتگوے او دارد

مقطع دیگر از غزل فقیر را بسیار خوش آمدہ بود، قلمی مے نماید ؎

پہنچے نہ حسن منزل مقصود کو ہم ادا ‏ آخر ہوئے سب زیست کے ایام سفر میں

ردیف الخاء

اول احوال متقدمین | ایں بیت اول بطریق تیمناً و تبرکاً از کلام معجز نظام

حضرت امیر خسرو قدس سرہ نرتیم مے نمایدو احوال آں بزرگوار مشہور معروف است ؎

زحالِ مسکیں مکن تغافل و ورائے نیناں بنائے بتیاں
چو تابِ ہجراں ندارم ایجاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

خوشنود تخلص مردِ دکھنی بود احوالش معلوم نیست از وست ؎

سب زمین جاگے بیچ پر تو بھی سجن آیا نہیں حیپ چھپئے دیکھی بات میں درشن دکھلایا نہیں

ثنائی تخلص مردے بود دکنی از شاہجہاں آباد در عہد جہانگیر احوالش معلوم نیست

از لکر دہ بیت این شعرش بگوش خوردہ از وست ؎

ثنائی ہے اپنے من میں اتنو ہی سر کین تجھ پیم کی گلی میں خاکی کو خاک ہونا

احوالِ متوسطین غنچۂ باغِ مکرمت و وقار محمد یار المتخلص بہ خاکسار مردے

بود خادم درگاہ قدم شریف صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، آنچہ میر تقی در تذکرۂ خود نوشتہ

است کہ خود را بسیار دور میکشد غالب کہ این حرف راست نباشد و بر تقدیر اگر دور کشید

بنزدیکِ این فقیر بجاست، شخصے کہ خادم چنیں درگاہ باشد اگر دماغ بر فلک رساند

رواست، دیگر دلیل بر بطلانِ اینہا اینکہ اگر چنیں مے بود "خاکسار" تخلص نمی نمود

مگر درمزاج متانتے خواہد بود مدتے شد کہ جاں بجاں آفریں سپرد، خدااش بیامرزد

؎

تیری زلفِ سیہ سے اے پیارے مجھ کو اک سر ہزار سودا ہے
خاکسار اس کی تو آنکھوں کے گئے مت کہیو مجکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

میر تقی میگوید کہ اگر بجائے "بیمار کیا" "گرفتار کیا" مے شد بہتر مے بود لیکن در عقلِ فقیر

چنیں میگزرد کہ اگر چشم خود مے بود گرفتار مناسب بود چوں اینجا چشم معشوق است بیماری

صحت دارد ؎

تیغ قاتل سے لہے محروم بے تقصیر ہم روزِ محشر کو اٹھین گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر — یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے
کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں — آہ جوں شمع ہی راحت ہے مجھے جلجانے میں
قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے — مجھے دادخواہی کی طاقت کہاں ہے
رونے سے خاکسار کے روتا نہیں ہے کوئی — اس خانماں خراب کو جیتا خدا کرے
عشوہ و ناز کو ترے پیارے — یہ ترا خاکسار جانے ہے
شانہ آہستہ کیجیو حجام — تار اس زلف کا رگِ جان ہے

بدر النسا بیگم، دختر نواب قمر الدین خاں وزیر ہندوستان، چوں خالۂ نواب عماد الملک بود مشہور بہ خالہ بیگم گردید با مادرِ نواب غالب جنگ احمد خاں مرحوم در فرخ آباد بسر می برد ہمانجا بجوار رحمتِ ایزدی پیوست این شعر بنام او شنیدہ شد ؎

کہا تھا ساربان کے کان میں لیلی نے آہستہ — کہ مجنوں کی خرابی کا کہیں مذکور مت کیجیو

از جملۂ متاخرین گھاسی رام "خوش دل" تخلص می نماید از شاہجہان آباد است در فیض آباد بکار صرافی مشغول است طبعش موزون است از قافیہ و ردیف واقف نیست۔ ؎

تو جو چاہے ہے کہ رہے حسن پہ مغرور سدا — یہ غلط ہے نہیں نبھنے کا یہ دستور سدا
تارِ طنبور و نئے و بین و صدائے طرب — ہر زباں میں ہے صنم تیرا ہی مذکور سدا

ردیف الدال

دریں سلک از متقدمین کسے گزشتہ باشد بنظر فقیر نرسیدہ مگر از متوسطین مرزا داؤد بیگ "داؤد" تخلص در عہدِ فردوس آرامگاہ بود از وست ؎

زلفِ دلبر سے مجکو سودا ہے　　خلق کہتی ہے تجھ کو سودا ہے

شاہ فتح محمد المتخلص بہ دل متوطن اکبرآباد است از نبیرۂ محمد غوث گوالیاری ہمعصرِ میاں آبرو تلاشِ لفظِ تازہ بروضع قدیم دارد در کمالِ تجرید بوسیلۂ طبابت درفیض آباد بسر می برد سلامت باشد ۔ ؎

کیا بجلی تیز تر دیکھی ہیں مژگاں یار کی　　ہمنے سوئیاں بھی نہیں دیکھیں کبھی اس سار کی

باببگانہ بیگانہ و باآشنا آشنا میاں فضل علی المتخلص بہ دانا، جوان محمد شاہی سیہ فام ریش بلند از قوم افغان بود با ہمہ معاصرین خود خوشطبعی داشت یاں خوبصورتی اکثر لباسِ سپاہی پوشید، یاران بروضع او خندہ میکردند و خود ہم تبسم میفرمود غرض مرد زندہ دل بود از مدتے بطرفِ بنگالہ رفت خبرش نیست از دست ؎

بہ ہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہی میرا　　یہی توحید میں مصرع سرِ دیوان ہی میرا

تجھ انتظار میں پیارے مثالِ آئینہ　　تمام عمر پلک سے مری لگی نہ پلک

دل میں ہر ایک کے سودا ہی خریداری کا　　یوسفِ مصر اگر تو ہی ہے اک یار عزیز

محمد فقیہ المتخلص بہ دردمند، جوان محمد شاہی بود نظر کردۂ حضرت مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ سوائے ہمیں ساقی نامہ دیگر اشعارش بنظر نرسیدہ، غرض کہ بسیار بانمک گفتہ و گوہرِ معانی سفتہ، من ساقی نامہ ؎

اُرے ساقی ایجان فصلِ بہار　　یہی تھا ہمارا اور تیرا قرار

ستم سے گزر کچھ تو انصاف کر　　خدا سیتی ڈر کچھ تو انصاف کر

تاک سے ٹک دیکھ گل کا شکوہ　　کہ لبریز ہی باغ تا دشت و کوہ

اس آتش میں میرا نہ کر دل کباب　　نکہ میری طاقت کے زہری کو آب

کہ میں جان بلب ہوں پیالے کی طرح　　لگی ہے مجھے آگ لالے کی طرح

در قسمیہ میگوید ؎

تجھے وعدہ کر بھول جانے کیسوں — تجھے اپنے سوگند کھانے کیسوں
شبِ عید کی تجکو جادوں کسوں — تجھے اپنے منھ دیکے پاؤں کیسوں

در تعریف اہلِ چمن

نظر ٹک کرو ٹک چمن کی طرف — شگوفے کو مستی سے آئے ہیں کف
ہوا کے نشے نے کیا ایسکہ زور — پڑا آب مستی سے کرتا ہے شور

در اشتیاق گوید

ارے ظالموں مفت ہے یہ بہار — کہاں یہ نشہ پھر کہاں یہ خمار
نپٹ نقش بر آب ہے یہ جہاں — ٹک اک موج میں ہم کہاں تم کہاں
نہ یہ مے نہ یہ باغ رہجائے گا — نہ ملنے کا اک داغ رہجائے گا

حکایت بر سبیل تمثیل

لگن میں پڑا ایک پروانہ رات — یہ کہتا تھا ارباب مجلس کے ساتھ
کہ اس بے پر و بال کی عرض ہے — کہ ابلاغ اُس کا تمھیں فرض ہے
مرا شمع سے یہ سندیسا کہو — اسے خوب سمجھا کے اتنا کہو
یہی تھا لکھا میری قسمت کا جاں — قیامت تلک ہجر و وصل ایک آن
جو تجکو مرا خوش نہ آیا ہے حال — تو مجکو شکایت کی کب ہے مجال
سراپا مرا گرچہ آتش میں ہے — سعادت مری تیری خواہش میں ہے
وہی کر تو جس میں ترا کام ہو — ولیکن نہ اتنا کہ بدنام ہو
یہ کہکر کیا کام اپنا تمام — ہوا زندگانی کا روز اسکی شام

جو کوئی عشق میں اس ادب سے مرے　　　خدا تا ابد اُس پہ رحمت کرے

۵ شعر

قفس تک بھی نہ پہنچے اور چھٹے دو آشیانے سے　　　عجب ساعت میں بچھڑی تھی چمن کے آستانے سے

بوستان حلاوت و گلستان طراوت ورزہرۂ دردمندان فرد کرم اللہ خان درد همشیره زادهٔ نواب عمدة الملک، جوان محمد شاہی بوده طوطی طبعش نکتہ پرواز و بلبل فکرش با عندلیب ہم آواز طرزش عاشقانہ و سخنش دردمندانہ وقتیکہ در شاہجہان آباد ہنگامۂ مرہٹہ برپا گردید جنید کافراں برائے غارت بر ناموس سید علی عسکر گبرے ریختند این جوان خدا پرست للہ برائے ناموس میر مذکور از دست مقہوران شہید شد خداش بیامرزد، از وست ۵

آتشِ عشق سے رشتہ ہی مری جان کے بیچ　　　شمع ساں جل کے اُٹھو لگا بھی اک آن کے بیچ

سامنے ہوتے ہی پھر نقش نہ پائے دل کے　　　بٹ گیا نوکِ سنان پر صفِ مژگان کے بیچ

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے　　　تو پوجوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے

ہر اک دم سانس ہو کر پھانس مجھ دل میں کھٹکتی ہے　　　اگر جی کی خلش نکلے تو کیا آرام ہو جائے

تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر　　　اگر پھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے

تحمل آتشِ غم میں دلِ بیتاب کیا جانے　　　ٹھہرنا ایکدم بھی آگ پر سیماب کیا جانے

کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو　　　پلک لگنے کی لذت دیدۂ پُر آب کیا جانے

سالکِ مسالکِ مکاشفات دینی و ناہجِ مناہجِ مجاہدات یقینی از عرفاے عالیمقام و فقہاے ذوی الاحترام بر آسمانِ سخن مانندِ خورشید فرد حضرت خواجہ میر المتخلص بہ درد، از عالمانِ خوش ذات و از درویشانِ نیکو صفات، طنطنۂ فضل و کمال و دبدبۂ جاہ و جلالِ او بفلک رسیده و طناب خیمۂ فکرِ عالیش چوں شعاع مہر از مشرق تا مغرب کشیده در بحرِ ضمیرش ہمہ گوہر ناسفتہ و برگفتۂ او عقل آفرینہا گفتہ، مرشد بوادی

حقیقت و رہبر بمیدانِ شریعت دلِ آگاہ وے مخزنِ اسرار خدائی صفائے باطنش محرمِ کعبۂ کبریائی خسروِ اقلیم حال و قال جامعِ صفات جلال و جمال خلف حضرت خواجہ ناصر قدس سرہٗ اصلش شاہجہان آباد شاعرِ فارسی و ہندی است نے غلط این چہ لائق اوست بل شعر گفتن دون مرتبۂ اوست، اکثرے از دستِ عسرت پریشان شدہ بطرفے رفتند لیکن آن ثابت قدم تکیہ بر توکل نمودہ قدم از جا برنداشت تا حال در شاہجہان آباد مقیم است، دیوانش اگرچہ مختصر است لیکن چون کلامِ حافظ سراپا انتخاب دام افضالہٗ

مقدور ہمیں کب تری وصفوں کے رقم کا — حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

مانندِ حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی — کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

اکسیر پہ ہوس اتنا نہ ناز کرنا — بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

ہم نہیں جانتے ہیں اے درد کیا ہے کعبہ — جیدھر ملے دو ابرو ہم کو نماز کرنا

آرام سے کبھی بھی نہ اکبار سو گئے — ایسے ہمارے طالعِ بیدار سو گئے

خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے — آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے

بارے مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا — پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا

عاشقِ بیدل ترا یا تنگ جی سے سیر تھا — زندگی کا جو اُسے دم تھا دمِ شمشیر تھا

کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اُس کو بھی — جب تلک پہنچی ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا

شیخ کعبے ہو کے پہنچا ہم کنشتِ دل میں ہو — درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا

مدرسہ یا دیر یا کعبہ تھا یا بتخانہ تھا — ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحبخانہ تھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ — وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبث وہ سابقے مت یاد کر — درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی — جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اگر یونہی یہ دل ستاتا رہیگا — تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہیگا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے — مری یاد تجھکو دلاتا رہیگا
بھلا کوئی تم میں سے اے ہمصفیرو — خبر گل کی ہم کو سُناتا رہیگا
گلی سے ترے دل کو لے تو چلا ہوں — میں پہنچوں گا جبتک یہ آتا رہیگا
خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تو — کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہیگا

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہگیا — ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہگیا
یارب یہ دل ہی یا کوئی مہمانسرائے ہے — غم رہگیا کبھی کبھی آرام رہگیا
تم نے تو ایک دن بھی نہ ادھر گزر کیا — ناچار ہو کے ہم نے ہی ادھر سفر کیا
پیکان و دل کے ساتھ ہوا جب معاوضہ — سینے سے تب خدنگ نے میرے گزر کیا

تجھی کو جہاں جلوہ فرماں دیکھا — برا ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے — ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا — بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا — پر وہ کیا کچھ تھا کہ دل کو بھا گیا
میں تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات — پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و میخانا — مثال نرگس پھرتے ہیں اپنا آپ پیمانا
کسی سے کیا بیاں کیجیے اس اپنے حال ابتر کا — دل اُسکے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا
دل کو لیجاتی ہیں محبوبوں کی خوش اسلوبیاں — ورنہ ہیں معلوم ہمکو سب اُنھوں کی خوبیاں
درد دل کیو واسطے پیدا کیا انسان کو — ورنہ کچھ طاعت کی خاطر کم نہ تھے کرّوبیاں

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں   یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

بُتاں کے جبر اُٹھائے ہزار ہا لیکن   جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

ہم کس ہوس کی تجھسے فلک جستجو کریں   دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

نہ گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار   کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کریں

مٹ جائیں ایکدم میں یہ کثرت نمائیاں   گر آئینہ کے سامنے ہم ایک ہو کریں

تیرے سوا نہیں کوئی دونوں جہان میں   موجود ہم جو ہیں بھی تو اپنے گمان میں

ایدھر بھی اہلِ بزم توجہ ضرور ہے   کچھ کچھ کہے ہے شمع بھی اپنی زبان میں

نہ ملیے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے   وگر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

یہ حسن و عشق مل بیٹھیں گے آپس میں جو کچھ ہوگا   پر ان دونوں کے اُلجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہو   کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہو

ارض و سماں کہاں تری وسعت کو پا سکے   میرا ہی دل ہے یہ کہ جہاں تو سما سکے

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو   پر نہ آجائے کبھی جی میں کہ آزاد کرو

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے   لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں   اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

فرصتِ زندگی بہت کم ہے   مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم   وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

مرا جی ہے جبتک تری جستجو ہے   زبان جب تلک ہے یہی گفتگو ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا   تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے | جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول | دل میں کسی کے آہ کوئی راہ کیا کرے

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے | اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ وہ آہوں کی ہے سونی | ہوا کیا درد کو پیارے گلی کیوں آج ہے سونی

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا | پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن | میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

شب گزری و آفتاب نکلا | تو گھر سے بھلا شتاب نکلا

ادھر کو جو مسکرا کے دیکھا | کچھ تو جی کا حجاب نکلا

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم | تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم

جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی | ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم

قطعہ

یہی پیغام درد کا کہنا | گر کوئی کوئے یار میں گزرے

کون سی رات آن ملیے گا | دن بہت انتظار میں گزرے

کبھو خوش بھی کیا ہے دل کسی رندِ شرابی کا | بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

میں اپنا دردِ دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں | بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

یارو مرا شکوہ ہی بھلا کیجیے اس سے | مذکور کسی طرح سے جا کیجیے اس سے

جوں جوں وہ کڑے ہے تو یہی آئے ہے جی میں | پھر چھیڑیے اور باتیں سنا کیجیے اس سے

کہتے نہ تھے ہم درد میاں چھوڑیے یہ باتیں | پائی نہ سزا اور وفا کیجیے اس سے

تہمتِ چند اپنے ذمّے دھر چلے　　جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

بند مخمس از غزل کلیم

کئی قیمت میں اسکے پاس نقدِ دین کو لائے　　کئی دنیا دکھاتے ہیں کہ سودا یونہی بنجائے
مجھے یہ سوچ ہے وہ خود فروش ادھر اگر آئے　　بہ رہ ہے او چہ در بازیم نہ دینے نہ دنیائے
دلے داریم و اندوہے بسرے داریم و سودائے

رُباعیات

اے درد یہ درد جی سے کھونا معلوم　　جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن　　میرے جی کا شگفتہ ہو نا معلوم

اے درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا　　یوں ضبط جو تجھ سے یک بیک چھوٹ گیا
کیا ایسی مصیبت پڑی تجھ پر ظالم　　کہہ تو سہی جی ڈھا کہ دل ٹوٹ گیا

اے درد بہت کیا پر کھا ہم نے　　دیکھا تو عجب یہاں کا لیکھا ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ　　جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی　　اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیان کرے گا اُسکو　　کہتے ہیں ہم آپ اب کہانی اپنی

ہر صبح کے لیے کب تلک مرتے رہیے　　کب تک یہ کفر دل میں بھرتے رہیے
اے درد جو کچھ کہ زندگی باقی ہے　　اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیے

رائے سُرب سُکھ المتخلص بہ دیوانہ شاعر زبردست فارسی است شعر بسیار

گفتہ است استاد ریختہ گویانِ لکھنؤ۔ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیران و اکثر دیگراں شاگرد او بند، در آنجا مشہور و معروف است، در اوائل مشقِ فکرِ ریختہ ہم میکرد عجب شخصے است خدا سلامتش دارد از وست۔

رُباعی

وے لوگ کہاں کہ یار باشی کیجیے　　وے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجیے
اک گوشے میں بیٹھکر دِ و لتے تنہا،　　اب ناخنِ غم سے دل خراشی کیجیے
دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نجاے　　شعر رستم کا کیا جگر ہے کہ زہرا پگھل نجاے

محمد عابد جوانے است مربوط گو و قابل المتخلص بہ دل درسلکِ متاخرین از حروف الدال ساکن عظیم آباد، برادر میاں روشن علی جوشش تخلص، از خوبانِ آں دیار است سلامت باشد از وست۔ ؎

وہ کافر ہماری شبِ تار ہے　　جسے صبح کا دیکھنا عار ہے
تمھارے در پہ جو درباں ذ آستیں پکڑی　　برنگِ نقشِ قدم ہمنے بھی زمین پکڑی

میرزا منکو بیگ المتخلص بہ درخشان سیاہ فام چیچک رو۔ مردِ شوقین بود، مرثیہ و غزل و مثنوی ہمہ میگفت، بسیار سادہ وضع بود، مدتے از آزارِ شدید از چندے رحلت کرد خدا ایشں بیامرزد ؎

یاراں وداعِ عمر کو ہجراں کی رات ہے　　مانندِ شمع میری سحر کو وفات ہے
تھی درا سے ناقۂ لیلیٰ کی ہر دم یہ صدا　　آہ مجنوں پا شکستہ رہگیا محمل سے دور

حرف الذال

ذاکر تخلص شنیدہ ام لیکن اشعارش یاد نیست۔

حرف الراء

پارۂ از احوال متوسطین، از متقدمین کسے بنظر نیامدہ۔ رنگین تخلص مرزا ماں بیگ مرد لیست سپاہی پیشہ خوش اوقات و نیک ذات، جوان محمد شاہی، خط نستعلیق خوب می نویسد، از ملازمان نواب افتخار الدولہ مرزا علیجان بہادر است، از یاران میاں غریب وضع قدیم دارد، ایہام بنداست، خدا ایشش سلامت دارد از دست

رات کی بات نہیں کہنے کا تیری پیارے ۔۔۔ گو چلیں آج مرے سر پہ ہزاروں آرے

ایک مو زلف کا رنگین کو نشانی بھیجا ۔۔۔ بعد مدت کے کیا یاد صنم نے بارے

آفتاب رائے رسوا تخلص از سلک متوسطین، ہندو بیسرے بود، در تو پخانہ نوکری داشت، از چندے ترک روزگار نمودہ بریک پسر کمبوہ متو نام تعشق پیدا کردہ بود، زبانش بلفظ میاں بسیار آشنا بود، با ہر کہ سخن میگفت میاں میگفت و میگریست۔ کلامش خالی از درد نیست عریاں میگشت، آخر بہماں حالت مرد از دست

رسوا اگر نہ کرتا تھا عالم میں یوں مجھے ۔۔۔ ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

قفس سے یوں لگے ہم اور چمن میں جا نہیں ۔۔۔ اُڑیں تو اُڑ نہیں سکتے چلیں تو پاے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو ۔۔۔ اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھایئے

وہ کونسی زمین ہے جو اشکوں سے نم نہیں — رسوا بھی اس نے مانے مجنوں سے کم نہیں

نقل است کہ روزے معشوقِ او رسن در گردنش انداختہ میگشت ناگاہ شخصے دیگر نیز بنظرش رسید او را ہم از نازِ محبوبانہ درآں گرفتاری شامل گردانید، درآنوقت رسوا چہ مناسبِ حال این شعر بر خواند ؎

دیگرے را در گرفتاری شریکِ ما مکن — مدعا گر شہرتِ حسن است یک رسوا بس است

میر حمزہ علی المتخلص بہ رند، اصلش از شاہجہان آباد است، جوان محمد شاہی است از چندے بطرفِ بنگالہ رفت، الحال اکثر از زبانِ یاران معلوم شد کہ در مرشدآباد ترک لباس نمود و خدا ایش سلامت دارد، از وست ؎

سینے سے داغِ عشق مٹایا نہ جائیگا — ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

بندرابن راقم تخلص ہندو از قومِ کھتری بسیار پست قد و بلند فکر است، از شاگردانِ مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ، در تضمین نمودن مخمس دست بہم رسانیدہ بسیار بخوبی میگوید معلوم نیست کہ کجاست۔

یاں تک قبولِ خاطر سمجھے تری جفا کو — تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب — یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے کہیں دوام صبح — ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض — ہم کو قسم جو توڑیں ترے برگ و بر کہیں

اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ہم اور عندلیب — آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

دیکھا میں رات جا کر احوالِ چشمِ راقم　　برسات کی اندھیری پتلی کی تھی سیاہی
کہے کیا وردِ دل بلبل گلوں سے　　اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر
کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں　　کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

اغلب کہ ایں شعر بے اصلاح باشد چرا کہ از افتادن عین ناموزوں میشود و درینجا عین می افتد عین خطاست، در دانست فقیر چنیں بہتر میشود ؎

"میرا تو کام کچھ تجھے منظور ہی نہیں"

از سلکِ متاخرین لالہ بلاس رائے المتخلص بہ رنگین خلف راجہ مان رائے دیوان مدار المہام سیر محمد علی رہیلہ است طبع موزونے دارد ہر جا کہ باشد سلامت باشد از دست ؎

اس مصیبت سے جو تو گھر سے نکالے ہی مجھے　　یہ تو بتلا میں بھلا جاؤں کدھر آخر شب

خواجہ صاحب خواجہ حسین علی سلمہ اللہ المتخلص بہ روشن، طبع موزونے دارد، اصلش از شاہجہان آباد است، جوانے است بکمال انسانیت و حسنِ خلق، چندے بطرف سلطانپور نیز بسر بردہ الحال در سرکار نواب فلک جناب آصف الدولہ بہادر بخدمات قریبہ سرفراز است، خدایش سلامت دارد از دست ؎

رہ سا اٹھ جفا رہیں آ یا　　کیا ہی کافر بیار ہیں آ یا
جی میں یہ تھا کہ جان کیجے نثار　　ایکدم بھی وہ بے وفا نہ رہا
شکوۂ ظلم بھی دل سے اٹھائے روشن　　جب کہا اسنے کہ میں یار ہوں کنکا نکا

آشنا سے یا صفا مرزا علی رضا المتخلص بہ رضا، از یاران لالہ سرب سنگھ ا کثر شعرہا گفتہ است حسبِ حال خود، شخصے وہب علی نام، پردہ ماکل است، احوال عاشقی

خود معشوقی او بسیار بخوبی در مثنوی بیان نمودہ ازوست

دنیا میں کوئی تجھ سا ستمگار نہیں ہے — بیرحم و جفا پیشہ و خونخوار نہیں ہے

سب خلق ہوئی دشمن جاں عشق میں تیرے — افسوس کہ تس پر تو مرا یار نہیں ہے

غمگین رضا تو نظر آتا ہے سبب کیا — سچ بول کہیں دل تو گرفتار نہیں ہے

مہربان خان خان بلند مکان شفیق مسافران المتخلص بہ رند، در سرکار نواب غالب جنگ بہادر بہ فرخ آباد بخدمت دیوانی ممتاز بود، بکمال نیکنامی اوقات بسر بردہ مجلس رنگین و بزم ارم تزئین داشت، ہر صادر و وارد را بقدر استعداد خود و حوصلۂ او می نواخت، با اہل سخن ہمیشہ سرگرم سخن و با صاحب ہر فن چون روح در تن محو، بحسن اخلاق در فن موسیقی و شاعری ہندی کہ نہایت از کہنہاسے باشد. طاق امارت ظاہری ہم بمرتبہ رسیدہ کہ با امرایان سابق و حال انیس و جلیس گردیدہ از شاگردان میر سوز و مرزا رفیع مشہور است، در تصانیف نفیسہ ہم دستے پیدا کردہ چنانچہ اکثر اہل غنا دل عشاق را بنغمۂ دل آویز او می برند. بسیاری کلامش را چون کلام سودا و میر سوز سرلوح دیوان خود می نگارند. در علم تیراندازی اصلاح از میر سوز گرفتہ از ہمہ تیراندازان آن دیار گوے سبقت ربودہ و امور دیگر نیز مثل شمشیر شناسی و اسپ شناسی و قدردانی انسان از صحبت میر مسطور حاصل نمودہ غرضکہ از مغتنمات روزگار است سلامت باشد ازوست ؎

خلقت تمام گردش افلاک سے بنی — مانٹی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی

مجھ ساتھ تری دوستی جب ہو گئی آخر — دنیا کی مرے دل سے طلب ہو گئی آخر

حاصل تو ہوا وصل ہمیں رات پر افسوس — اک پل میں شب عیش و طرب ہو گئی آخر

حروف الزاء

مغل بیگ زار تخلص، جوانے ست از سلکِ متوسطین، معلوم نیست کہ کجاست از یارانِ میر تقی میر ست۔ سلامت باشد از وست ؎

مشہور تھے جو نالے میرے گلی میں اس کی   کوئی اور بھی جو رویا سمجھا کہ زار ہو گا

دیگر میر مظہر علی زار تخلص، از متاخرین ست، نقاوۂ دودمانِ سیادت و نوبادۂ بوستانِ شرافت پاکیزہ سرشت و نیک شعار، جوانے ست بعلم و عمل آراستہ و بصلاح و تقویٰ پیراستہ کلامش عاشقانہ و فکرش دردمندانہ، استفادہ سخن از شاہ حفیظ اللہ صاحب کہ در دیارِ لکھنؤ عالم و فاضل و مثنوی داں مشہور اند حاصل نمودہ اصلش از شاہجہان آباد ست الحال در فیض آباد در رفاقت نواب مرزا علی خاں بہادر بسر می برد گاہ گاہے فکری نماید لیکن بسیار بطرز میگوید خدا ایش سلامت دارد ؎

چھوٹ جاویں غم سے ہر دم کے جو نکلے دم کہیں   خاک ہے یہ زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو   شبِ فرقت تو آئی نہ دکھانا ہم کو

تیری ہی قسم تجھ بن گر کچھ بھی خوش آتا ہو   کافر ہو اگر اس میں کوئی بات بناتا ہو

دل کو اس کوچے میں کھو بیٹھے ہیں ہم   اس لئے مغموم ہو بیٹھے ہیں ہم

سر رہو یا جاؤ اب در پر ترے   جو کچھ ہونی ہو سو ہو بیٹھے ہیں ہم

نیند تیرے ہوتے آوے ہے محال   یار تو چاہے تو سو بیٹھے ہیں ہم

اپنے تئیں اس بزم سے کیا کام ہے   جب تلک تم بیٹھے ہو تم بیٹھے ہیں ہم

جس طرح فرما گئے تھے یار تم   اس طرح سے دیکھ لو بیٹھے ہیں ہم

کرنی جو کبھی مجھ سے گفتار سو یہ تحفہ   سب تیرے لئے دشمن تو یار سو یہ تحفہ

گزری ہے تڑپتے یاں بھاویں ہی نہیں اسکے   دل کی تو یہ حالت ہے دلدار سو یہ تحفہ

کہتا تھا کل آؤنگا سو آج تک آتا ہے — مدت ہیں کیا اس نے اقرار سو یہ تحفہ
اب زار یہاں بھی تو چھٹ خار نہ کچھ دیکھا — صحرا ہی کو روتے تھے گلزار سو یہ تحفہ
لگا کہنے کہ کہہ احوالِ فرقت مختصر کر کے — دکھایا آنسووں سے خون کے میں دامان کو بھر کے
ہمیں تو فرش سے اور تکیۂ مخمل سے بہتر ہے — گلی میں اس کی پڑ رہنا سرہانے ہاتھ کو دھر کے
کیا ہوتی ہے اے زار کہ تو خانہ نشیں ہے — اور اس کی تو چوں برق کہیں چین نہیں ہے
کیا تجکو خوش آیا ہے یہ اے چرخ ستمگار — عاشق کہیں بیتاب ہے معشوق کہیں ہے
کیا تجھہ زار اب کہہ درد دُکھ کٹھن ہے — جو تو ہے اور رونا اور یہ اُجاڑ بن ہے
لیجاؤ گے تم اس کی گلی سے جہاں مجھے — آرام جو یہاں ہے نہو گا وہاں مجھے
فصلِ بہار تجکو مبارک ہو عندلیب — بن یار ایک سی ہے بہار و خزاں مجھے
رہتی نہیں ہے ذکر کئے بن تو یار کا — رسوا کریگی زار یہ تیری زباں مجھے

حروف السین

پارۂ از احوال متقدمین

سراج، تخلص از مردم اورنگ آباد در وقتِ عالمگیر اول بود از شاگردان سید حمزہ علی دکھنی روشن طبع معلوم می شود خدایش بیامرزد از وست ؎

اُس بن مجھ آنسووں کے شراروں کی کیا کمی — جس رات چاند نہیں ہے ستاروں کی کیا کمی
نہیں ہے تاب مجھے تیرے سامنے جانا — کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب
شعلہ خو جب سے نظر آتا نہیں — لوٹتا ہے تب سے انگاروں پہ دل
مدت سے گم ہوا دلِ بیگانۂ سراج — شاید کہ جا لگا ہے کسی آشنا کے ہاتھ
[1] وو ظالم مجکو جلتا دیکھکر اتنا نہیں کہتا — کہ کیا ثابت قدم ہے کیو [2] ہوا آخر سراج اپنا

---

[1] وہ [2] کیو اصل نسخہ میں بلا نون لکھا ہوا ہے

سالک تخلص دکھنی ست چند اشعار او در تذکرۂ میر تقی دیدہ شد چوں ربط بیک دیگر نداشتند بقلم نیاورد۔

سعدی دکھنی، بعضے ایں را سعدی شیرازی قرار دادہ اند و بعضے سعدی دیگر یعنی دکھنی واللہ اعلم

ہمنا تمنکو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا　　تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
دو نین کے کھپر کروں رو رو کے انجھواں دل بھروں　　پیش سگ کو یت دھروں پیاسا نجانے پیت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ　　در ریختہ دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

چوں زبانِ فارسی دریں شامل ست اغلب کہ سعدی شیرازی ست۔

از احوال متوسطین | میر ناصر با وجود بے سر و سامانی سامان تخلص داشت متوطن جونپور اوائل سلطنت محمد شاہ بادشاہ در شاہجہاں آباد آمدہ بخدمت خان آرزو استفادہ حاصل نمودہ از وست ؎

اُٹھیں کیونکر نہ اس دل سے بھبھو کے　　کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے
رقیب اس طرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ　　گویا رشتے ہیں ہیں اس شمع رو کے

میاں سلیمان معشوق عبدالحی تاباں ست، چوں آں ماہِ تاباں در پردۂ ابر فنا پنہاں گردید ایں عزیز با او اُلفتے کہ داشت مانندِ گل گریباں چاک کردہ گریاں گریاں از گوشۂ دنیا عزلت گزیدہ چندے بر تالاب فرید آباد با دلِ پُر غم و چشمِ پُر نم درویشانہ بسر بُرد بعدہ بطرف الہ آباد رفت تا حال بلباسِ فقیری بسر می برد خدا لیش سلامت دارد از وست ؎

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھ تو طرازی دل　　کچھ بھی دھڑکا نہ کیا جبلے جگر واری دل

میاں نجم الدین المتخلص بہ سلام خلف میاں شرف الدین علی خاں پیام در عہدِ فردوس آرامگاہ بود بکمالِ خلق و اخلاق بسر برد خدا لیش بیامرزد از وست ؎

حدیثِ زلف چشمِ یار سے پوچھ   درازی رات کی بیمار سے پوچھ

میر سعادت علی، سعادت تخلص از سادات امروہہ مرد سلیم الطبع کم سخن بود فی الجملہ چاشنی درویشی نیز داشت از مریدانِ شاہ ولایت میل ایہام بندی بسیار داشت یک مثنوی در عشق لیلی و مجنوں کہ دو عاشق و معشوق گزشتہ اند گفتہ و نام او نیز بجائے لیلی مجنوں سیلی سجنوں گزاشتہ، اکثر مناقب او نیز مشہور ہست چنانچہ سواری ہوئی امیر المومنین کی از دست خدائش بیامرزد این چند بیت از انست ؎

بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں جاتا ہوں ست	ہوش کھو دیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست
یار سے جو رقیب لڑتے ہیں	یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں
مت دکھا اس طرح کی آن مجھے	جینے دے کوئی دم تو جان مجھے
پپیہے کی طرح دار و کے شیشے	زبانِ حال سے کہتے ہیں پی پی

مطلع سر دیوان او اینست ؎

واللہ جو سرِ لوح ترا نام نہوتا	ہرگز کسی آغاز کا انجام نہوتا

سلالہ دودمان مصطفوی نقاوۂ خاندان مرتضوی موصوف باوصاف حمیدہ مخلوق باخلاق سنجیدہ شہرۂ انفس و آفاق در لطیفہ گویان و ایہام بندان طاق، سیادت و شرافت نہاد نیک نیت و خوش اعتقاد میر محمد سجاد ہم متخلص بہ سجاد خلف الصدق میر محمد عظیم ابن میر محمد اکرم خاں مرحوم سر منشاء منشیانِ بادشاہی مصحح فرامین شاہنشاہی ہمراہی یحیی خاں میر منشی وطن آبا و اجداد ایشاں بعد آمدن از ولایت آذربائجان اکبر آباد بود و معاشرت ایشاں شاہجہان آباد در ہر امورکہ دخل نمودہ آں را بکمال رسانیدہ علم طب ہم حاصل نمودہ در اکبر آباد بمساکن قدیم استقامت دارند و شوق طلسمات و انشا و خوشنویسی و شعر فہمی را بمراتب اعلیٰ رسانیدہ اند، خدا سلامت دارد از وست ؎

ساقی بغیر جام کے جی کا بچاؤ نہیں	جوں فیلِ مست آوے ہے ابر سیہ بلا

گر ترے گل کے آنے نے کھوئے نہیں حواس — سجّاد کیوں پھرے ہے سجن آج فق ہوا

غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل — پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا

تجکو اے سجّاد غیر از خنجرِ بیداد کے — اور بھی کچھ قاتلوں کی دوستی نے پھل دیا

تاباں تو چاہتے سجاد تجھ کوں — کریں کیا پر خدا نے جو نہ چاہا

بتوں کی بھی یہ چاہ دور و زہے — ہمیشہ رہے نام اللہ کا

جان و دل سب قبول ہے جانا — پر گلی میں تری سے مجھے آنا

میں نے جانا تھا قلمبند کریگا وہ حرف — شوق کے لکھنے کا سجاد نے دفتر کھولا

تیری شمشیر سے جدا ہو کر — سر مرا مجکو تن نہیں دیتا

سجاد مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح — غصّا ہوا ہے یار میں کچھ اندنوں غضب

اں فصلِ گل میں جوشِ جنوں کا ہوا ہے قہر — جنگل میں آبسا ہے نکل کر تمام شہر

ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ — لاگی ہے جب زمانے سے جلتی ہے دہر دہر

تجھے غیر سے صحبت اب آ بنی — ایسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

لفظ ایسے دوستی زبان قدیم ست یعنی برائے ہمیں

بادِ صبا سے زلفِ معطر کی ہم تلک — مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

گلی میں تری بیٹھتے ہیں سجن — ان آنکھوں سے اٹھتے ہیں آنسو نکل

جب ہم آغوشِ یار ہوتے ہیں — سب فرے در کنار ہوتے ہیں

ناخدائی ٹک ایک کر ساقی — ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک — تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہ کن پہ گزریگی — ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

دیکھوں طبیب درپئے دارو ہیں کب تلک — مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تلک

تو روزِ وصل میں لے بیٹھے پاس کن کن کو — یہ راتیں ہجر کی کاٹی نہیں کیا اسی دن کو

لبِ شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں | زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں
یار کا جایا ہمیں ہیگا عزیز | یوسف اپنا پیرہن نہ کر رکھے
ہاتھ ہی میں رہے ہے طفلوں کے | یہ تماشے کا دل کھلوتا ہے
بختوں بازی کہیں سجن ملجائے | لیکن ایسے کہاں نصیب مرے
جب تلک نہیں پہنچتے ترے آستاں تلک | تب تک ہمارے خاک کی مٹی خراب ہے
کچھ یہ سجاد ہی کے دل کی عجب حالت ہے | ورنہ اس روگ میں دیکھے ہیں ہمار گئی
ناہرو بن یہ شمع مجلس ہیں | جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے
ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے اسے | خواہ زلفیں خواہ مژگاں خواہ ابرو خواہ چشم
مرے دیکھکر حال دامان کا | پھٹے کیوں نہ سینا گریبان کا
کیوں مشتِ گل بھی دل کے نہ رونے میں بہ گئی | سجاد مجکو باقی ہے چشموں سے یہ گلا
تیری ان کالی کالی زلفوں پر | کیا گھٹا کی طرح برستی ہے
کیسے جنگل اُجاڑ کو دیکھیں | یہ ہی "سجاد" دل میں بستی ہے
سُرخیِ لب ہر آن میں کچھ ہے | یوں کچھ اور رنگ پان میں کچھ ہے
اس زمانے کی دوستی کا رنگ | آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
یعقوب کے جب عشق پڑا سر پہ ٹوٹ کر | آنکھوں نے اُس کی رو دیا آخر کو پھوٹ کر

مرزا محمد رفیع المتخلص بہ سودا، اوستاد اوستادانِ کامل وقادر سر آمد شعرائے زماں در میدانِ نزاکتِ بیاں فکرش چوں مہر گرم تازست، و در عرصۂ لطافت و قدرت و متانت سخن بازوئے فطرت او چوں تیر راست اندازست، فلک از علو رتبۂ فکرش انگشتِ ہلال بدندانِ پروین گرفتہ و خورشید از سموِ منزلت خاکِ قدم طبعش را بجاروبِ مژگاں رُفتہ، اُستاد شعرائے عصر و مقتدائے بلغائے دہر، میدانِ بیانِ او وسیع و طرز معانی او بدیع سپاہ دانش شاہ و بر آسمان بینش ماہ، در قصیدہ و

ہجو بیضا دارد، قصائد عذب و دلاویز و بیان ہجو بلند نظمش طرب انگیز، مردیست از مغتنمات روزگار، خوش خلق و نیک خو و یار باش، مولدش شاہجہان آباد، سن شریفش بہ ہفتاد رسیدہ باشد، نوکری پیشہ، الحال در سرکار نواب شجاع الدولہ بہادر بوسیلۂ فن شاعری سرافراز ست، در علم موسیقی نیز ماہر است و تصانیف بسیار در نغمہ دارد۔ تا حال مثل او در ہندوستان جنت نشان کسے برنخاستہ، اکثر فقیر در خدمت آں بزرگوار میرسد بسیار کرم میفرماید۔ اگرچہ بندہ را چہ یار است کہ انتخاب دیوان او نماید دریا را بکوزہ نمیتوان کرد۔ از بسکہ اشتہار دارد محتاج نوشتن کسے نیست۔ حق تعالےٰ بسیار سلامت باکرامت دارد کہ زندگیِ سخن وابستہ ذات اوست دام افضالہ۔ از دست

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

اس ہستیِ گلشن میں عجب دید ہے لیکن
جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

بیکس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا
گویا یہ ہے چراغ غریبوں کے گور کا

بزم بتاں میں جب دم وہ رشکِ مہ گیا تھا
آپس میں ہر پری رو منہ دیکھ رہ گیا تھا

کسی دیندار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہوچکی سودا کی سر پر شام کیا ہوگا

قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسی نے ٹک دم لیا تو پھر کیا

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

ٹوٹے اگر نگہ سے تری دل حباب کا
پانی بھی پیجئے تو مزا ہو شراب کا

موجِ نسیم گرد سے آلودہ ہے نپٹ
دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

سو نیا تھا کیا جنوں نے گریباں کو مرے
لیتا ہے اب حساب جو یہ تار تار کا

ہیں دشمن جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا
سو حضرتِ دل سلمہ اللہ تعالیٰ

مانگا جو میں دل کو تو کہا بس یہی اک دل
ایسے تو مرے کوچے میں کتنے ہیں اٹھا لا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشقباز　　اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا
کس گلی دیکھ کے ہیں آس کو پکارا نہ گیا　　مُڑ کے ٹک دیکھنے کا ننگ گوارا نہ کیا
کسی کا دین کیا حق نے کسی کی دنیا　　سب کا سب کچھ کیا پر مجکو ہمارا نہ کیا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یاں سودا کا دل اٹکا
اسیرِ ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا

پرے رہ برقِ خارِ آشیاں اپنے سے کہتا ہوں
اُڑیگا دھجیاں ہو کر جو یاں دامن ترا اٹکا

موجِ آتش ہے سیل آنکھوں میں　　شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا
نہ جیا تیری چشم کا مارا　　نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر　　مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
ترا جی مجھسے بن ملتا مرا جی رہ نہیں سکتا　　غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا
سودا سے یوں کہا میں دل اس قدر نہ کھو　　کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہونا
تیرے کوچے سے جو میں آپ کو چلتے دیکھا　　جی کسی تن سے نہ اس طرح سے نکلتے دیکھا
سوجھی تدبیر نہ تقدیر کو بہلانے کی　　جب تجھے قتل پر عاشق کے مچلتے دیکھا
دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا　　جوں اشک پھر زمیں سے اُٹھایا نہ جائے گا
فرصت ہو باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن　　جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا
جی مرا مجھسے یہ کہتا ہے کہ ٹل جاؤنگا　　ہاتھ سے دل کے ترے اب میں نکل جاؤنگا
قطرۂ اشک ہوں پیارے مرے تم دامن سے　　کیوں خفا ہوتے ہو پل مارتے ڈھل جاؤنگا
چھیڑ مت بادِ بہاری کہ میں جوں نکہتِ گل　　پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤنگا
اس خرابی سے تو مت مجکو نکال اب گھر سے　　تو کہے آج نکل میں کہوں کل جاؤنگا
کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب　　کیا قفس آباد ہوگئے کون سے گلشن خراب

ٹک جاگ بے تو چھوڑ کر غافل پلنگِ خواب — آخر کو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگِ خواب
کیا کیا لڑائیاں تھیں سرک سونے میں بہم — جاگینگے پھر بھی بخت کہ ہووینگا جنگِ خواب

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست — پوجوں میں اس کسی کو جو ہو آشنا پرست

سودا گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ — جوں غنچہ سو زبان ہے اس کے دہن کے بیچ
کل رخصتِ بہار تھی شبنم صفت میں زور — رویا سر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا — آئینہ لیکے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام — ذرّہ بھی ہم تڑپنے نپائے کہ بس تمام

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں — چمن میں لیکے خمیازہ کسی نے انگھڑیاں لیاں

غیر کے پاس یہ اپنا گمان ہے کہ نہیں — جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں — کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

بہار و باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو — ہوائے ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو
روا ہے کہ تو بھلا اے سپہرِ ناانصاف — ریائے زہد چھپے راز عشق رسوا ہو

اے لالہ گو فلک نے دیئے تجکو چار داغ — چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھسے کیا کرے — اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

فکرِ معاش و عشقِ بتاں یادِ رفتگاں — دو دن کی زندگی میں اب کوئی کیا کرے

گر ہو شراب و خلوت و معشوقِ خوبرو — زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے — تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جگ میں شراب خوار کی تشہیر کے لئے — سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گزرے — نہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گزرے

پیارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں میں — کس لطف کی امید پہ یہ جور سہوں میں
گر چھپکے کہیں تجکو ذرا دیکھ رہوں میں — ہر ایک مجھے آکے سناتا ہی کہوں میں

ہنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منہ پہ ملتا ہے   خدا جانے کہ کیا کیا صورتیں اس خاک میں گڑیاں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں   تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

مبادا گر خط تم اپنے حق میں کیوں کانٹوں کو بوتے ہو   یہ عارض گل نہ دینگے عبث سبزہ بھی کھوتے ہو

رقیب میں ہوں نہ پر آسماں یک جان و دو قالب   مخاطب تم بالفظ جان ہم دونوں کے ہوتے ہو

جگر ان کا ہے جو تجکو صنم کر یاد کرتے ہیں   میاں ہم تو مسلماں ہیں خدا بھی کہتے ڈرتے ہیں

کس کس طرح کی دیکھیں اس باغ کی فضائیں   کیدھر گئے وہ ساقی وہ ابر وہ ہوائیں

صورت میں تجھ کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے   اک وضع ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے

کہتے ہیں جسے عشق وہ کیا چیز ہے سودا   جوں ذات خدا جس کو حسب ہے نہ نسب ہے

یاں نہ ذرّہ ہی چمکتا ہے فقط گرد کے ساتھ   جلوہ گر نور ہے خورشید کا ہر فرد کے ساتھ

صبحدم آج چمن میں بلبل جو سودا   ق   بیٹھا اک شعر یہ پڑھتا تھا نپٹ درد کے ساتھ

دل کو چاہا تھا کہ خالی کرے مانند حباب   ہو گئی جان ہوا اک نفس سرد کے ساتھ

کہے ہے مجکو جو زاہد کہ تجکو دیں تو نہیں   بھرا دے خم ہیں مرے منہ سے چل ہنیں تو نہیں

اس دل کو دیکے لوں دو جہاں یہ کبھو نہ ہو   سودا تو ہووے تب نہ کہ جب اس میں تو نہ ہو

قصہ تو حسن و عشق کا چکتا ہے دل کے بیچ   گر محکمے میں قاضی کے تو رو برو نہ ہو

تنزل میں بھی ہم ہرگز ترقی سے نہ کم ہوتے   جو بنتے کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے

ہوا ہووے گا کیا کیا مژدہ برمورد تلطف کا   جنر کن حال بدلنے کے اسد دم کاش ہم ہوتے

خاک پر بھی تیرے دیوانے کے یہ تدبیر ہے   ہر بگولا طوق ہر موج ہوا زنجیر ہے

تو نے سودا کے تئیں[1] قتل کیا کہتے ہیں   یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

جن نے پوچھا کہ دل خوش ہے کہیں دنیا میں   رو دیا اس نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

(اسی)

---

[1] تئیں

مری آنکھوں میں تو رہتا ہے مجکو کیوں رُلاتا ہے ۔ سمجھکر دیکھ تو اپنا بھی کوئی گھر ڈباتا ہے

عیاں ہے شوق ملنے کا مرے نامے کے کاغذ سے ۔ کہ جب کھولے ہے تو اس کو تڑپتا ہی جاتا ہے

اب کے بھی دن بہار کے یونہی چلے گئے ۔ پھر پھر گل آ چکے پہ سجن تم بھلے گئے

پوچھے ہے کہ پھول و پھل کی خبر اب تو عندلیب ۔ ٹوٹے جھڑے خزاں ہوئے پھولے پھلے گئے

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی ۔ اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

تصور میں ترے کھیو صبا اس لاابالی سے ۔ گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے

ڈرتے ڈرتے ترے کوچے میں جو آ جاتا ہوں ۔ صیدِ خائف کی طرح رد بقفا جاتا ہوں

نہ تلطف نہ مروت نہ محبت نہ وفا ۔ سادگی دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں

سوچوں ہوں اپنے تئیں جوں سخنِ رفتہ زباں ۔ گاہ بے گاہ اگر آپ میں آ جاتا ہوں

کیا اشک مرا پاؤں تلک ڈھلتا ہے ۔ مرکب کا ترے قدم تلے رُلتا ہے

اے غنچہ دہن پیارے ٹک ہنسکر بول ۔ کیا دل ہے مرا تو کہ نہیں کھلتا ہے

میر سوز سلمہ اللہ تعالیٰ شعلۂ عالم سوز و گوہرِ گیتی افروز محمد میر المتخلص بہ سوز
فقیہ بے مثال و درویش باکمال، منشی بے نظیر و خوشنویس دل پذیر، شاعر شیریں بیاں
و سخن سنج زباں داں، مجلس نشیں دانشمندی قصر فطرتش در غایت بلندی، گلدستۂ نثرش
چوں گلشنِ حسن دلبران تازہ و گلہاے نظمش در کثرت چوں سپاہِ غم بے اندازہ، فضائلش
چوں حسن خوباں عالمگیر و خصائلش چوں خمیازۂ نازِ محبوبانِ دلپذیر، معجز قلم و شیریں رقم
رشحات مداد قلمش از دریاے اعجاز کلکِ عنبر بارش از بوستان اعجاز رسالۂ در علوم
تیر اندازی بر سبیل تذکرہ چوں تیر در راستی بکمال قوت در میدانِ سخن انداختہ و خود چوں
کمان از بدرنگی آفاق بگوشہ نشینی ساختہ در عہد خود از جملہ ادا شناسان ممتاز، طرز ادائیہ
مِلک اوست و خواندن اشعارش از زبان او نیکوست، از خواندنش چناں خوب بنماید
کہ در گفتن نمی آید، مردیست متواضع و متوکل قابل دوست و جوہر شناس، ابن سید

ضیاء الدین بخاری از اولاد قطب عالم گجراتی، بر فقیر بسیار کرم می فرماید و از کلام بندہ محظوظ ست
حق تعالیٰ لبسیار سلامت باکرامت دارد۔ سوز دام افضالہ ؎

ہیں کس کے ہاتھ کاغذ بھیجوں میاں صاحب سلام اپنا
مجھے تو بھول جاتا ہے ترے دھڑکے سے نام اپنا

دل کے ہاتھوں نپٹ خراب ہوا
جل گیا بھن گیا کباب ہوا

جن کو نت دیکھتے تھے اب اُن کا
دیکھنا ہیں خیال و خواب ہوا

یاریوں دُور جا بسے اللہ
کیا زمانے کا انقلاب ہوا

سوز کچھ منہ بنائے آتا ہے
آج مجرے کا پھر جواب ہوا

کسی نے روم لی قسمت ہیں کوئی شام لے آیا
ہمیں کچھ لے نہ آیا ایک تیرا نام لے آیا

صدا ہی در پہ کچھ پیغامبر کی سی خدا جانے
نوید وصل ہے یا ہجر کا پیغام لے آیا

اہل ایمان سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یارب رازِ دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

کعبے ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا
جو تم سے بتاں ہوگا سو اللہ کرے گا

بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا
تڑپھنے کے سوا آرام مجھ سے ہو نہیں سکتا

وہ میرے نام سے بیزار ہیں ملنے کے کیا معنی
نہ صاحب وصل کا پیغام مجھ سے ہو نہیں سکتا

کہاں میں اور کہاں اندیشۂ بوس و کنار اس کا
نہ بھائی یہ خیال خام مجھ سے ہو نہیں سکتا

غم تو کہتا ہے کہ میں تجھ کو ستا جاؤں گا
پر مری جان ترے غم کو میں کھا جاؤں گا

مجھ سے مت جی کو لگاؤ کہ نہیں رہنے کا
میں مسافر ہوں کوئی دن کو چلا جاؤں گا

سر او پر شام آئی اب تلک منزل نہیں پاتا
کہاں بستر بچھاؤں میں کسی کا دل نہیں پاتا

دور سے دیکھتے ہی سوز کی شکل
کیسا بھاگا ہے وہ شتاب شتاب

ایک بوسہ تو مجھ کو دو صاحب
سنتے ہی منہ پھرایا لو صاحب

مانگتے ہیں ہم اپنے یار کی خیر
آئینے کچھ تو دے بہار کی خیر

ابر کہتا ہے بار بار مجھے
بھیجیو چشم اشکبار کی خیر

کم نہیں ہوتا غبارِ خاطرِ جاناں ہنوز　　خاک سے میری جھٹکتا ہے کھڑا داماں ہنوز

غم سے تیرے ہوا یہ سوز دگداز　　پر نہ آیا تو اپنی ضد سے باز

یوں کھپ رہا ہے گل کے کلیجے میں خارِ حیف　　جیتی ہے عندلیب تو اب تک ہزار حیف

صورت کو دیکھتے ہی گئے ہاتھ پاؤں پھول　　گھبرا دیا نہ لے دل ناکردہ کار حیف

دیکھا تو کچھ نہ آ کے جہانِ خراب میں　　کیوں زندگی خلل ہی کیا تو نے خواب میں

پیری میں عیشِ گریہ بھلا اور کیا ہے سوز　　دریا کی سیر ہے تو شبِ ماہتاب میں

مثلِ نَے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے　　کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

اس فرشتہ شکل پر کھونا ہے کتنا مہر سوز　　بے پر و بالی میں جس کی عرش تک پرواز ہے

امیدِ وصل جز طمعِ خام کچھ نہیں　　ہر صبح ہے قسم یہ قسم شام کچھ نہیں

بلبل کہیں پتنگ کہیں اور ہم کہیں　　اکٹھے یہ دل جلے ہوئے ایکدم کہیں

گو آہِ متصل یوں ہی آتی رہیگی سوز　　اندیشہ ہے مجھے نہ نکل جائے دم کہیں

بیٹھ جاے سوز دو دو قطرے لیں ایکجا　　خانۂ خمار بھیجا ہے ابھی دستار کو

سوز گردش سے غمِ گردوں کی مت دلتنگ ہو　　جوش کھا کھا دل میں آپ ہی بادۂ گلرنگ ہو

کس طرح روتے ہوئے دیدۂ تر دیکھیں تو　　کس طرح بہتے ہوئے لختِ جگر دیکھیں تو

خوش تو ہوتا ہے کلا دیکھ کے نٹ کی عالم　　ہوش اڑ جائیں کلا تیری اگر دیکھیں تو

نوکِ مژگاں پہ تو آ جاؤ جھمک کر پیارے　　لختِ دل آج تمھارا بھی ہنر دیکھیں تو

یوں تو نکلی نہ مرے دل کی اُبا ہے گا ہے　　اے فلک بہرِ خدا رخصتِ آہ ہے گا ہے

ایک نے سوز سے پوچھا کہ صنم سے اپنے　　اب بھی ملتے ہو بدستور کہ گاہے گاہے

ق

دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دم سرد　　یوں اشارت سے جتایا سرِ راہے گاہے

اس تنگ وقت میں تو نہ تاخیر شرط ہے　　ہے صیدِ نیم جاں اسے تکبیر شرط ہے

جس گلشنِ جہاں میں کہ صیاد کا ہو خوف　　رہنا برنگِ بلبلِ تصویر شرط ہے

ہاں مثل گل شگفتہ نہو غنچہ ساں خموش
ماتم سرا ہیں صورتِ دل گیر شرط ہی

یوں پوچھنا کہ سچ ہے فلانے کو عشق ہی
صدقے ہیں جاں بوجھ بھلانے کو عشق ہی

دل خانۂ خدا ہی خدا لا شریک ہی
پر اس میں سوز تیرے سمانے کو عشق ہی

اشکِ خوں آنکھوں میں آکر جم گئے
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

پاس آکر دیکھنا تیرا بڑا ارمان ہے
مجکو مشکل ہی لیکن تجکو سب آسان ہے

اے نکہتِ گل جائیو محفل میں کسی کے
ٹک دل کو مرے ڈھونڈیو تو دل میں کسی کے

بیمار کی آ اپنے ستمگر خبر لے
اس رات خدائی ہو جو ظالم وہ سحر لے

جوں خضر ہوس عمر ابد کی نہیں مجکو
اس دم کی تمنا ہے جو تجھ پاس گزر لے

پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح و شام جام
بے یاد دوست مجکو ہے پینا حرام جام

تھے وقتِ نزع منتظر کلمہ سوز سے
جنبش لبوں کی دیکھی تو کرتا تھا جام جام

اندوہ سے تیرے مر گئے ہم
روویں کیوں کر نہ گھر گئے ہم

کاہے کو تو گھورتا ہے ظالم
کچھ دیکھے ترا مکر گئے ہم

بس بس آنکھیں نکال مت واہ
ایسے غصے سے ڈر گئے ہم

زباں سے ہو سکے کب دلربا تیری ثنا کہنا
مگر صورت کو تیری دیکھنا اور واہ وا کہنا

پرکار کی روش پھرے ہم جتنے چل سکے
اس گردش فلک سے نہ باہر نکل سکے

رونا بھی تھمگیا ترے غصے کے خوف سے
تھی چشم ڈبڈبائی پر آنسو نہ ڈھل سکے

دل کی قدر و منزلت یاں کچھ نہیں
لاؤ بالی یار کی سرکار ہے

ہم نے کون و مکاں دیکھ لیا
پل میں سارا جہان دیکھ لیا

نیستی کے لئے ہی ہستی ہے
ہاں مرے مہربان دیکھ لیا

اشک کب ہوں تیرے مستانے کے خشک
کوچے کب ہوتے ہیں میخانے کے خشک

چوری چوری تیرے منہ شاید لگا
ہونٹھ تو ہی ہینگے پیمانے کے خشک

زلف کے پیتوں میں کیسا جاکر دھنسی | یا الٰہی ہاتھ ہوں شانے کے نخشک
اب کے دل میں ہے کہ گو ہر روئیے | ہوں سراسر آپ دکھلانے کے خشک
کہوں اک بات میں تجسوں اگرچہ کی اماں پاؤں | مجھے قربان ہونے دے ترے قربان ہوجاؤں

رباعی

جو میرے عدو تھے اُن سے تو یار ہوا | مجھ سے لڑنے کو اب تو تیار ہوا
رہ رہ کے مرے دل میں یہی آتا ہی | اللہ تو مجھ سے ایسا بیزار ہوا

اکثر اشعار میر سوز و مرزا رفیع سودا در دیوان مہربان خاں یافتہ میشود ازیں جہت اشعار او را قلمی نکردم انچہ دوسہ نوشتم بر ہماں اکتفا کردم

سلک متاخرین میر یادگار علی سید تخلص شخصے است از سادات بہادر پور کہ مشہور ضلع میوات ست طبع موزوں دارد و دراں دیار عزیز ہر کسے ست سلامت باشد از وست

خدا کے واسطے صیاد تہ کر اب تو دام اپنا | کہ گلشن سے لیا ہی تو نے خاطرخواہ کام اپنا
شورشیں باقی ہیں دل میں تسپر آتی ہی بہار | دیکھئے کیا کیا تنگ نے اب کے لاتی ہی بہار
گیا اب اُمید کریں وصل کی مرتے مرتے | عمر تو کٹ گئی دکھ ہجر کے بھرتے بھرتے

میر سلیم المتخلص بہ سلیم مردیست سلیم الطبع، از ساکنان عظیم آباد تجارت پیشہ خوش اندیشہ بندہ ویرا ندیدہ بزبانی دیگراں شنیدہ کہ گاہ گاہے فکر غزل می نماید والفاظ را درست می نشاند سلامت باشد از وست

پڑھائے عشق نے جب ہم کو نکتے علم مستی کے | پریشان ہوگئے اوراق سب دیوان ہستی کے
ہوئی معلوم بو یہ خون دل کے جوش سے مجکو | کہ زخم تازہ پہنچے گا کسی کی نوش سے مجکو
شراب بیخودی سے کیا مجھی تھی تیغ قاتل کی | کہ زخم اُس کا نئے جاتا ہی ہر دم ہوش سے مجکو

سلیم اس بیکسی سے ہائے زیرِ خاک جاتا ہوں　　کہ رو دینگے لگا منکر نکیر آغوش سے مجکو

از امرایانِ جہان نواب احمد علی خاں ولد افتخار الدولہ بہادر مرزا علی خان دام اقبالہ بخطاب شوکت جنگ المتخلص بہ سوزان جوانیست در سخن سنجی یگانہ و در فہم و فراست ارسطوے زمانہ در وقتیکہ میر ضیا سلمہ اللہ ہمراہ آن نیکو خصال بود گاہ گاہے اشہب فکر را در میدانِ غزل جولاں می نمود الحال مدتے شد کہ راغب بایں طرف نیست حق تعالیٰ آن سرو موزوں را در گلستان جہاں سرسبز داراد ؎

زبس کہ ذکر ترا گرم شب بیاں میں رہا　　طپش جگر میں رہی اضطراب جاں میں رہا
اگرچہ کعبے ہی پہنچے تو کیا ہوا اے شیخ　　بتاں تو دل میں رہے اور دل بتاں میں رہا
قید میں یوسف کو بھیجا واہ یونہی چاہیئے　　خوب کی تو نے زلیخا چاہ یونہی چاہیئے
مت دل لگا بتوں سے کہنے پہ جا کسی کے　　ہرگز ہوئے نہ ہونگے یہ آشنا کسی کے
خوبی ہے کیا ستمگر اس ہفتہ دوستی میں　　اپنا کسی کو کیجے ہو رہیئے یا کسی کے

رباعی

جانے سے نہ پوچھ اس کے کیسی گزری　　دشمن پہ نہ گزرے ہمپہ جیسی گزری
جوں مرگ کا وقت گزرے موتا پر ہائے　　یہ زیست ہماری ساری ایسی گزری

میاں سکندر عرف گھیسا، از مرثیہ گویانِ متاخرین ست اکثر در زبان پوربی و پنجابی و مارواری مرثیہ گفتہ و بسیار مربوط گفتہ و در قصہ خوانی و عرق کشی نیز ماہر ست۔ یک قصہ ملاح و ماہی و بادشاہ دل خواہ بسیار باآب و تاب نظم نمودہ است اگرچہ علم ندارد ولیکن بر کلام او جائے انگشت نیست چوں باہمہ مردم خوش طبعی دارد و شراب میخورد و در نظر بعضے ہا سبک مینماید غرض مرد زندہ دلے ست گاہ گاہ بطرز قدیم شعر میگوید۔ طبعش مائل ایہام بسیار است سلامت باشد از وست ؎

جو دھو کر داغ دل سب پاک کیجے | تو جاری دیدۂ نمناک کیجے
جلا جو آتش غم سے سراپا | علاج اُس کا پھر اب کیا خاک کیجے

حرف الشین

احوال متقدمین شعور دکھنی **شعور** تخلص، ازین شعر شعور او ظاہرست ؎

برساتے ہیں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب | روشن ہی یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

شاہ قلی خاں **شاہی** تخلص از ساکنان بھاگ نگر بود مدتے بر توسل نوکری بادشاہی در بلدۂ حیدرآباد بسر می برد آخر بمنصب ندیمی **تاناشاہ** معزز گردید بیشتر مرثیہ میگفت در ولایت ہندوستان دست بدست می آوردند غفراللہ لہ ؎

ملنا تمھنکا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے | کس کس کا مونھ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

احوال متوسطین محمد شاکر **شاکر** تخلص از یاران محمد علی حشمت در علم نجوم ماہر بود طبع موزوں نیز داشت فکرش خالی از درد نیست **ازوست** ؎

کیا پوچھے ہے حال بلبلوں کا | جو اُن پہ گزرتی ہے گزر لے
گلچیں تجھے کیا تری بلا سے | گل توڑ کے تو تو گود بھر لے

حکیم یار علی **شفا** تخلص در ہماں زماں بود گاہ گاہ دو سہ ریختہ نیز میگفت در طبابت دست شفا داشت خدابش بیامرزد **ازوست** ؎

جوں ڈانک کے دیئے سے دونا کھلے ہی یاقوت | چمکا ہی رنگ پاں سے جوہر ترے لبوں کا

شاغل تخلص در عہد محمد شاہ بادشاہ بود شاگرد میاں لسبمل کہ سابق بریں گزشت بیتے و مصرعے موزوں میکرد خدایش بیامرزد **ازوست** ؎

جاتی نہیں ہی اس سے تری فکر زلف و رخ | شاغل کو روز و شب ہی ترا ذکر زلف و رخ

شاعر پُر شوق میاں حسن علی المتخلص بہ **شوق** مرد سپاہی پیشہ صاحب دیوان از

شاگردان سراج الدین علی خاں آرزو مدتے در سرکار نواب عمادالملک غازی الدین خاں بوسیلۂ سپہگری بسر بردہ الحال معلوم نیست کہ کجاست شعرش بسیار باندازہ است و مشاقی نیز از کلامش ہویدا است اکثر این غزل او را نغمہ سرایان ہند در ہر دیار میخوانند مشہور است سلامت باشد ۵

ہے غرض اپنی ہمیں یار کے ملجانے سے / اور کچھ کام نہیں کعبہ و بت خانے سے

میں ہوں میخوار و خرابات نشیں بادہ پرست / جی ہے محظوظ مرا گردش پیمانے سے

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے / پر علم نہیں کمر کہاں ہے

اگر قاصد ترے کوچے سے ٹک جلدی نہ آویگا / تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جی ہی جاویگا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں / لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں / تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں

آچکا خط بھی پہ تیرا انت نیا اک نازہ ہے / ہوچکی آخر بہار اور اب نہیں آغاز ہے

بجھیگی آتش دل ہم نے جانا تھا بہار آئی / ہوائے ابر نے دونی وہے یہ آگ بھڑکائی

کیا کیا ستم نہ تھے کہ کئے چشم یار نے / جو سختیاں تھیں مجکو زمانا دکھا چکا

آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہے کل کا / جوں طفلِ اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا

تیری جفا اُٹھاوے یا جور آسماں کا / انصاف کر تو ایسا پتھر ہے دل کہاں کا

خط مرا پڑھکے یہ جواب دیا / نامۂ شوق کا جواب نہیں

تو نے چمن میں اُس کو آنکھیں دکھائیاں ہیں / نرگس نے تجھسے تو ہی آنکھیں چرائیاں ہیں

گر عاشقی کرو تو معلوم ہو حقیقت / اے ناصحو تمھیں تو باتیں بن آئیاں ہیں

سُنتے ہی نہیں یہ بتِ گمراہ کسی کی / ان ساتھ کٹے کس طرح اللہ کسی کی

رباعی

اس دور میں بد قماش اکثر دیکھے / تھے وہ جو غلام تاج بر سر دیکھے

اے گنجفہ باز چرخ ہاتھوں سے ترے — اوراقِ جہاں تمام ابتر دیکھے

احوال متاخرین

میر کلو سلمہ اللہ تعالیٰ المتخلص بہ **شاعر** از اقربایان و خویشان خواجہ **میر درد** دام افضالہ، جوانے ست بکمال صلاحیت آراستہ و بعلم و عمل پیراستہ اہل دل، منصف، متواضع، مودب، بزرگ و بزرگ زادہ، فکرِ عالیش رسا و سخن متوالیش خوشنما، دیوان ریختہ مرتب کردہ و بیشتر رباعیات بطور **میر سوز** عمداً گفتہ ہمراہِ میاں **الم** در فیض آباد آمدہ بود بندہ با وے ملاقی شدہ است، خدایش سلامت دارد ؎

ہمیں یارب خبر اصلا نہیں ہے — کہ پیدائش میں دل ہی یا نہیں ہے
تجھے جب سے صنم دیکھا کہے کیا — خدا پر علم ہے بندا نہیں ہے
تری زلف آن الجھی ہے۔ مرا دل — کسی سے آج تک الجھا نہیں ہے
تیغ نگہ لگا ٹک اور زخمِ دلِ فگار پر — آہ نہیں یہ واہ ہے تیرے ہر ایک وار پر
ہمارا دل لئے جاتا ہے وہ خونخوار کیا کیجے — سوائے صبر کچھ چارہ نہیں ناچار کیا کیجے
گریباں پھاڑ کر کیدھر نکل جاویں ہم اے وحشت — ہوئی ہے زندگی ناحق گلے کا ہار کیا کیجے
وہ سو جاتا ہے جھوٹھی موٹھ بھی ہرگز نہیں سنتا — حقیقت اپنی ایسے شخص سے اظہار کیا کیجے
مثل مشہور ہے **شاعر** کہ سوتے کو جگاتے ہیں — جو کوئی جاگتا ہووے اسے بیدار کیا کیجے
ہم دیکھتے ہیں یوں کسے اے یار جہاں میں — ایک تو ہی تو اس بات کے قابل نظر آیا
دیتے تو دیا آہ دل اپنا تجھے، لیکن — جینا بھی پھر اس بن ہمیں مشکل نظر آیا
گر کہا ٹک بھی میرا کیجے گا — پھر جو جی چاہے کہا کیجے گا
عوضِ لاکھ جفا ہے یہ ہمیں — ایک گر وعدہ وفا کیجے گا
ٹک بھی گر چینِ جبیں کیجے گا — پھر نہیں ہم یہ یقیں کیجے گا
اپنے مطلب کی کہے جائینگے ہم — گرچہ سو بار نہیں کیجے گا
تکرار ہو جو ظلم و ستم کی تو کیا مزا — ظالم تبھی ہے لطف کہ ہر دم نئی رہے

میر فتح علی المتخلص بہ شیدا از ساکنان مئو شمس آباد ست پسر خواندۂ میر سوز جوانے بکمال اخلاق متواضع، مؤدب، از شاگردان مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ تعالیٰ، سپاہی پیشہ است بندہ اورا یک مرتبہ ہمراہ میاں آفریں دیدہ است طبعش بلند افتادہ از کلامش بوئے دردمندی ظاہرست ؎

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں | اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں
آئے تھے کیوں عدم سے کیا کر چلے جہاں ہیں | یہ مرگ و زیست دو تو آپس میں ہنستیاں ہیں

لالہ خوشوقت رائے، شاداب تخلص، مولد او چاندپور ندینہ ست، منشی است نثر خوب می نویسد، در ہجتیان خود باعزاز و اکرام بسر می برد، خدایش زندہ دارد ؎

دیکھ اُس کے منہ پہ زلف سیہ فام کے تئیں | کیا زیب دی ہے کفر نے اسلام کے تئیں

واقعی ایں کافر مضمونے خوب یافتہ است کہ کفر از وی بارد ولہ ؎

بس ہو چکی شفا تو دل زار کے تئیں | اے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں
جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو مت چڑھا | تیرے ہوتے بھی کھینچے ہی کوئی تلوار کو

میر محمدی شرف تخلص، برادر زادۂ نواب خان دوران مرحوم، بندہ ندیدہ لیکن اکثر از زبان یاران شنیدہ کہ طبع خوبے دارد و با بزرگ ست بتشیر لطور ناصر علی و مرزا جلال اسیر ریختہ میگوید حالا در شاہجہاں آباد است ؎

عکس ہے کس مہ جبیں کا دلنشین آئینہ | ہمتک کبک دری ہے سرزمین آئینہ
صاف دل کا مرتبہ ہے عرش و کرسی سے بلند | جلوہ گر ہے آسماں زیر زمین آئینہ

میر محمد شفیع سلمہ اللہ شخصے است مجمع اخلاق و منبع اشفاق، عاشق ریختہ گویان و در جمع نمودن اشعار توسن طبعش پویان، با میر و مرزا و میان قائم یکجا صحبت داشتہ الحال بہ لکھنؤ در عالم تجرید بسر می برد و افیون نی ست گاہے یک دو سہ بیتے خود ہم میگوید خدایش سلامت دارد از وست ؎

رات کیا ہو گیا تھا تجکو شفیع | جب کھلی آنکھ ہے روتے دیکھا
غیر سے ملنے کو کریں گو نہ منع | دل میں تمھارے تو حیا چاہیئے
یار کا پابوس نہیں دور کچھ | اپنے تئیں خاک ہوا چاہیئے

حرف الصاد

احوال متقدمین | صبائی، تخلص، احمد آبادی ست از وست ؎
زر سے ہی آشنائی زر سے ملے ہی بھائی | زر نہیں تو ہی جدائی دنیا میں جو ہی زر ہی

سلک متوسطین | صفدری، تخلص شخصے گزشتہ است از وست ؎
سبز جامہ پر ہیں پی کے رنگ بھینا دیکھیو | شمع کافوری پہ یہ فانوس مینا دیکھیو

نور حدیقہ محمدی و گل بوستان جعفری سلالۂ دودمان مرتضوی و مصطفوی میر جعفر خاں ابن میر محمد خاں ولد میر سید محمد قادری نوراللہ مرقدہ صادق تخلص، جوانے بود بکمال خوبی و فصاحت و بلاغت و صلاح و تقویٰ۔ در فن شاعری مستعد و طالب علم جید طبعش بغایت متین و نطقش نہایت مبین بہارستان جعفری کتابے از تصنیفات اوست اصلش از شاہجہان آباد ست، بر نالۂ بیرم دی درگاہ جد او ست میر سید محمد، او نجا مجلس دوم ہر ماہ می شد، مردم بسیار می آمدند و قوالان میخواندند و صوفیان بوجد می آمدند۔ از چندے شنیدہ میشود کہ بہ رحمت الٰہی واصل گشتہ ہماں جا مدفون است غفراللہ لہ ؎

فصل کے شور نے عاقل سبھی دیوانے کئے | شیخ بھی چاہیئے ہے آج تو رندانہ پیئے
یوں پئیں غیر شراب اور شتاب نرگس | ہم رہیں دیکھتے ہی ہاتھ میں پیمانہ لئے
لوح پر زلف کے مارے کے لکھا دیکھا تھا | موے بھی لہر نہ کئے اسے ترا کاٹا نہ جئے
دل ہے یہ یا کباب ہے کوئی | عاشقی بھی عذاب ہے کوئی

شرم سے نام تو نہیں لیتا | پر ہمارا خطاب ہے کوئی
مجکو قدرت بھی خدا کی نظر آتی ہے بڑی | تیری سہتے ہیں وہ باتیں کہ کسی کی نہ سہیں
ہم اگر جیتے رہے بھی تو بھلا کیا حاصل | دیکھتے ہیں کہ تری ہم سے وہ آنکھیں نہ رہیں

صابر تخلص کسے گزشتہ است از سلک متوسطین، سرسری میگوید کلامش بپختگی نرسیدہ است از وست ہے

ناز اس طرح کیا کہ ادا کو نہوئی خبر | جور اس طرح کیا کہ جفا کو نہوئی خبر
صابر نے اپنے یار کے پاؤں پہ سر کو دھر | جی اس طرح دیا کہ قضا کو نہوئی خبر
سارے عالم میں جو بڑا تھا شوخ | میری قسمت میں وہ دھرا تھا شوخ

میر محمد علی **صبر** تخلص، از سلک متاخرین ست، بیشتر مرثیہ میگوید، از متوسلان بنی خانم صاحبہ۔ باوجودیکہ او ہم در فیض آباد میباشد لیکن بندہ اورا ندیدہ و نہ اشعارش شنیدہ مگر مرثیہ، خدایش سلامت دارد ہے

گو کہ دلبر نے مجھ پہ جبر کیا | میں بھی دل دیکے اس کو صبر کیا
غم ہجر صنم میں رات دل کی بیقراری سے | نہ تھی فرصت مجھے وقت سحر تک آہ و زاری سے
فردین تجھ سا کوئی اے صبر دنیا میں نہوویگا | زمیں میں گڑ گیا آخر تو اپنی خاکساری سے

حرف الضاد

درین فصل کسے از قدما منظر نیامدہ مگر در سلک متوسطین ۔ نیر آسمان سیادت و گوہر بحر شرافت ذکاے وے بکمال ضیا و بہائے او در نہایت بہا المتخلص بہ **ضیا** بدریست از سپہر کمال و صدریست از مجلس جلال، شمعیست پُر ضیا و عاشقے ہست با صفا طبع عالیش بلند و دل و جانش گداز و در دمند طرزش مانا بطرز مولانا نسبتی غرضکہ

شعرِ پر دردش بر جگر عاشقاں نشتر زا لیست و برائے سوختگانِ عشق شرر لیست، اکثر در غزل زمینِ سنگلاخ گفتن و الفاظ نامقبول را در بندشِ مقبول دلہا ساختن کار او ست۔ اصلش از شاہجہان آباد، از چندے بطرفِ عظیم آباد استقامت دارند۔ پیسر راجہ شتاب رائے بطریق نذر کم و بیش خبر گیراں می باشد۔ شنیدہ ام کہ او ہم فکرِ شعر میکند لیکن تا حال نشنیدہ ام، اکثر شاعرانِ آں دیار اصلاحِ سخن از میر موصوف می گیرند۔ بندہ ہم استفادۂ سخن ازاں بزرگوار حاصل نمودہ۔ استادِ فقیر مؤلف کتاب ہمان است غرضکہ ہمچنیں آشنائے درست در آشنائی ندیدہ و نشنیدہ، متواضع، مؤدب، اہل دل، منصف مزاج، دردمند از ہر کہ شعرِ پُر درد شنیدند محظوظ شدند و گریستند، دیوانش ترتیب نیافتہ است، قصیدہ ہجو و مثنوی و رباعی کم گفتہ بیشتر غزلیات ازاں مشہور است، خدا سلامت باکرامت دارد

جمع کرکے درد سارے تونے پیدا دل کیا　　کہ تو اے دستِ قضا پھر اس سے کیا حاصل کیا

کیا مزے سے جی نکلتا جو وہ ٹک پھر دیکھتا　　کام آساں مجھ پہ قاتل نے مرے مشکل کیا

باؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا　　آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا

قیس دیوانہ ہو اور کوہکن جس سے ہوا　　عشق ہم کو بھی وہی اب کام فرمانے لگا

ایک دن وہ تھا کہ روز و شب رہے تھا پاس ہائے　　اب خبر بھی بھیجنے سے ہم کو ترسانے لگا

کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگِ خلق　　اُس کے کوچے میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

میں نے کل پوچھا ضیا سے دل کو کیدھر کھو دیا　　اُس نے کوچے کو ترے بتلا کے ٹپ چپے رو دیا

دیکھیو اے دوستاں چپکا ضیا کیوں ہو گیا　　مر گیا بیتاب ہو یا روتے روتے سو گیا

ضیا ہی کون کیا جانوں ترے گھر میں جو آتا تھا　　کوئی حسرت سے پھر پھر دیکھ ادھر روتا جاتا تھا

برس لے ابر جتنا چاہے تو اب تیری باری ہے　　کبھی دل تھا تو میں بھی رو رو اک دریا بہاتا تھا

کیوں گریباں دمبدم کرتا ہے اپنا چاک تو　　ہاتھ سے ترے ضیا کس گل کا دامن چھٹ گیا

آہ کرتے دہک گئے ہیں ہم　　کیا شتابی بھڑک گئے ہیں ہم

آپ کو آپ میں نہیں پاتے
آہ کیدھر بہک گئے ہیں ہم

جوں حباب اس جا نہ پھولے ہیں نہ پھل لاتے ہیں ہم
جب مرادا اپنی کو پہنچے ہیں تو جلجاتے ہیں ہم

جیسے دو ہمدرد آپس میں کریں غمخوارگی
دل ہمارا دردِ اپنا دل کا غم کھاتے ہیں ہم

جان گر زلف دل نہ دھس اس میں
دام ہے دیکھ تو نہ پھس اس میں

ہے قلمرو میں حسن کے سب کچھ
اک نہیں ہے سوادرس اس میں

دلِ نو غنچہ جھڑ پڑا افسوس
رہ گئی کھلنے کی ہوس اس میں

ہوں میں بے صبر رونے دو مجکو
کچھ کہو مت اے ناصحو مجکو

مجھ سا بندہ نہیں خدائی میں
ہاتھ سے لے صنم نہ کھو مجکو

خطِ نوشتہ میں اس واسطے بھیجوں ہوں دلبر کو
کہ لکھتا شوق میں گر کچھ تو لکھنا ایک دفتر کو

پڑی برقِ تجلی ایسی ازلی لن ترانی پر
کہ موسیٰ ہووے بے خود اور ہو دیدار پتھر کو

آہستہ پانو رکھیو لے بوئے گل چمن پر
سوتے ہیں اس زمیں میں نازک دماغ کتنے

جوں گل لگائے منہ سے پھرتے تھے آگے اہا
ہوتے ہو دیکھ ہم کو اب بے دماغ کتنے

تربت ضیا کی دیکھی کل رات دور سے میں
آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے

ق

جا کر جو آج دن کو دیکھا ہیں کر تفحص
اک دل سے جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

ایں مضمون را از میر ضیا سلمہ اللہ شنیدہ سلام اللہ خاں تسلیم در فارسی ترجمہ نمودہ بنام خود شہرت داد ایں ندانست کہ در نظرِ صورت شناسانِ معانی اقتباء و فرزند پوشیدہ نمی ماند مثل ہندی مشہور ست

"ہاتھی پھرے گانو گانو جس کا ہاتھی اُس کا نانو"

مضمون فارسی اینست تسلیم

دوش رفتم بر مزارِ کشتۂ تسلیم خویش
می نمود از دور صد شمع و چراغِ حسرتے

چوں شدم نزدیک دیدم از قفس ہا بسے — یکدلے میسوخت باوے چند داغ حسرتے

ضیا

سب امید اپنی کر حصول گئے — اک ترے در سے ہم ملول گئے

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا — ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

نہ کچھ محروم ہوتے سچ ہیں قاتل کہ مرتے ہیں — جو مانگے سو اسے دیتے ہیں جس کو قتل کرتے ہیں

پلا دے آب خنجر ہم کو قاتل تشنہ جاتے ہیں — جو کوئی مرتا ہے اس کی حلق میں پانی چواتے ہیں

یہ ماتم کس دوانے کا ہے یارب آج صحرا میں — کہ بیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اڑاتے ہیں

برعکس ضعیف آہیں اس کے بتانے کی — شاید یہی ہے تاثیر اس دل کے چاہنے کی

جلدی ضیا خبر لے آتی ہے تجھ جگر سے — آواز ناتواں سی دل کے کراہنے کی

رو دیں ہم بزموں کو کیا اپنے دنوں کے پھیر ہیں — شمع محفل تھے جو کل سو راکھ کے اب ڈھیر ہیں

کل جو تو گلشن میں آکر پھر چمن سے مڑ گیا — چپکی لگ گئی بلبلوں کو رنگ گل کا اڑ گیا

ایک دو ٹکڑے ہوا صبح تو تو سیوے چاک تو — پرزے پرزے ہے یہ سینا کیا سیئے گا خاک تو

ٹک آہ بچ نکل نہ کہیں دل چھلک پڑے — یہ جام بھر رہا ہے (سینہ) مبادا چھلک پڑے

تیرے ضیا کا حال میں پوچھا تھا شمع سے — اک آہ اس نے کھینچی اور آنسو ڈھلک پڑے

کسی کا نام لے کوئی عشق اپنا یاد کرتا ہے — ڈروں ہوں بدگمانی سے کہ شاید تجھ پہ مرتا ہے

کسی دشمن کی بھی یارب گزرے شب جدائی کی — کہ جیسا اس سے میرے وصل کا یہ دن گزرتا ہے

ضیا کیا درد فرقت ہے ترے دل میں میاں سچ کہہ — کہ جو تو بات کرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا ہے

اپنا جو رکیا تعدی جو کچھ کہ دیجا ہے — بدلا ہے دل دہی کا اس کی یہی سزا ہے

برعکس حال اپنا میں کیا کہوں عزیزاں — (لہ) جوں جوں ادھر وفا ہے توں توں ادھر جفا ہے

ہم آ نہ وہ ضیا کے دل کی تباں خدا وے — تم اس کو گالیاں دو اور وہ تمہیں دعا دے

ور نہ تجھے پھر اسی کوچے میں لئے جاتا ہے — دن کو ہے قتل جہاں رات جہاں شبخوں ہے

اک تبسم میں کیا خلق کو ساری تسخیر
مسکرانا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے

اس گلی کا جو گرد ہوتا ہے
در بدر شہر گرد ہوتا ہے

کون سے زخم کا کھلا ٹانکا
آج پھر دل میں درد ہوتا ہے

رسوائیوں کی اپنی مجھے کچھ ہوس نہیں
ناصح یہ کیا کروں کہ مرا دل پہ بس نہیں

نہیں کھلنے کی امید ہی نہیں بو کی آس ہے
غنچہ ہوں دل کا مجھ میں فقط داغِ یاس ہے

تم تو ہمارے پاس سے جاؤ گے کل پہ ہائے
اپنی نظر میں آج جہاں سب اداس ہے

دل تیرے پاس ہی کہ نہیں خیر ہی ضیا
کچھ ان دنوں میاں تو بہت بدحواس ہے

گریباں و خاک اڑاتا جوں ابر جوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

کبھی جا گل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو
خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے ہیں ڈھونڈتی کس کو

ہم نہ مثمر نہ ہم نہال ہوئے
اگتے ہی ہم تو پائمال ہوئے

دل جگر اشکوں میں بہ گئے یوں ہی تنک کر رہ گیا
جوں جدا ہو قافلے سے کوئی تھک کر رہ گیا

دل کے جلنے پر نہ کی رقت کسی نے رحم سے
خود بخود جل بل یہ انگارا دہک کر رہ گیا

ہر طرف زخم زخم تھا ہر سوے داغ تھا
دل بھی ضیا ہمارا کبھی رشکِ باغ تھا

کعبے میں چھپ رہا ہی یا دیر میں نہاں ہی
خانہ خراب جلدی تو بول اٹھ کہاں ہی

آہوں سے سلگوں کب تک اے شعلہ تو بھڑک اٹھ
بجلی کی طرح مجھ پر یکبارگی کڑک اٹھ

تم تو غبار جاں کے دامن جھٹک اٹھے
پر میری حسرتوں کو زمیں پر پٹک اٹھے

کیا کہا قاصد ضیا سنتے ہی جس کے مر گیا
بات تھی کچھ یاس کی یا ہجر کا پیغام تھا

رباعیہ

کیا عیش و نشاط شادمانی کرتے
کیا ناز و نیاز جاودانی کرتے
گر یار کہے میں اپنے ہوتا تو ہم
کیا خوب طرح سے زندگانی کرتے

مولانا میر غلام حسین المتخلص بہ ضاحک ابن میر عزیز اسد والد این فقیر مؤلف

از سادات عالی شان سپہر مکان عالم و فاضل، ناثر و ناظم بغایت فہیم، ہزل دوست مزاح پسند بذلہ گو و نکتہ سنج، درویش مزاج، متوکل، از سی سال ترک روزگار نمودہ بکمال بے پروائی بسر می برند در فہمیدِ علم موسیقی گوش شنوا و در فکر آورد فکر رسا۔ باوجود قوت آں علم کہ در ہجو مولوی ساجد بکار بردہ اند چون طبائع سامعانِ را در خورِ سخنِ بلند نیافتند بقدرِ حوصلۂ آنہا بہ طرف ہزل توسنِ قلم راندند لیکن زبانِ عجیبۂ غریب اختیار کردہ اند کہ از آدم تا ایندم کسے نہ گفتہ چنانچہ یک مطلع ترقیم مینماید مشتِ نمونہ

یا ایّھا الملائکہ کرّو عھلانکہ کل توتچی پپّرا بیہ فرّو بکاسرہ

غزلِ ایشاں کم از چہل پنجاہ بیت نمی باشد و بر ہر غزل و ہزل پارۂ نثر نوشتن نیز شعار او شانست، چون گنجائش درین پارچۂ کاغذ نبود از ہزل گزشتہ بر غزل اکتفا نمود تا زور و قوتِ این علم ہم مفہوم گردد، حق تعالیٰ ایشاں را ہمیشہ بر سرِ ما خوش و خرم سلامت نگہدارد ولہ

در پیش اگر روزِ اجل آہ نہوتا قصہ تھا محبت کا یہ کوتاہ نہوتا
کیا دیجئے اصلاح خدائی کو تو لیکن کافی تھا ترا حسن اگر ماہ نہوتا
اس آن تھفیے آنسو جب آن کہ جی ڈ د یا تب جان سے ہم اٹھے جب دیدۂ تم بیٹھے

ولہ

رباعیات فارسی در مدح امام علیہ السّلام

کشافِ حقائق و نکاتِ توحید آں راکبِ دوشِ احمدی شاہ شہید
خود معنیِ آیات کلامِ الٰہی ست تفسیر حسینی است بہ قرآنِ مجید

افسوس دلا کہ غمگساراں رفتند سیمیں بدنان گلعذاراں رفتند
چوں بوے گل آمدند بر باد سوار در خاک چو قطرہ ہاے باراں رفتند

حرف الطاء

مرزا طالب طالب تخلص از متوطنان قصبہ برنبد ہست کہ متصل اورنگ آباد واقع ہست، جوان عالمگیری بود، ایں شعر بنام او دیدہ شد ؎

ہمنا کے خونِ چشم سے آلودہ کب کرے وہ پگ جسے گرانی ہو رنگ حنا سیتی

حرف الظاء

ظہور تخلص، جوان محمد شاہی از سلک متوسطین بود معلوم نیست کہ کجاست ؎

کچھ کٹی وصل میں کچھ ہجر میں گریاں گزری کیا مری عمر کی اوقات پریشاں گزری
چشمِ گریاں حسن سے معمور ہے چاندنی برسات کی مشہور ہے

حرف العین

اول از متقدمین عزیز اللہ دکھنی از اورنگ آباد ہست یک غزلے گفتہ است کہ نام ہمہ اولیا را در و درج نمودہ مقطع آں بیاد بود قلمی مینماید ؎

مجھ ناتواں میں کیا سکت جو بولوں ولیاں کی صفت عاجز عزیز اللہ پر دکھن کے سب پیراں مدد

خواجہ عطاء اللہ عطا تخلص، شخصے در عہدِ عالمگیر بود، اوباش وضع، متوافق طور خود شعر بلند میگفت، ہندی و فارسی ہر دو۔ نقل ست کہ بادشاہ دیں پناہ ایں را بنا بر گناہے گرفتہ حبس نمودہ بود، روزے حسب اتفاق بادشاہ عالی جاہ مصرعے موزوں کردا نکسے پیش مصرع او خوب ہم نمیرسید ایں سخن قال قال بگوشِ عطا رسید گفت

اگر مرا غلاص نمایند میگویم چنانچه پیش ملک باین وسیله بردند، بادشاہ فرمود کہ مصرع ما نیست

ع بسترم خاک، و خشت بالین است

عطا گفت قربانت شوم

ع یکے از سرگزشت من اینست "

باوجود این فکرِ عمدہ طرز خود را چنین مقرر کردہ بود خدایش بیامرزد از وست ۵

اے در ہنر وحسن تو کٹی سچپاڑ چشم — زیر مژہ نہفتہ چو آہو پچھاڑ چشم

بر فلک شب نمی طپد انجم — دلِ رستم ز سہم می دھڑکد

دست و پا میزند عدو در رن — ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

حرف العین

عاصم ... صفحہ ...

احوال متوسطین، محمد عارف المتخلص بہ عارف اکبر آبادی است متصل دہلی دروازہ شاہ جہان آباد دکان دارد، رفوگر ست، حالا سنِ او قریب ہفتاد رسیدہ باشد از ایہام بندان ست اکثر شعرائے ہم مشرب او او را بہ استادی ستودہ انداز بسکہ بسیار کم میگوید خوب میگوید سلامت باشد ۵

دخترِ رز سے کہہ کہ اُس سے ملے — ورنہ عارف افیم کھاوے گا

ہزار دل معنیِ باریک آویں دل ہیں اے عارف — اگر زلفِ سیہ کا پیچ اس کے مُنہ پہ کھل جاوے

جنوں کی قطع اب پوشاک سیجیئے — بہار آئی گریباں چاک کیجیئے

عاجز تخلص، در عہد فردوس آرامگاہ از شاگردانِ میاں کمترین بود از وست

دل بغل مارے لئے جاتے ہیں سب مکتب کے طفل

شیخ سعدی تم بھی اپنی لے گلستاں دوڑ لو

سید عبدالواسع **غزلت** تخلص، متوطن سورت، ولد سید سعد اللہ قدس سرہٗ، درویش وضع، عالم و فاضل، متوکل، فارسی ہم میگفت، لیکن مائل ریختہ بسیار بود، در وقت محمد شاہ تازہ واردِ ہندوستان بود بہرہ از دردمندی داشت ہ

نخلِ امید بے وفاؤں سے — جی سلامت رہے تو پھل پایا

چینِ ابروئے بتاں سے مراجی الجھا ہے — دل کھلے گر کبھو دونوں میں گرہ پڑ جاوے

دل میں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامۂ شیخ — یارب اس بزم سے یہ زہر کا مکڑ جاوے

نہ پوچھو ہو گئے کیفی چشم یہ سرمہ نے گھیری ہے — گریباں گیر ظالم کے سجن فریاد میری ہے

بجز رفاقتِ تنہائی آسرا نہ رہا — سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

رائے سکھ رام **عاقل** تخلص، متوطن پنجاب، طبع موزوں داشت گاہ گاہے فکر میکرد ہ

نہ بس اپنے سے کیا اس کو میں رخصت عاقل — جب مرا بس نہ چلا میں نے خدا کو سونپا

عزیز شاعرِ زبان دان، منشی خوش بیان غنچۂ باغ تمیز رائے بھکھاری داس التخلص بہ عزیز سیلِ طبعش رواں و توسنِ خامہ اش دواں، مردیست سیہ فام و جسیم مشاق قدیم از شاگردان خواجہ میر درد، مولدش شاہجہان آباد از مدتے در الہ آباد بسر میبرد سلامت باشد ہ

ساتھ لے نکلے ہے جی آہِ جگر آخرِ شب — شمع ہو بزم سے سرگرمِ سفر آخرِ شب

دل پہ غفلت نے کیا پیری میں اس طرح ہجوم — نیند جس طرح کرے آنکھوں میں گھر آخرِ شب

ملیں کیونکر بھلا اس شوخ طفلِ لاابالی سے — کہ سوتے سوتے جو چونکے ہے تصویرِ نہالی سے

دلِ بے معرفت سے خار پہلو بیچ بہتر تھا — بغل میں کاش ہوتا سنگ اس مینائے خالی سے

رباعی

دن تو گزرے ہے اشکباری کرتے — اور رات تمام آہ و زاری کرتے

گر روزِ فراق ہم کو ہوتا معلوم — واللہ کہ ہم نہ تجھ سے یاری کرتے

شعر

غرض موت بھلی پھر تو ایسے جینے سے — کرے نہ یار اگر دل کو صاف کینے سے

عسکر علی خاں شخصے بود عمدہ روزگار، لطرفِ بنگالہ، طبع موزوں داشت ؎

آبرو کیونکہ رہیگی مری ہم چشموں میں — روتے روتے نہ رہا نام کو نم چشموں میں

غازی الدین خاں، عاجز تخلص شخصے بود در عہد فردوس آرامگاہ، اکثر در بحر کبت و دہرہ ریختہ می گفت چند اشعار او دیدہ شد چوں ذریں بحر خوشنما نبود بنگارش نیاورد۔

ازاحوال متاخرین | نواب معلی القاب غازی الدین خاں عماد الملک، کتاب جامع طبعش صحیح و بیان معنیش ملیح، دستگاہِ فضلش وافی و شراب نظمش شافی، والی صدر عالی قدر بر جمیع علوم قادر، و در فنونِ سخن ماہر، از وزرائے ہندوستان در عہد خود بودہ الحال سرو کار بایں عمدہ ندارد ہفت قلم و ہفت زبان است، اشعارش بایں سبب اشتہار نیافتہ کہ شعرہائے خود را سر بمہر گذاشتہ و بکسے ارزانی نفرمودہ، نظر بران است کہ در شعر پست و بلندی باشد منتخب نمودہ اشتہار باید داد سوائے ایں چند بیت بگوشش نخوردہ از وست ؎

جب تک آسے میں تھا نہیں جگر آب ہوگیا — دل گرمی نگاہ سے بیتاب ہوگیا

مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا — زلف کا کھولنا بہانا تھا

بس اب اس سے مت زیادہ ہمیں داد خواہ کیجو
تجھے اپنی ہی قسم ہے ٹک ادھر نگاہ کیجو

ٹک ادھر دیکھ سجن ہم بھی توجہ رکھتے ہیں
گو کہ ظاہر میں ہم اب دست تہی رکھتے ہیں

صاحب طبع سلیم و ذہن مستقیم محمد عظیم المتخلص بہ عظیم، مرد لیست شاعر، دردش ظاہر
حسن بیانش از کلامش پیدا، بر سادہ عذاران شیدا، از شاگردانِ مرزا رفیع سودا
سلمہ اللہ، مدتے در فرخ آباد بلباس درویشی بسر بردہ، الحال شنیدہ ام کہ در
شاہجہان آباد است بطوریکہ پیش از درویشی داشت، غرضکہ بہر رنگے کہ باشد خوش باشد

اس قدر پتھر نے کب پایا تھا یارو رنگ سرخ — کوہکن کے خون کی دولت ہوا ہی سنگ سرخ
ہم ہماری خاک پہ کیا یار کر چلے — خوابِ عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے
کیا سحر تھا بتاؤں کہ گلشن میں آن کر — بلبل کو گل کی شکل سے بیزار کر چلے
خواہی پیالہ خواہ سبو کر ہیں کلال — ہم اپنی خاک پہ تجھے مختار کر چلے

خان مہربان علی اعظم خان عاشق تخلص از مریدان مرزا گھسیٹا عشق تخلص
برادر بزرگ میاں محترم خان است کہ مبتلا تخلص دارد، در اوائل فکر سخن کم میکرد
از چندے ترک دنیا نمودہ مشغول در یاد الٰہی است، سلامت باشد

شمع کی طرح کون رو جانے — جس کے دل کو لگی ہو سو جانے
روز و شب یار سے ملا کیجے — چین اس پہ نہ ہو تو کیا کیجے
فتنے جور و ستم ہوں تو کر دیکھ — یہ نہ ہوگا کہ کچھ گلا کیجے

مرزا عسکری تخلصے است در مرشد آباد از یاران شاہ قدرت اللہ قدرت، یک
مطلع از دیگوش خوردہ است

بات اب امتحان پر آئی — قصہ کوتاہ جان پر آئی
اے اشک تو اس کوچے میں اب مجھکو ڈبا دے — چاہتی ہے صبا یہ کہ مری خاک اڑا دے

[illegible]
[illegible]
[illegible]

درویشِ ہمثال عرف مرزا گھسیٹا المتخلص بہ عشق، مرد صوفی است کہ خیل مریداں ومعتقدان حلقۂ غلامی دارند، درسلسلۂ نقشبندیہ نقش زدہ، اصلش از شاہجہاں آباد است پیشتر نوکری پیشہ بود الحال از مدتے ترک روزگار نمودہ بہ عظیم آباد مقیم است، مرزا فدوی از شاگران ومعتقدانِ اوست شعر عارفانہ در کلامش بسیار است گاہے در ذوق وشوق یا بعالمِ وجد، وسہ شعر میفرمایند دام افضالہ

آہ جانسوز کو بسم اللہ دیوان کیا	عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا
کہنے کو ادھر اُدھر گئے ہم	سے تجھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جان نہ و عدۂ دل ِ حکمی	تو نے کہا مر تو مر گئے ہم
تھا کعبہ و دیر سے کے کام	مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم
جز عشق نہ سمجھے کفر و دیں کو	طرفین سے بے خبر گئے ہم
تصرف چشم کا گر میں دکھاؤں	تو اک پل میں ابھی طوفاں اُٹھاؤں
یہ ہر دم بلبلا سا پھوٹتا ہی	کہاں تک شیشۂ دل کو بناؤں
خانماں کر چکا ہوں میں برباد	اس پہ وہ میرے گھر نہیں آتا
خاک جو شہر میں لگی اڑنے	عشق کیا چشم تر نہیں آتا
نے دود دل ہی باقی نے آہ و نہ فغاں ہی	اے سوزِ عشق سچ کہہ تو اِن دونوں کہاں ہی
رونقِ بوستان کیا کیجے	تو نہ ہو تو یہ جان کیا کیجے
ڈر سے اُس کے زباں پہ حرف نہیں	ورنہ سہے بدگمان کیا کیجے
بے نشانی ہے یار کو منظور	عشق نام و نشان کیا کیجے
حرم میں نام سُنا دیر میں نشاں دیکھا	سوائے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا
اُسی کا آئینہ ہژدہ ہزار عالم ہے	دوانے کیا کہوں تجھ سی کہاں کہاں دیکھا
نہ عزم وادیِ ایمن نہ طور کا ہی قصد	جو کچھ کہ دیکھنا تھا دل میں سب عیاں دیکھا

دل سا جگر جو رکھے سو اُس سے دُو بدُو ہو
مُنہ دیکھو آئینہ کا جو اُس کے روبرو ہو

کیا کیا جفائیں ظالم میں نے تری سہی ہیں
تپہر شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

(ن) کہ بعد قتل مجھکو کس طرح چین آوے
جو حسرتیں تھیں دل کی سو جوں کی توں ہی ہیں

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سیئے ہے
یہ عاشقِ جانباختہ کس دن کے لیے ہے

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام
دوسری پھر اُسے نہ آئی شام

کعبے میں بہت خاک اُڑائی ہم نے
بتخانے میں صورت بھی نہ پائی ہم نے

آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور
دیکھا تو یونہیں عمر گنوائی ہم نے

دل لے کے پوچھتے ہو کہ دلدار کون ہے
ہم کس طرح کہیں کہ طرحدار کون ہے

پہلے پی زاہد کسی عاشق کے دل سے ملکے مُل
فی الحقیقت تب نظر آویں بہشتِ گل کے گل

حرف الغین

از احوال متقدمین الغوثی تخلص محمد غوث خلف مولانا قطب الدین گجراتی قاضی حیدرآباد صاحب حال وقال بود گاہ گاہی بمقتضائے موزونی طبع دو سہ ریختہ میفرمود آخر بزیارت حرمین رفت ہمانجا جان بجان آفرین سپرد غفر اللہ لہ ؎

پلکان کے یا خنجر سیتی بسمل نکو کرو
تیغ بھواں سیں کن کہا گھایل نکو کرو

غواصی تخلص در وقت جہانگیر پادشاہ بود، طوطی نامہ نخشبی را نظم نمودہ است، بزبان قدیم نصفے فارسی و نصفے ہندی، بطور ریکٹ کہانی۔ سرسری دیدہ بودم شعر آں نظم بیاد نیست۔

غریب تخلص، در سلک متوسطین بود معاصر میاں آبرو طبع معقولے داشت از وہمیں یک غزل مشہور است ؎

دیکھ دستار بسنتی ساقی سرشار کی
کھل گئی ہیں آج انکھیاں نرگس بیمار کی

بات رہ جاوے گی قاصد وقت رہنے کا نہیں
دل تڑپتا ہے شتابی لا خبر دلدار کی

اے دل اس نامہرباں کی مہربانی پر نہ بھول　　جی کا دشمن ہے جو وہ کرتا ہے باتیں پیار کی
حال کہنے کا کبھی جو وقت پاتا ہے غریب　　بھول سب جاتا ہے باتیں دیکھ صورت یار کی

میر تقی غریب تخلص دیگر در سلک متوسطین بود احوالش معلوم نیست از دست

الٰہی مت کسی کے پیش دردِ انتظار آوے　　ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

محمد امان خان غریب تخلص در سلکِ متاخرین در شاہجہاں آباد در وقت احمد شاہ بود بطرف بنگالہ رفت از دست

میری بغل میں جو دل پر داغ ہے غریب　　حسرت چمن کی کھانے کو یہ باغ ہے غریب

غلامی تخلص در شاہجہاں آباد بود از قوم ارزل بہ پیشۂ خبرداری نوکری داشت لیکن در فن شعر بکمال بے خبری بسر برد مگر طبع موزونے داشت از دست

سرخ لاتی ہیں نشے بیچ جو ڈورے انکھیاں　　دلِ زخمی پہ لگاتی ہیں ٹکورے انکھیاں

حرف الفاء

ازاحوالِ متقدمین فخری تخلص از مردم دکھن بود شاگرد ولی

جب دیکھوں ہیں تجھے تو چمکا چوندلگ رہے　　ہرگز کہیں دکھا ہے نظر بھر کر آفتاب

فراقی تخلص از مردم دکھن بود ہمراہ فقیر اللہ آزاد بہ ہند آمدہ بود از دست

فراقی کشتہ ہوں اس آن کا جس دم کہ وہ ظالم　　کمر سے کھینچ کر خنجر چڑھاتا آستیں آوے

افضل الدین خاں فضلی تخلص در زمان خود از خوشگویان بودہ یک مثنوی در تعریف شاہزادہ قریب پانصد بیت باآب و تاب گفتہ خدا یش بیامرزد این از آن مثنوی بیست

عرق منہ پہ جوں آرسی میں حباب　　تبسم لباں پر چو موج شراب
زنخ جوں مُربا دے سیو کا　　پہ واں ہاتھ کب پڑ سکے دیو کا

ازاحوالِ متوسطین مرزا مرتضیٰ قلی فراق تخلص از ملازمانِ توپخانۂ پادشاہی بود اکثر

شعر بفرس میگفت گاه گاہی ریختہ ہم بہ ندرت موزوں میکرد ولہ

تماشا اس چمن کا کس کے دل کو شاد کرتا ہی | کہ یاں اک لب تبسم غنچہ کو برباد کرتا ہی
اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں | کوئی اُن ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہی

میر شمس الدین، فقیر تخلص احوال ایں بزرگوار در تذکرۂ فارسی مسطورات، شاعر زبردست بود و دوسہ ریختہ ہم ازاں بزرگ مشہور است دریں ولا بطرف کربلائے معلی تشریف بردہ بود ہمانجا بجوار رحمت ایزدی پیوست رحمۃ اللہ

ترا منہ دیکھ بلبل گل سیتی بیزار ہو جاوے | اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے
زندگی موج آب ہے گویا | دم کا آنا حباب ہے گویا
خال تیری بیاض گردن پر | نقطۂ انتخاب ہے گویا

محمد محسن، فدوی تخلص از شرفائے شاہجہاں آباد است در علم موسیقی و ستار نوازی شہرتے دارد، گاہ گاہی فکر ریختہ ہم میکند، جوان محمد شاہی است تا حال زندہ است حقتعالی سلامتش دارد از وست

ایک ملنا غیر کا تو چھوڑ سکتا نہیں سجن | دیکھ تو عاشق نے تیری واسطے کیا کیا تجا
طلب میں یار کی رہنا ارادت اس کو کہتے ہیں | پھر اس میں گو اذیت ہو سعادت اس کو کہتے ہیں

میر امام الدین، فدا تخلص از سلک متوسطین بود الحال معلوم نیست کہ کجاست سلامت باشد از وست

یہ چاہتی ہیں کہ لیں دل مرا تری باتیں | مری نظر میں ہیں سب دلربا تری باتیں
تو بات بات میں ہوتا ہی مجھسے آزردہ | یہی تو کچھ نہیں اے بیوفا تری باتیں

از ہنگامہ آرایان زماں و ظرفائے دوران خوش طبع و شیریں بیان اشرف علی خان المتخلص بہ فغاں کوکۂ احمد شاہ بادشاہ غفران پناہ، خان ظریف طبع و خوش اختلاط بود با ہرکس خوش طبعی داشت شاعر مربوط بطور خود لطائف و ظرائف او مشہور است، از مدتے بطرف عظیم آباد

پیش راجہ شتاب رائے بسر می برد از چندے جان بجان آفریں سپرد، دیوان فارسی هم ترتیب داده است خدایش بیامرزد ازوست

صنم بنا تو خدائی میں تجھکو کیا ہوا
ہزار شکر کہ تو بت ہوا خدا نہ ہوا

زخم دل تو سیا نہیں جاتا
پر سیئے بھی جیا نہیں جاتا

اے فغاں دیکھنا سمجھ لینا
دے کے دل پھر لیا نہیں جاتا

ایسی نگاہ کی کہ مزاج نکل گیا
جھگڑا مٹا عذاب سے چھوٹے خلل گیا

جب گلشن بہار کو رنگ خزاں نہ تھا
مشفق ہماری حال پہ تو مہرباں نہ تھا

دلبستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے
گویا کبھی چمن میں مرا آشیانہ نہ تھا

یہ امتحاں نہ کر اے مری مہربان عزیز
جہان میں کوئی تجھ سے رکھیگا جان عزیز

ملے ہے غیر سے ہرگز اُسے حجاب نہیں
کہوں تو کہہ نہیں سکتا رہوں تو تاب نہیں

خراب دیکھ کے گا مری خرابی کو
ہزار حیف کہ وہ خانماں خراب نہیں

عاجز ہوں تری ہاتھ سے کیا کام کروں میں
کر چاک گریباں تجھے بد نام کروں میں

اس قدر طاقت نہیں جو بال و پر بھی وا کروں
کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں

تقویت ہی داغ سے میرے دل بیمار کو
اے فلاطوں کہہ تو کیا کہتے ہیں اس آزار کو

چھوڑ کر مجھکو کہاں جاتا ہے اے خانہ خراب
سونپتا ہے کیا مرے سر سے در و دیوار کو

ہم نے شب فراق میں سنتا ہے اے فغاں
کیا خاک ہو کے حسرتیں دل کی نکالیاں

ق

یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے روز وصل
آنکھیں جو کھل گئیں وہی راتیں تھیں کالیاں

نکالا خط ہمیں پیغام کیا ہو
اب اس آغاز کا انجام کیا ہو

نہ الفت نہ محبت نہ مروت
تری خاطر کوئی بدنام کیا ہو

ہوا جو وصل تو دھڑکا رہا یہ
الٰہی صبح کیا ہو شام کیا ہو

مت کوئی روشن کرو مجنوں کی تربت پر چراغ
روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ

صنم کہنے سے کب خوش ہے وہ کافر
خدائی کا تصور بندھ رہا ہے

فغاں کو وصل میں آرام کیا ہو
جدائی کا تصور بندھ رہا ہے

نہ اے قاصد میں رو رو یار کی فریاد کرتا ہوں
ترے دیکھے سے میں اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں

گر کوئی مارا پڑے تیری بلا سے کیا تجھے
بلکہ خوش آتا ہے اے ظالم یہی چرچا تجھے

یہ دل ترے وصال کا مذکور کیا کرے
مقدور جب نہووے تو مجبور کیا کرے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیے
مرے تو مر نہیں سکتا جیے تو خاک جیے

کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گزر گئی
اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی

مجھ سے جو پوچھتے ہو بہر حال شکر ہے
یوں بھی گزر گئی مری وو بھی گزر گئی

(ہ) شکوا تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

این شعر را مرزا رفیع سودا اسلمہ اللہ در قطعۂ تضمین نمودہ است

ق

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں
انصاف کو نہ چھوڑ مروت اگر گئی

آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا
وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت کدھر گئی

اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے
عجب حالت ہے میری اے مرے اللہ کیا کیجے

مجھ دل ناشاد کو ہر وقت غم سے کام ہے
کیا خوشی یارو زمانے میں کسی کا نام ہے

کٹ گئی ساری عمر غفلت میں
کچھ تری بندگی ادا نہ ہوئی

عکس میرا شب ہجراں میں تماشائی ہے
ایک میں آپ ہوں اور گوشۂ تنہائی ہے

میں تو وہ ہوں کہ مرے لاکھ خریدار ہیں اب
لیکن اس دل سے میں ڈرتا ہوں کہ سودائی ہے

دل زلف میں الجھے مجھے آرام یہی ہے
میں صید بلا کش ہوں مرا کام یہی ہے

صیاد اور صید کے منکر ہوس ابھی
معمور مشت پر سے ہے کنج قفس ابھی

نالاں نہ ہو تو یار کے شکوے سے باز آ سُن پائیگا فغان کوئی فریاد رس ابھی

کٹیں تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی ٹرپاں لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں

اشکوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا کچھ بس نہ چل سکا تو مری جان رو دیا

اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گزر گئی دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

ہجو یکے اکول خوب کردہ است کہ مطلعش این ست ؎

ایک شخص آشنا ہمارے ہیں نہ ہمارے نہ وہ تمھارے ہیں

دل سے وہ آشنا ہیں کھانے کے متلاشی ہیں آب و دانے کے

میر فرخ علی فرخ تخلص از سادات اٹاوہ است طبع رسائے دارد، ریختہ و فارسی ہر دو

می گوید ؎

اِس قدر کیوں مجسے ہولے مہوشاں نا آشنا میں بھی تو آخر کسی دن تھا تمھارا آشنا

گو ہوا شیریں تجھے خسرو کی دولت جاہ و مال پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہکن سا آشنا

چشم سے نور گیا، تن سے تواں، جی سے صبر عشق میں تیرے۔ ہوا مجسے جدا کیا کیا کچھ

از موزونان جہاں فضائل علی خاں بے قید تخلص، جوان محمد شاہی بود، خوش خوراک و خوش پوشاک، بکمالِ خوبی بسر می برد، در شعبدہ بازی و صحبت داری کامل بود طبع نیز درد مند داشت، مثنویِ او بسیار مشہور ست۔ با یکے از بتانِ ہند تعشق پیدا کردہ بود از گردشِ روزگار ہمراہِ نواب عمدۃ الملک بہ الہ آباد رفت از فراق محبوب چوں ماہیِ بے آب و آہوان بے صحرا می طپید و وحشت می نمود، روزے از برائے دلبری او نواب موصوف جمعے از اہلِ نشاط جمع نمود و بہ آں طوائف اشارہ کرد کہ ایں را از نازِ دلربایانہ بدام آرید شاید کہ دلِ ایں عزیز وا شود و اندوہ و غم فراموش کند، غرض ازاں جمعے یک نازنیں آمد و لیتا را ہزار فریب و عشوہ رام کرد دراں مقدمہ حسب حال خود مثنوی گفتہ و بسے دُرہائے معانی در سُفتہ لیکن تماشا دراں جاست کہ چوں ایشاں کام دل حاصل نمودہ بر بسترِ ناز نوئے آں

پریرو سر گذاشتند بخواب رفتند در خواب محبوبہ اوّلیں خود را دیدند کہ چنیں می گوید ؎

از مثنوی

عجب خواب دیکھا میں اس خواب میں | ہوا جس سے میں پیچ اور تاب میں
ہوا تھا جنھوں سے میں اوّل جدا | سو کیا دیکھتا ہوں وہی دلربا
کہ جو چاہتی تھی مجھے دل سیتی | جدا بھی ہوا تھا میں مشکل سیتی
سو کہتی ہے یوں میرا دامن پکڑ | کہ چھوٹے ترے غم سے میرا جگر
شب و روز رونا مرا کام ہے | ترے نام لینے سے آرام ہے
پھرے میرے یوسف تو کس کی گلی | تری چاہ میں میں ہوئی باؤلی
یہاں تو جو چاہے تو کر میرے ساتھ | قیامت کو دامن ترا میرے ہاتھ

چوں از خواب بیدار شد کسے گفت کہ کسے در تلاش صاحب ست پس بیروں آمد قاصدے دید کہ نامہ در دست داشت چوں نامہ را دید معلوم کرد کہ از آں محبوبہ است، بیانِ آں نامہ چنیں نظم نمودہ ؎

جو دیکھا لفافے پہ لکھا ہے یہ | کہ کھولو شتابی برہ کی گرہ
لکھا بعد یا جامع الفارقین | سلامت رہو قاتل الشاہدین
تمھاری خوشی سے یہاں خیر ہے | سدا ہجر کے باغ کی سیر ہے
بہت پھول لالا دکھائے مجھے | ترے داغ سے کچھ نہ بھائے مجھے
سدا غم کی جو پڑ بچھا کر خفیف | برہ کو میں کرتی ہوں اپنا حریف
سو کچھے ہی پڑتے ہیں ہر سال میں | گئے جگ کئی بیت اس حال میں
نہ پوچھی جو تم اب تلک میری سار | تو جلتی ہوں میں اپنی قسمت سوں ہار
کہو کون ہے وہ جواہر مثال | بسے کس کے ہیرے میں انی میرے لال
جو تم آکے دیکھو برہ کی تماش | کہ سر جنگ کیا کیا دئیے کر تلاش

جو دیکھا تھا تم رنگِ سرخ و سفید — مرے تا ج سراب نہ رکھیو امید
دو بھو ہیں کہ کشمشیرِ حسن کے غلام — ہرہ کو نہڑ کر کریں ہیں سلام
مرے من ہرن بوجھ کر جی کی بات — کرو شاخِ آہو او پر مست برات
جو ہار ا ہو پسیر غم اُسے دیجئے — جو ماندہ ہو ہر رسم اُسے کیجئے
کروں کیا نکلتی نہیں جان ہی — کہ یہ میری غلطی کا تاوان ہے
زیادہ نہیں اِس سے کچھ مدّعا — یہی مدّعا تھا لکھا والدعا

قریب یا نصد بیت گفتہ است لیکن در اول خوب ست کہ غمزہ و ادا ہائے زنان و بیانِ حُسن آنہا کردہ و چوں آخر احوال دیوانگی خود آوردہ در حالتِ دیوانگی پریشان گفتہ در اشعا رے او نہ شعرے نہ بیتے شہرت گرفتہ سوائے ہمیں شعر ے

ہوا تھا زلف سے سودا پر آنکھوں نے بہا دا ملا — گرہ میں ایک دل رکھتے تھے آج اسکو بھی رو بیٹھے

غرض شخصے خوب بود خدا ایش بیامرزد۔

قدوی لاہوری مردے بود برخود غلط، برائے مباحثہ و مجادلہ بہ فرخ آباد پیش مرزا رفیع سلمہ اللہ آمدہ ہنگامہ برپا نمود بعد از ذلتِ بسیار بہ وطن خود برگشت، یوسف و زلیخا بزبان ریختہ گفتہ بود و ہمہ عالم می نمود، ہر کسے کہ از و لطف بر می داشت از و محظوظ می شد حالا معلوم نیست کہ زندہ است یا مُرد از وست ے

مژہ کی نوک سینے میں نگاہِ یار نے ڈا دی — کہ جیسے بھال تو دے ہیں سری کاپ ار لی ڈوبی
نہ پوچھو رنگ مہندی کا کفِ قاتل پہ اے یارو — کسی کے خوں میں اس کے ہاتھ کو تلوار لی ڈوبی

میر فتح علی شیدا ہجو او را خوب کردہ است قصۂ بقال و بوم حسبِ حالِ او درج نمودہ است

از احوالِ متاخرین

محمد فرحت اللہ المتخلص بہ فرحت قاضی زادہ مرشد آباد نبیرۂ شاہ مدار است، رطب و یابس بسیار دارد، ازاں جملہ ایں چند بیت ترقیم می نماید

نہ ایک عرش پہ تنہا ظہور ہے تیرا — نگاہ کیجئے جیدھر کو نور ہے تیرا۔

قدم شمردہ رکھوں کیوں نہ خارِ دشت اوپر — مری نگاہ کو پاسِ حضور ہے تیرا

زندگی میں تو رہے صدمے دلِ غمناک پہ — بعد میرے دیکھئے کیا ہو قیامت خاک پر

چمن میں باتیں اس غنچہ دہن کی جب گھڑی چلیاں — خجالت سے جھکا (مرگردن) کر منہ کو اپنے رہ گئیں کلیاں

جفائے دلبری کا کیوں گلہ کرتا ہی عاشق ہو — نہیں لگتی پہ فرحت مجکو یہ باتیں تری بھلیاں

ہر گھڑی جی میں مرے جلوۂ قدّوسی ہے — طورِ سینا ہی مرا اور یہ جی موسی ہے

آہ یہ کون سی ہی راہ کہ در پیشِ نظر — ہر قدم منزلِ مقصود سے مایوسی ہے

اور کو کیوں سکے میں چاہوں کہ سوا تیری خیال — روز و شب دل میں مرے در پئے جاسوسی ہے

اس چشم سے کب ابرِ تنک مایہ بر آوے — دریا کے تئیں موج سے جس کی حذر آوے

دل چھوڑ کے تجکو تو کہاں آئے مرے پاس — پر اس کے کچھ احوال کی مجھ تک خبر آوے

رباعی فخریہ بر حسب و نسب خود گفتہ

اِک عمر ہوئی ہی کہ نہیں یہ سوتا — مدت سے بہت غم میں سے ہی روتا

ظالم تو دعائے بد سے اس کی ڈرنا — ہی شاہِ مدار کا یہ فرحت پوتا

مرزا بچو المتخلص بہ فدوی جوانے ست از مستعدانِ زمانہ در مثل و محاورۂ ہندی یگانہ، سخنش ز اذاقِ عالی و طبع روانش را نظم متوالی مقبولِ انام، خوش طبع و شیریں کلام اصلش از شاہ جہاں آباد، از شاگردان شاہ عشق دام افضالہٗ دیوان اوائل را بہ آب شستہ بعید ازاں خوب تر گفتہ، بہرہ از علم موسیقی و ستار نوازی قدرے حاصل نیز کردہ در مدت دعا مزاج در یکجا قرار نمی کند، گاہے در عظیم آباد و گاہے بمرشد آباد، گاہے بہ فیض آباد می ماند۔ الحال شنیدہ ام کہ در بنگالہ پیش جگت سیٹھ بسر می برد، با فقیر حاضر و غائب دوستی دارد

گو تجکو نہ اعتبار ہووے — کافر ہو جسے قرار ہووے

بیگانگی ہمیں نہیں تجھ سے تری طرح — ہم سب طرح ترے ہیں سمجھ تو کسی طرح

جوں شمع گو کہ سر سے بلا رات ٹل گئی — دیوانے فکر آج کی کر کل کی کل گئی
دل سے یہ دور ہے آج کی شب ہو گی صبح — شب فرقت ہی خدا جانیے کب ہو گی صبح
دم غنیمت ہے شب وصل کوئی دم ہیں لیے — وقت رخصت کے تو فدوی یہ غضب ہو گی صبح

ساقی منا کے اب کے بھی تو نے بہار کو — محروم ہیں رکھا دل اُمیدوار کو
حکمت ہی عین طبع کدر کو حباب مے — پانی بہتا ہی (رہی) دیوے ہے آخر غبار کو
پڑجا دیں مثل شیشہ مے آبلے ابھی — رو کر اگر نہ دل سے نکالوں بخار کو
فدوی مراہی کام ہو روز آٹھکے جس طرح — رکھتا ہوں تھام تھام دلِ بے قرار کو

کس دل جلے کی تیرے تئیں بد دعا لگی — اے شمع اب تو آہ تری سر پر آ لگی
بندے کی بندگی کا کسی کو یقین نہیں — پیارے خدا کے واسطے بول اُٹھ خدا لگی
فدوی تو کل جو یار کے پھرتا تھا آس پاس — اس نے کہیں کہا تھا کہاں کی بلا لگی
محفل میں شمع سنکے یہ بولی پتنگ سے — خانہ خراب تجکو بھی یاں کی ہوا لگی

ہماری کب آبرو کے اوپر اس ابر کے تئیں فلک نظر ہے — رکھی ان آنکھوں نے شرم یارب جگر جگر ہی دگر دگر ہے
ملے وہ غیروں سے مہر وش جا ہمیں کب آتا ہے رشک اس کا — یہ ڈھلتی پھرتی ہو چھاتو فدوی کبھی ادھر ہے کبھی ادھر ہے

کچھ (رہ) تو دل میں ترے نفاق پڑا — جواب آنا ادھر کا شاق پڑا
خم مے کی طرح ترا دل ہیں — جوش کھاتا ہے اشتیاق پڑا
یار ایسا نیا وے گا فدوی — دیکھ لینا گر اتفاق پڑا

دل میں کس بات سے ملال گیا — یار تیرا کدھر خیال (رہا) گیا
ایک دن بھی نہ اس کو دیکھا حیف — یوں ہیں اب کا تمام سال گیا

تجسے ہوتے ہیں دردمند جدا — گو کرے کوئی (نہی) بند بند جدا
سانورے گورے سب تماشا ہیں — اپنی اپنی ہے سب پسند جدا

گلا آپس میں آگے بھی کبھو تھا — تکلف برطرف ایسا ہی تو تھا
برنگ آئینہ جو عیب جو تھا — وہ پانی پانی اس کے روبرو تھا

ٹک اثر ہو زباں میں پیدا
پھر سبھی کچھ ہے آن میں پیدا

زندگی کا نہ کچھ مزا پایا
کیوں ہوئے تھے جہان میں پیدا

رفتہ رفتہ اپنے جوہر یہ دکھلانے لگا
آستیں کا سانپ نکلا یہ تو جی کھانے لگا

کیا تسلی کر گیا تھا یار اُس دل کی مرے
یہ تو کچھ جاتے ہی اُس کے اور گھبرانے لگا

دل پڑا ہے یہ شمع ساں اپنا
سر جلا دیں کہاں کہاں اپنا

ساتھ پھرتے ہیں بہت مائل لگے
دیکھتا کیا ہے انھیں قاتل سے لگے

مجھ سوختہ دل کو تو نہ کہہ پیکرِ طاؤس
جلتے ہیں مرے داغوں کے آگے پرِ طاؤس

رباعیات

دل ہے اپنا نہ جسم و جاں ہے اپنا
اپنا کسے سمجھئے کہاں ہے اپنا
اپنی تو نظر میں فدوی اللہ سوا
یاں ہے اپنا نہ کوئی واں ہے اپنا

دیگر

یارو ملے اب کوئی کسی سے کس طور
منصف ہو ذرا دل میں کرو اپنے غور
جوں آئینہ کب تلک یہ خاطر داری
منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ اور

دیگر

کیا ملئے یہ آشنا گھڑی کے ہونگے
آخر دشمن پھر اپنے جی کے ہونگے
ان سنگدلوں سے کیا توقع فدوی
یہ کس کے ہوئے ہیں جو کسی کے ہونگے

دیگر

گلشن میں کہاں یار جسے دیکھیں گے
بن اس کے تو ہرگز نہ اسے دیکھیں گے
قاصد نے تو ملنے کی توقع کھو دی
کیوں پھوڑ کے ہے آنکھ ہم کسے دیکھیں گے

دیگر

ہر چند ہلال تیرے ابرو سا نہیں
پر دل سے سپہر کے یہ باتیں نہ گئیں

کج بحثی کرے ہی اپنی اس رفعت پر ناخون نہ دے خدا رڈا سے کے تئیں

دیگر

غیروں سے وہ آہ گرمجوشی ظالم اور ہم سے ملے تو یہ خموشی ظالم
سودے ہیں ترے تو ہم کہیں کے نہ رہے پھر کس کے لئے یہ خود فروشی ظالم

دیگر

کیوں ان سے کہیں کہ چشم و دل سمجھینگے یا آپ ہی ہو کے منفعل سمجھینگے
دل آنکھوں کو دوس دے ہی آنکھیں دل کو یہ جانتے انھو کا کام مل سمجھینگے

غزلیات

تری ہم نے تاثیر بس آہ دیکھی نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی
میں اپنی جان تلک حاضر ہوں پر تو اس کو کیا جانے مرے دل میں تو یہ کچھ ہی ترے دل کی خدا جانے
ہمیں تو عین راحت ہی جو کچھ تیری عنایت ہی گرفتارِ جفا ہووے جفا کو جو جفا جانے
کون اُسے یہ کہہ سکے کیوں قتل عالم کو کیا کیا کسی کا ڈر پڑا ہی جی میں آیا سو کیا
گالیاں کیوں کر نہ دیوے تو نے فدوی چھیڑ چھیڑ ایک تو وہ تھا ہی اُس کو اور بھی بدخو کیا

شاعر خوش تقریر زباندانِ دلپذیر گوہر کان فتوت مرزا الف بیگ المتخلص
بہ فرصت متوطن الہ آباد است، بندہ او را ندیدہ مگر از یارانِ آں دیار شنیدہ کہ در انجا
مثل او کسے نیست، فصیح بیان و شیریں زبان، غالب کہ اصلش از شاہجہان آباد است
از کلام او ہویدا و ظاہر است علی الخصوص در غزل قطعہ از و بکمال خوبی می تراود و سلامت
باشد از وست

اُس کو طرز جفا خوش آتی ہے مفت میں اپنی جان جاتی ہے
اک عمر خاکِ کوئے بتاں سجدہ گاہ کی تب رفتہ رفتہ اُس بت کا فرسے راہ کی
شاکی ہیں تیرے ظلم کے ہاتھوں سے کتنے یار اپنا ہی سخت جی ہے کہ ہرگز نہ آہ کی

نپٹ مضطر ہوں جب سے وہ گیا ہے / خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے

بنا تجکو کوئی دستِ بُریدہ / یہ اپنے حق میں کانٹے بو گیا ہے

شمشیر کھینچ قاتل آیا جو میرے سر پر / ق مرنے کی آرزو میں گردن میں اپنی خم کی

فرمایا تب یہ اُس نے اے کشتۂ محبت / مہلت ہے ایک ساعت کر شرح اپنے غم کی

میں نے کہا کہ یہ غم وہ غم ہے جس کے لکھتے / کاغذ کی چھاتی پھاٹی کٹ گئی زبان قلم کی

میں کس طرح سے تجکو احوالِ دل سناؤں / جی میں ہزار باتیں فرصت ہے ایک دم کی

میر فخرالدین فخر تخلص، مردیست مؤدب و متواضع از تلامذۂ مرزا محمد رفیع سودا خلف اشرف علی خاں صاحبِ تذکرہ فارسی، اکثر ہمراہ مرزا میباشد و غزلہائے اینا را ترقیم مینماید۔ غرض مرد خوبے ہست، سلامت باشد ؎

بات کیجے غیر سے اور ہم سے مُنہ کو موڑیئے / ٹک خدا سے ڈریئے ان وضعوں کو اپنی چھوڑیئے

مُنہ نہ موڑے گا یہ عاصی گر یوہیں منظور ہے / لیجئے سنگِ جفا اور شیشہ دل توڑیئے

توڑنا دل کا تمھارے آگے تو آسان ہے / پر تمھیں تب جانیں جب ٹوٹے بھی دل کو جوڑیئے

اگر وہ اُٹھ گئے یاں سے تو پھر کس سے کہیگا تو / جو کہنی ہے تو کہہ اے فخر ایسے میں ہیں وہ بیٹھے

میاں ثناء اللہ فراق تخلص، برادرزادۂ میاں ہدایت، از شاعرانِ حال است در شاہجہان آباد میماند، شنیدہ ام کہ شعرِ خود بخدمت خواجہ میر درد میگزراند مربوط میگوید ازوست ؎

دلِ دیوانۂ عاشق کو ناصح رنج راحت ہے / جراحت پر مرے جو سنگ ہے سنگِ جراحت ہے

فارغ تخلص، ہندو بچہ است وکالت پیشہ، از شاگردانِ میاں حاتم و از مریدان مولوی فخرالدین حالا در شاہجہان آباد استقامت دارد از تازہ گویان است ؎

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گوہر نکلا
بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

شاہ فصیح، افصح الفصحا و ابلغ البلغا مردلیست از شاگردان مرزا بیدل، بزرگانش از مردم طالقان اند کہ بطرفِ توران زمین است، عمرش قریب صد سال رسیدہ است بکمال درویشی در لکھنؤ تکیہ ساختہ و زانو بہ توکل دادہ بسر می بَرَد دیوان فارسی دارد بمذاق تصوف لطور استاد خود، از سبب پیری و افیون کہ بسیار تناول مینماید فاقہ شدہ است قوت برخاستن ندارد و در سال یک ہزار و یک صد و نود و دو برحمت حق پیوست خدایش بیامرزد افصح تخلص در فارسی مینماید لیکن چوں شاہ فصیح مشہور اند برائے ایں در ردیف فا نوشتہ شد ؎

کر یاد تجھے جدھر گئے ہم	ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم
زاہد سوئے کعبہ ہم سوئے دیر	ایدھر نہ گئے اُدھر گئے ہم
کیا بلا شوخ کی قامت دیکھی	ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی
سرمۂ چشم جہاں ہیں ہوتا	خاکساری کی کرامت دیکھی
جب ہوئے تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا مرتے ہیں	زندگانی ہے کہاں موت کے دن بھرتے ہیں

حرف القاف

از احوال متقدمین | میر عبدالقادر قادر تخلص از باشندگانِ حیدرآباد است بیشتر مرثیہ از دمشہور است، مردِ مقدس و اہل دل بود، از اوائل مذاق درویشی داشت چوں عمرش از پنجاہ متجاوز گردید با یکے از مشائخ آں دیار کہ نسب وے بشیخ شہاب الدین سہروردی می پیوست خرقہ پوشید و از دنیا عزلت گزید غفراللہ لہ ایں رباعی از وست

ہر چند ہمن سب سے اٹھایا ہے ہات	اس پر بھی نہ آزاد کہلائے ہیہات
عالم منے ہر ایک یہ کہتا ہو گا	دکھن میں ہے قادر ا جیوں در قیدِ حیات

از سلک متوسطین | قدر، تخلص شخصے بود در زمان محمد شاہ غفراللہ از تذکرہ میر تقی

معلوم شد کہ مرد اوباش وضع از قید مذہب و ملت آزاد گاہے در کوچہ و بازار بنظر می آمد
این شعر او بسیار مشہور است چنانچہ مطربان ہند اکثر میخوانند ؎

آج آئے ہو تو رہجاؤ سجن رات کی رات — لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات
عبث تو بیکسی اپنی پہ کیوں ہر وقت روتا ہے — نکر غم اے دوانے عشق میں ایسا بھی ہوتا ہے

غنی بیگ قبول تخلص از مردم کشمیر بود احوال او در تذکرۂ خان آرزو مسطور ست
شاعر فارسی بود چون دید کہ ہنگامۂ ریختہ گرم است خود ہم بطور خود میگفت **از وست**

حاضری بن محل نہیں کھاتا — بیکسی ہے پنیر منعم کا

بدھ سنگھ۔ **قلندر** تخلص آبا و اجدادش دولت بسیار داشتند او یکے از بتان ہند
عاشق شدہ از قوم خود گسیختہ قلندر روش بر آمد حالا معلوم نیست کہ کجا ست طبع موزونے
دارد **از وست** ؎

چھپا ہی مانگ میں دل جاکے اب میں ڈھونڈوں کدھر — کہ آدھی رات ادھر ہے اور آدھی رات اُدھر
قلندر وقت مرنے کے جو یاد آیا تو کیا حاصل — جو اتنی عمر گزری تھی تو یہ بھی دم گزر جاتا

رباعی

جی میں جو قلندر کے کبھی آویگا — دل اپنے کو چھین تجھ سے لیجاویگا
یہ روز کا تیرے چین برابر رہنا — سب طاق او پر دھرا ہی رہجاویگا

نخل حدیقۂ **فصاحت** و غنچۂ بوستان بلاغت شمع بزم سخندانی چراغ خانۂ نکتہ رانی
ترقی فکرش دائم **شیخ محمد قائم** شاعریست خوشگو شاہین طبعش تیز بال و شہباز فکرش
بہ اوج کمال، خوبی اشعارش چون حسن محبوبان دلپذیر و ربط الفاظش مسلسل مانند
زلف خوبان بے نظیر، در اوائل مدتے داخل جرگۂ خواجہ میر درد ماند آخر بشاگردی
مرزا محمد رفیع سودا قائم گردید، متوطن چاندپور مذنیہ، چون از ابتداے جوانی در
شاہجہان آباد آمدہ بسر برد بنابران محاورۂ او درست گشت. طرزش بطرز طالب

آملی میماند، مثنوبہاے بسیار گفتہ و بسے دُر ہائے معانی سفتہ کہ کسے کم گفتہ فقیر او را ندیدہ
اکثر خوبی ہائے وے شنیدہ الحال در سنبھل مرادآباد است خدایش سلامت دارد۔

مثنوی ہجو سرما

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید　　صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
چرخ کی اطلسی قبا یہ ہمیش　　نہیں یہ کہکشاں ہے دانا کیش
ان دنوں چرخ پر نہیں یہ مہر　　گود میں کانگڑی لئے ہے سپہر
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات　　کالے کمبل میں رات کاٹے رات

سر مطلع دیوان

ہرگز نہیں مقدور تری حمد زباں کا　　برہان ہے دعوے کی مرے عجز بیاں کا
جب تک کہ ہے تو ہم ہیں ترے ساتھ ہمیشہ　　جوں موت کہ نت لازمہ ہے آب رواں کا
جلوہ ہر رنگ میں ہے اُس بتِ ہرجائی کا　　یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا
چھوڑ تنہا مجھے یارب انہیں کیونکر گزری　　غم جنہیں آٹھ پہر تھا مری تنہائی کا
عہدے سے اُس صنم کے برآیا نہ جائیگا　　یہ نازہی تو ہم سے اُٹھایا نہ جائیگا
کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ　　کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا
میں کیا کہوں کہ جو کچھ مجھپہ زیر دام ہوا　　وہی یہ جانے جو تڑپھا نہ اور تمام ہوا
بیدماغی سے نہ اُس تنگ دل رنجور گیا　　مرتبا عشق کا یاں حسن سے بھی دُور گیا
دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا　　آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہمدم آنے سے میں بھی نادم ہوں　　کیا کہوں پر رہا نہیں جاتا
یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا　　پر دیکھو لینا نہ کہیں نام کسی کا
خوباں کی طرف کھنچ بندا ہوں میں قائم　　ملتے ہیں کہیں نام ہے بدنام کسی کا
ہم نے ہر طرح ترے ہجر میں دل شاد کیا　　ہچکی گر آئی تو سمجھے کہ ہمیں یاد کیا

کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ — ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا

میں اس چمن سے اور یہ مجھ سے چمن گیا — لے دل میں اپنے حسرت سرو سمن گیا

شیریں تو ساتھ خسرو کے جوں چاہے کر معاش — پتھر تھا تیری چھاتی پہ سو کوہکن گیا

روؤں گا زیر سایۂ دیوار بیٹھ کر — جس دن تری گلی میں کہیں داؤن گیا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر — روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ ہی من گیا

ہمارے درد دل کے تئیں یہ کب بیدرد پوچھیں ہیں — ہم اپنے جی سے عاجز ہیں انھوں کو عیش سوجھیں ہیں

دریا ہے پھر تو تمام ہی ہر یک حباب کا — اٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا

دل وہیں ہوویگا میرا وہ جہاں ہوویگا — پر خدا جانئے وہ ہرزہ کہاں ہوویگا

زلف دیکھی تھی کس کی خواب میں رات — ہم سحر تک تھے پیچ و تاب میں رات

خوب نکلے ہم اس کے کوچے سے — ورنہ آئے تھے اک عذاب میں رات

ق لیک خالی سی کچھ لگے ہے بغل — دل گرا شاید اضطراب میں رات

اب تو نہ گل نہ گلستاں ہے یاد — اس کے مکھڑے کی ہر زباں ہے یاد

آہ اے پیر چرخ قائم تمام — یاں جو رہتا تھا اک جواں ہے یاد

بے شغل نہ زندگی بسر کر — گر عشق نہیں تو آہ سر کر

کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی — اس سے جو کوئی جیا سو مر کر

یاں کیوں نہ کسی کو آئے افسوس — حالت تو مری ہے جائے افسوس

دیتے تو دیا ہیں دل ولیکن — چارہ نہیں اب سوائے افسوس

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں — کبھی جو روتے تھے سو خون جم رہا ہے آنکھوں میں

میں مر چکا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لئے — حباب وار نگہ دم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ — جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں — یاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

تیرے دامن تلک ہی پہنچوں اور　　خاک ہونے سے کچھ مراد نہیں
میں کہا عہد کیا کیا تھا رات　　ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

مجھے اس اپنی مصیبت سے ہے فراغ کہاں　　کسی سے چاہوں کہ صحبت رکھوں دماغ کہاں

پاس میں تجھ غم کے میں اپنی بھی غمخواری نہ کی　　جان دے گزرا پہ ظاہر دل کی بیماری نہ کی
دمبدم اس رنجشِ بیجا کو کیا کہتے ہیں شوخ　　دل دیا تجکو تو کچھ میں نے گنہگاری نہ کی
بعد خط آنے کے اُس سے تھا وفا کا احتمال　　لیک اُن تک عمر نے اپنی وفاداری نہ کی

دل مرا دیکھ دیکھ جلتا ہے　　شمع کا کس پہ دل پگھلتا ہے
ہمنشیں ذکرِ یار کر کچھ آج　　اس حکایت سے جی بہلتا ہے
گندمی رنگ جو ہے دنیا میں　　میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے

یاں سدا نیشِ بلا وقفِ جگر ریشی ہے　　کہیے کیا جان مری عالمِ درویشی ہے
اپنے مذہب میں قرابت نہیں اجداد کی شرط　　تجھے نسبت ہو جسے اُس سے ہمیں خویشی ہے

ناز و ادا کہیں کہیں عجز و نیاز ہے　　کس کس طرح سے یار مرا جلوہ ساز ہے

جب میں دیکھا ہے تو اس دل کو غمگین دیکھا ہے　　یہ بنا چاؤ محبت کا نہیں دیکھا ہے
حسرتِ دل کو مری سمجھے وہی خستہ جسے　　یار نے آکے دمِ بازپسیں دیکھا ہے

گو کہیں یار بلایا ہے وہ اب آتا ہے　　پر اُسے میں تو سمجھتا ہوں وہ کب آتا ہے
شام ہوتی نہیں اک دل پہ بلا ہوتی ہے　　صبح ہوتی نہیں اک جی پہ غضب آتا ہے

مر جائیے کسی سے پر الفت نہ کیجیے　　جی دیجیے تو دیجیے پر دل نہ دیجیے

شب گریہ سے وابستہ مری دلشکنی تھی　　جو بوند تھی آنسو کی سو ہیرے کی کنی تھی

مردنِ دشوار میں یہ جان بے تقصیر ہے　　حسرتِ دل سو طرف سے اس کی دامنگیر ہے

گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے　　کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے

کیسے گلگشتِ گلشن کی ہوس ہے　　اسیری کا جگر پر داغ بس ہے

نہ پوچھو مجھسے گلشن کی حقیقت — برس گزرے کہ ہیں ہوں اور قفس ہے

زاہد دیرِ مسجد یہ خرابات کی تونے — جی بھی یوہیں چاہے تھا کرامات کی تونے

ابدھر تو ہیں نالاں ہوں ادھر غیر سے جانیں — اب کس سے مری جان ملاقات کی تونے

قائمؔ رہِ پرخوف ہے اور دور ہے منزل — کب پہنچے گا ظالم جو ہیں رات کی تونے

پھرے زمانہ جہاں تک ہی ہم سے یا نہ پھرے — کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے

فلک رلائے تو ہے ہم کو لیک یہ ڈر ہے — کہ بلبلا سا کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے

مرا جی تجکو گو پیارا نہیں ہے — پر اتنا بھی تو ناکارا نہیں ہے

نہ مرنے دیتے ہم قائمؔ کو لیکن — خداوندی سے کچھ چارا نہیں ہے

بہارِ عمر ہے قائمؔ کوئی دن — اسے جوں گل بپا رے کاٹ ہنسکر

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم — پھر تجکو نہ منہ دکھائیں گے ہم

جو شرط ہے دوستی کی پیارے — جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم

ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا — ٹک دور سے دیکھ جائیں گے ہم

مجھسا کوئی جہان میں آشفتہ سر نہیں — ہے یوں تو زلفِ یار بھی پر اس قدر نہیں

اے دل برنگِ غنچہ نہ مل لکر خوں سے تو — اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

اتنی اے دیدۂ و دل مجھپہ نہ بیداد کرو — دیکھیں کیا ہووے خدا کو تو ٹک اک یاد کرو

دل مرا چھین یہ کہتا ہے وہ دلبر قائمؔ — جی جہاں چاہے تمھارا مری فریاد کرو

کبھی دکھائے کمر اور کبھی دہاں مجکو — نپٹ تبنگ کیا تونے اے میاں مجکو

تو اتنے واسطے اے باغباں نہ کاوش کر — بہت ہے سایۂ دیوارِ گلستاں مجکو

دامانِ گل تلک ہی کہاں دسترس مجھے — تکلیفِ سیر باغ نہ کر اے ہوس مجھے

قائمؔ میں عندلیبِ خوش آہنگ تھا ولے — زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہمقفس مجھے

کیا جانے ہم کہاں ہیں اور دین و دل کدھر ہے — عالم میں تفرقے کی کس کی کسے خبر ہے

آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی
کچھ رکا جاتا ہے دل گرد سے ویرانے کی

آج کی رات جو اس گل کا میسر ہو وصال
شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی

بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم
مجھے کچھ اور ارادا نہیں خدا نکرے

ہر طرف وہ نگاہ لڑتی ہے
کبھی ادھر بھی آن پڑتی ہے

کیا ہی مکھڑا ہے وہ کہ جس کے حضور
آئینے کی قلعی اُدھڑتی ہے

قائم آیا ہے پھر وہ بن ٹھن کر
دیکھیں کس کس سے یاں بگڑتی ہے

اُٹھاوے ستم یا جفا کیا کرے
بیچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے

میں جاتا ہوں کعبے کو اب دیر سے
بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتی ہیں جب ٹل یاں
یکایک کھل گئیں دو نو طرف سے دل کی گلجھڑیاں

قدرت بلند پایہ و قوی پایہ درویش خصلت میر قدرت اللہ **قدرت** مرد لیست از متوسلانِ میر شمس الدین **فقیر** رحمہ اللہ، درویش وضع خلیق طبع، رتبۂ قدرش رفیع و شیوۂ معانیش بدیع، سمندِ نظمش در میدانِ فارسی و ہندی چالاک و چیست و تصویر بے نظیرِ معانیش در استخوان بندی الفاظ درست، بندہ ویرا یک بار در مشاعرہ بہ لکھنو دیدہ ام اگرچہ از سلک متوسطین است لیکن شہرۂ اشعارش در متاخرین اشتہار یافتہ دیوانش بنظر نیامدہ مگر ہمیں غزل کہ مشہور عالم است با چند بیت دیگر بنگارش می آرد۔ شنیدہ ام کہ میر مذکور الحال در مرشد آباد استقامت دارد، اصلاحِ سخن ظاہرا از میر شمس الدین فقیر گرفتہ است، مرد خوشے است حق تعالیٰ سلامت دارد از وست ؎

سیرِ چمن کی فرصت اے بلبلو! کہاں ہے
جو گل نظر پڑے ہے سو غارتِ خزاں ہے

بیت الحزن میں شب کہ ترا انتظار تھا
کھٹکا ہر ایک در کا مرے جی کے پار تھا

اہل عدم کو بہر فنا کا تھا کب شعور
سرمشقِ رفتگاں مرا لوحِ مزار تھا

تڑپا یوں ہوں خاک و خوں میں پڑا جس کے وار سے
قدرت میں کیا کہوں یہ وہی شہسوار تھا

تشنہ لب مرتا ہے نت موجِ دمِ شمشیر کا
اے غرورِ ناز کچھ بھی فکر اس نخچیر کا

کون میخانے سے قدرت کو نکالے کیا مجال
ہے خطِ پیمانہ سر خط اس کنے تقدیر کا

برپا ہوئے سو فتنے مرے کشورِ جاں سے
کون انکھڑیاں ملتا یہ اٹھا خوابِ گراں سے

جوں بید مری آہ کبھی ہو نہ زمیں گیر
یہ سرو لگا ہے چمنِ کاہکشاں سے

منظور اگر آنکھ سے ہے کچھ تو تری دید
مقصود اگر ہے تو ترا نام زباں سے

کس کی نیرنگی یہ شمع پردۂ فانوس ہے
جو شرر دل سے اٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے

ایک ہی پردے کی گر سمجھو تو ہے یہ سب الاپ
گر صدائے بانگ ہے و نغمۂ ناقوس ہے

صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یاں سے کر گئے
اب وداعِ ننگ ہے اور رخصتِ ناموس ہے

ق

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملکِ روم کیا ہی سرزمینِ طوس ہے

گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آوازِ طبل اودھر صدائے کوس ہے

صبح سے تا شام ہوتا ہے مے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے

سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز کا محبوس ہے

لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین دکھلا کر مجھے کہنے لگی
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

پوچھ تو ان سے کہ جاہ و مکنتِ دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

کل تو قدرت پائے خم رکھتے تھے تسبیح ریا
آج رہنِ جامِ مے یہ خرقۂ سالوس ہے

حسرت اے صبحِ چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے
مژدہ اے شامِ غریبی کہ وطن چھوٹے ہے

جوں نقشِ قدم ہیں ترے وہ خاک نشیں ہم
تا مٹ نہ چکیں آپ سے چھوڑیں نہ زمیں ہم

نسبت ہے ہماری تری جوں سایہ و خورشید
جس جا نہیں تو ہم ہیں جہاں تو ہے نہیں ہم

سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
تیرِ بیداد جدھر رو کرے گھر اس کا ہے

از احوال متاخرین | **قرین** تخلص، از مردم کشمیر جنت نظیر شخصے ست از شاگردان میاں حسرت، طبع موزونے دارد بندہ اورا یکبار دیدہ ام بہ فقیر خانہ روز مشاعرہ آمدہ بود نو مشق ست سلامت باشد از وست ؎

پیارے بے وفا یا باوفا ہو — غرض تم دل کے لینے کو بلا ہو
ہمارے مرنے کا وہ شوخ غم کرے نہ کرے — پھنچکے نعش پر آنکھوں کو نم کرے نہ کرے
کہا تو ہے کہ میں آؤنگا تیرے گھر میں قریں — غرور مستی سے دیکھیں کرم کرے نہ کرے

از تازہ گویان زمان میر جیون المتخلص بہ **قربان** جوان بست سالہ سپاہی پیشہ بود دریں سن وسال بکمال خوبی حرف میزد از تلامذۂ مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ تعالےٰ روزے در فیض آباد فوج فرنگی صف کشیدہ میرفت این نشانۂ تیر قضا با یکے از رفقا ناگاہ درمیانش افتاد آن سگاں بعادت خود غوغا نمودہ ناسزا گفتند ہر چند این گرفتاران بلائے ناگہانی بعجز وانکسار پیش آمدہ عذر خواستند کہ ناد انستہ بدام افتادہ ایم راہ بدہید غرض آں مغروراں ہیچ پروا نکردہ زبان بدشنام کشادند بعد از رد و بدل بسیار بمقتضائے غیرت ناچار تن بقضا دادہ دست بقبضہ شدند آخر یکے زخمی شد و این جوان از طعن سنگین کافران سنگدل شہید گردید ع آفرین باد بریں ہمت مردانۂ او — کہ جان خود را قربان آبرو کرد خدایش بیامرزد از وست ؎

یوں بندِ قبا کھل گئے جو آن میں گل کے — کیا پھونک دیا تو نے صبا کان میں گل کے
کیا کچھ دل بلبل پہ کرے دیکھئے یہ عشق — سو چاک دیئے جس نے گریبان میں گل کے

قانع تخلص نبیرہ ناصر خان است شعر ہندی و فارسی ہر دو میگوید اصلش از شاہجہان آباد است از مدتے در لکھنؤ استقامت دارد روزے بخدمت مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ آمدہ بود فقیر ہم درانجا نشستہ بود از حیثیتہایش وحشت پدید آمد اغلب کہ سودائے داشتہ باشد از مشاہیران نیست، طبع موزونے دارد سلامت باشد از وست

شعلہ اگر اُٹھے دلِ پُر اضطراب کا جل جائے سو جگہ سے جگر آفتاب کا

حرف الکاف

میاں کمترین از ایہام بندان، در سلک متوسطین مردے بود نوکری پیشہ در سرکار نواب عماد الملک سرفراز بود۔ موافق استعداد خود میگفت این چند شعر از شہر آشوب او بنگارش می آید[1]

شاہ کامل۔ ہم از سلک متوسطین درویشے بود معاصر میاں آبرو، کامل تخلص می نمود، اوائل نوکری پیشہ بود اواخر ترکِ لباس کرد این دو شعر ازو بگوش خوردہ ؎

وعدہ کیا تھا صبح نہ آیا وہ اب تلک کھینچونگا اس جفا کو نجانوں ہیں کب تلک

جب اُٹھ چلا بغل سے تو پوچھا ملے گا کب کامل کو کھول منہ پہ بتایا کہ شب تلک

شیخ لطف اللہ کامل، تخلص از شاگردانِ خاکسار نیز از متوسطین شخصے بود ازوست ؎

وہ مرا بے مہر قاتل اس قدر خونریز ہے کانپتا نکلے ہے جس کے ڈر سے یار و آفتاب

میر علی نقی کافر تخلص، جوان محمد شاہی، از سلک متوسطین است از مدتے بطرف مرشد آباد رفت بسیار خوش رو و ظریف طبع بود، اول فارسی می گفت تسکین تخلص می کرد بازیراں ہم تسکین نیافت جنون تخلص کرد چوں در خدمت جاوید خاں خواجہ سرا نوکر شد ریختہ گفتن آغاز کرد۔ روزے قبلہ گاہِ این فقیر از راہِ ظرافت باوے فرمودند کہ شما فارسی و ہندی گفتید الحال عربی بگوئید و ملعون تخلص کنید بریں سخن بسیار خندید، وجہ تسمیۂ او اینست کہ تخلص فقط کافر میکرد ہر شعرے میخواند بر دلش میخورد

---

[1] چونکہ اشعار خلاف تہذیب تھے لہذا خارج کر دیئے گئے

میگفت کہ این شعر نیست بلکہ این ٹپکہ است ازین جہت کافر ٹپکہ در شعرا مشہور گردید غرض عجب شخصے بود خدایش بیامرزد ؎

کس کس طرح بتوں کی صورت نے رنگ پکڑے — کافران انکھڑیوں نے دیکھے ہیں کیا جھگڑے
بتوں کے تئیں اس قدر مانتا ہے — یہ کافر مراجی خدا جانتا ہے

رباعی

کیا پھرتی ہے میکدے میں مٹکی مٹکی — زاہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر — یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

شاعر زبردست و مشاق قدیم میر محمد حسین المتخلص بہ کلیم جوان محمد شاہی گندم گون و دراز قد بود با میر تقی قرابت قریبہ دارد در فن شعر و شاعری استاد سخن بحر ذخار طبعش در نثر و نظم موجزن۔ رسالہ در عروض و قافیہ ہندی تصنیف نمودہ و فصوص را کہ کتاب عربی است بزبان ریختہ ترجمہ کردہ کتابے در نثر ہندی نیز ایجاد نمودہ چنانچہ یک فقرہ او بیاد ماندہ قلمی مینماید، در وقتیکہ احمد شاہ را میل درچشم کشیدند دراں مقدمہ میگوید فقرہ کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر، آج کے دن ہو بیٹھے ہیں اندھے ہو بصیر، ایسی دولت سے زنہار زنہار، فاعتبروا یا اولی الابصار" باوجود این زور قوت شاعری نمک در کلام نیافتہ بنا برین اشعارش اشتہار نیافت۔ غرض شخصے خوب بود در شاہجہان آباد برحمت الٰہی پیوست۔ خدایش بیامرزد، این چند بیت منتخب ازوست ؎

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست — وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا
عرق ہے منہ پہ ترے یا گلاب ٹپکے ہے — عجب ہے مجکو کہ شعلے سے آب ٹپکے ہے
تجھے ہی آنکھوں میں کیونکر رکھوں کہ ہے برسات — پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خراب ٹپکے ہے
بوسہ بھی چیز ہے اے مری جان اس قدر — جس پر بہو ہو ہم سے ترا مان اس قدر
ہم گم ہوئے ہیں ضعف سے جوں بو میان باغ — پھرتا ہے رنگ گل کہ ہمارا کرے سراغ

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

تم جام دو پیارے کیوں کر کریں نہیں ہم
خونِ جگر تھا تو بھی پی ہی گئے وہیں ہم

تو یار ملکے ہم سے جب ایک ہو گیا ہو
ق کس کو بعید جانے کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو
یا تم ہیں سب ہو ہم ہیں یا ہینگے سب ہیں ہم

نے وطنبور ہیں تو شور یہ معلوم اے مطرب
کسی کا دل ہوا ہے شاید (راہی) اس کدوی میں نالاں

عمرِ رفتہ کا پتا پایا کھوج ہرگز اے کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

غرورِ حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

بات اُس کی زبان پر آئی
پھر خرابی جہاں پر آئی

پیر کیوں ہو گیا ہے اتنا کلیم
کیا بلا اس جوان پر آئی

پیری کی بھی سیر کر گئے ہم
اس پل سے بھی گزر گئے ہم

جوں اشک کہ ہستی اور عدم میں
بس ایک قدم تھا دھر گئے ہم

وہاں غصے ہوئے رقیب پر تم
یہاں مارے ادب کے مر گئے ہم

تو نہ آیا باغ میں شمشاد غم سے غم ہوا
طوق قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب ہے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلفِ کج برہم ہوا

رباعیات

گلرو تو چمن میں اچپلی سے نہ گیا
یہ دل بھی کلی سے بیکلی سے نہ گیا

جو کوئی گیا دل کو گیا چھوڑ یہاں
دل سے تو کوئی تیری گلی سے نہ گیا

دیگر

ہر چند لگاتے ہیں بتاں گل مہندی
تیرے ہی قدم تلے گئی رل مہندی

ہیہات کہ کس طرح کا ہو گا وہ ہاتھ
جس ہاتھ سیتی فراغ ہوئی گل مہندی

لالہ کاشی ناتھ متوطن قصبہ ٹبالہ لپسر نوندہ رائے بینیکار دیوان تن، طبع موزول

وارد از وست ؎

مجھ دل کا اے طبیب سمجھکر علاج کر ‏ مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار دیکھنا

کھنجن زنے گزشتہ است معلوم نیست کہ از کجاست، ہمیں دو شعر او شنیدہ شد

عشق میں راحت ہو یا آزار ہونا ہو سو ہو ‏ کیا کریں اب بیٹھے ناچار ہونا ہو سو ہو

کر گریباں چاک کھنجن چل بیاباں کی طرف ‏ دیکھ لے یہ بھی فراک یار ہونا ہو سو ہو

حرف الکاف فارسی

دریں فصل از متقدمین و متوسطین بنظر نیامدہ مگر از سلک متاخرین چنانچہ شاعر شیریں بیاں میاں نذر علی خاں المتخلص بہ گماں مردیست سپاہی پیشہ از یارانِ کوکہ خاں فغاں اصلش از شاہجہان آباد است، مرثیہ و منقبت و غزل ہمہ میگوید فکر خوبے دارد روزگار موافق زمانہ موافق ست در فیض آباد بسر میبرد از بسکہ مشاق است در روانیِ طبع دارد کلامش خالی از اثر نیست۔ خدایش بسلامت دارد از وست ؎

جس دم تو جسے آکے ہم آغوش ہو گیا ‏ غم دو جہاں کا دل سے فراموش ہو گیا

قتل کرتی ہے ہمیں یہ ابروئے خمدار کج ‏ کاٹ دونا کرتی ہے ہوتی ہے جو تلوار کج

راست کہہ کس نے کیا تجکو گماں سے بدگماں ‏ اس سے کیوں کرتا ہے تو ہر وقت اب گفتار کج

دل پھسا جب سے تری زلفِ پریشان کے بیچ ‏ تب سے آرام نہیں جان کسی آن کے بیچ

مہربانی سے کبھی تو نے نہ کی مجھسے بات ‏ جی نکل جائیگا میرا اسی ارمان کے بیچ

گزرے ہے تیری یاد میں دن رات بے طرح ‏ آکر بنی ہے جی پہ مرے بات بے طرح

جاتی ہے مفت ہائے یہ فصلِ بہار حیف ‏ ہے دور ہم سے یار ہمارا ہزار حیف

مدت سے ہو رہا تھا ہرا داغ داغ دل ‏ اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل

فصلِ گل سے پھر ہوا اب گرم بازارِ چمن ‏ مشت پر لے کر ہوئی بلبل خریدارِ چمن

کون ہوویگا وہ دن جو ہم قفس سے چھوٹ کر　　جا کے دیکھیں گے الٰہی پھر وہ دیوارِ چمن

دیکھتا ہوں جہاں بتاں کو میں　　دور ہی سے سلام کرتا ہوں

مر جاؤں گر کہیں تو اپنی زباں سے مجکو　　خاطر عزیز تیری ہے اپنی جاں سے مجکو

گُل بھی شبنم سے نہ دیکھے یوں سحر بھیگے ہوئے　　دیدۂ عاشق ہیں خوں سے جس قدر بھیگے ہوئے

سر جھکایا میں جو قدموں پر تو غصے ہو کہا　　مت رکھ اپنے چشم میرے پاؤں پر بھیگے ہوئے

مرا دل دیکھنے کو جس ستمگر کے ترستا ہے　　مجھے دیکھے ہی جب روتے تو وہ بیدرد ہنستا ہے

واسطے جس کے سبھی مجکو برا کہتے ہیں　　وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں

ہزار افسوس تو اپنا ہمیں بدخواہ جانے ہے　　میں جیسا ہوں ترا بندا مرا اللہ جانے ہے

تری یہ تیغ میاں کاش مجپہ چل جاوے　　چھٹوں عذاب سے جھگڑا مٹے، خلل جاوے

میں اس لئے نہیں کہتا ہوں اپنی حالتِ دل　　مبادا جی میں سمجھکر کہیں بچل جاوے

مجھے تو زیست بھی دشوار ہو گئی ہے اب　　خدا کرے کہ گماں دل مرا سنبھل جاوے

اس بن نہوتے ہم ترے ہمدوشِ نقشِ پا　　مل خاک میں ہوئے ہیں غمِ آغوشِ نقشِ پا

اس رشک سے کہ کوئی نہ پا دے ترا سراغ　　میر اغبار ہے ترا روپوشِ نقشِ پا

دل سے سودائے بتاں تھا مجھے معلوم نہ تھا　　نفع میں جی کا زیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

کس صفائی سے ترا تیرِ نگہ تھا چھوٹا　　زخم کا دل پہ نشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

جستجو جس کی میں کرتا تھا خدائی کے بیچ　　دل ہی میں اُس کا مکاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

قتل کر مجکو مری نعش پہ بولا قاتل　　ہائے یار دیہ گماں تھا مجھے معلوم نہ تھا

گداز تخلص از متاخرین است از شاگردانِ میاں حسرت، سپاہی پیشہ گاہ گاہے در لکھنؤ بنظر می آمد الحال معلوم نیست کہ کجاست از وست ؎

تجھسے گر آئیے کہاں ملئے　　اپنے ملنے کی تو بتا صورت

جب کہا میں کہ تجھپہ عاشق ہوں　　مجکو اپنی ذرا دکھا صورت

غصے ہو کر لگا یہ کہنے گداز مجھ تو ہوگا مبتلا صورت

خواہی وہ دلداری کرے خواہی دل آزاری کرے دل ہی نہیں باقی رہا جو نازبرداری کرے
مدہوش چشم اس کی کریں اور زلف کھینچیں جال میں کیونکر رکھے دل کو کوئی کس طرح ہشیاری کرے

گریاں، میر علی امجد ولد میر علی اکبر، جوانے است شایستہ متوطن شاہجہان آباد اوائل اصلاح از میاں قدرت و اواخر از میر ضیا سلمہ اللہ گرفتہ، سپاہی پیشہ است اگر روزگار فرصت میدہد شوقے بسخن دارد سلامت باشد از وست ؎

سُنے قصہ مرا جو یکدم کوئی درد محبت کا نہ لیوے زندگی بھر نام پھر ہرگز محبت کا
مجھے جب دیکھنا تب ہاتھ سے مکھڑا چھپا لینا نکالا طور اُس نے اور ہی صاحب سلامت کا
دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر مرجاوے وہیں وہ آہ بھر کر
سبک روحی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہے کہ دوش شمع پر رکھتا نہیں بارِ کفن اپنا

حرف اللام

لطفی دکھنی، لطفی تخلص از قدیم است اوراست ؎

تجھ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جل اٹھا جی دل موم کے نمونے گل گل پگھل گیا ہے
ہیں عشق کی گلی میں گھایل پڑا ہوں تس پر جوبن کا ماتا آکر مجکو کھندل گیا ہے

حرف المیم

احوال شعرائے قدیم | ابوالقاسم **مرزا** تخلص از مقربان ابوالحسن تانا شاہ رحمہ اللہ بود۔ چوں فوج ہندوستان آں ملک را تاراج کرد ایں عزیز بمقتضائے غیرت لباس فقیری پوشیدہ از جہاں عزلت گزیدہ در کنج تنہائی بہ عبداللہ گنج کہ در حیدرآباد مشہور است بقیہ عمر بیاد الٰہی بسر برد دہماں جا مدفون گشت۔ خدا ایش بیامرزد از وست ؎

عارض نہیں چندر کا ترے گال سوں اچھا　　سمجھیں ہمن کلف کو نہ تجھ خال سوں اچھا

مرزا دہ نونہال کدھر سٹ گئے چمن　　لگتا تھا جن کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں اچھا

محمود بیگ دکھنی از قدیم است متوطن بیجاپور معاصر فخری بلکہ قرابتے نیز باوے داشت

لوگاں کہیں پتھر سوں کچھ سخت نہیں ولیکن　　جو کوئی پیا سوں بچھڑا وہ سخت ہی پتھر ہے

ملک دکھنی او ہم ازاں دیار بود از وست ؎

تن من فدا کروں اس ہشیار ساقی اوپر　　یک قطرہ مے چکھا کر جن بے خبر کیا ہے

موسوی خاں فطرت و موسوی تخلص شاعر فارسی بود، فطرت و موسوی و

معز ہر سہ تخلص داشت در زمانِ عالمگیر بادشاہ، یک شعر ریختہ ہم از وست ؎

از زلفِ سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے　　در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

دو چیز ہند مرا موسوی بر دو در گور　　صدائے نیکری و پیر پاؤں پروں کی چھوڑ

محق، تخلص از شاعرانِ دکن بود لیکن از کلامش معلوم می شود کہ با مردم ہندوستان

تربیت یافتہ بود از وست ؎

تم ہر کسی سے وعدۂ دیدار مت کرو　　اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

مہر علی شخصے بود از مردم دکن در کمال ظرافت و خوش طبعی۔ پسر خطیب بادشاہ

معاصران خود را بہ طعن و استہزا می رنجانید، با ہمہ کس بہ تمسخر پیش می آمد۔ چنانچہ نقل است

روزے در مجلس مذکور شعر بود، شخصے شعرے خواند، پدرش معنی او بطورے میگفت

و این برعکس او چوں بحث درمیان آمد این عزیز با پدر خود گفت کہ صاحب شما نمیدانید

(جانے ...[1] .. خطیب کا) چوں پدرش خطیب بود این مثل بر موقع افتاد

خدا لیش بیا مرزد از وست ؎

موتی دریا میں اپنے تئیں کان لگتے ہوویں　　کہ تمن کے (ہ) بناگوش کے ہمسر ہوویں

---

[1] ضرب المثل کا لفظ خلاف تہذیب سمجھ کر خارج کر دیا گیا ہے

از احوال متوسطین | خواجہ قلی خاں **موزوں** تخلص صوبہ دار قلعۂ برہانپور
در عہد بہادر شاہ بود ایں شعر بنام او دیدہ شد ؎

موزوں نے راہِ عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہر مصلحت سے دور نجانوں کرے گا کیا

میر میران سید نوازش خاں خطاب داشت از وست ؎

آہ گر باغ میں وہ سروِ خراماں گزرے
اشکِ قمری سے گلستان میں طوفاں گزرے

رائے آنند رام مخلص از شاعرانِ فارسی است شاگرد مرزا بیدل، وکیل نواب اعتماد الدولہ، در آخر سن شعر خود را پیشِ خان آرزو مے نمود، احوال او در تذکرۂ خان مذکور مسطور است گاہ گاہے بندرت شعر ریختہ نیز میگفت از آزار ضیق النفس درگزشت **از وست**

آنے کی دھوم کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

میاں شاہ مزمّل مرد فقیرے بود حافظ قرآں، مردمان آں زماں از سببِ فضل و کمال احترامش می نمودند۔ فکر الفاظِ تازہ میکرد ؎

سیمتن جس کا نام ہوتا ہے — اُس کو سونا حرام ہوتا ہے
اسم اعظم جو چاہتے ہو تم — سو مزمّل کا نام ہوتا ہے
من ہرن میرا مزمّل رم گیا — دشمنوں کے من کی چیتی ہو گئی
اے مزمّل ناز کا گھوڑا گدا — شوخ بولا چل بے چل آگے سے چل

مضمون گلشنِ طبعش از فیض رشحات ابر سخن تازہ و عندلیب خاطرش بر شاخسار بیاں بلند آوازہ، در بوستانِ سخن سروِ موزوں میاں **شرف الدین** المتخلص

مضمون مردے بود نوکری پیشہ متوطن جاجو کہ قصبۂ ایست متصل اکبرآباد، شروع جوانی از اکبرآباد آمدہ بشاہجہان آباد در زینت المساجد استقامت ورزید ہرچند کم گو بود لیکن خوش گو۔ از اولاد شیخ فرید گنج شکر چنانچہ خود گفتہ ؎

کریں کیوں نہ شکر لبوں سے مرید — کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

اصلاحِ سخن از خانِ آرزو میگرفت بسببِ نزلہ دندانش ہمہ افتادہ بود۔ خانِ مذکور او را شاعرِ بیدانہ میگفتند۔ نقل است کہ میاں **مضمون** سفارشِ آشنائے برائے روزگار پیشِ نواب عمدۃ الملک نمود، نواب والاجناب قبول کرد۔ آں عزیز ہمیشہ درکار دربار حاضر میماند۔ چنانچہ نواب رائگاں آں شد کہ تنخواہ میباید، و ایں نوکر کم زبان دانست کہ شاید من نوکر شدہ ام۔ چوں مدت دہ ماہ گزشت صورتِ ایں حال بمیاں مضمون تقریر نمود او شاں فی البدیہ ایں شعر گفتہ پیشِ نواب عمدۃ الملک فرستادند۔ آں نواب قدرشناس ہماں وقت تنخواہ از تاریخِ ملازمت حساب نمودہ بخشید ؎

عرضِ حال اپنے سے ہیں اہلِ شرافت بے نصیب — نہیں سخن رکھتے زباں کے بیچ گویا یہ نجیب

غرض عجب عزیز کسے بود آخر ہماں جا در مسجد بتقاضائے الٰہی فوت شد خدا ایش بیامرزد

ایں اشعار از وست ؎

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا — صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

ہوئے ہیں ہر قطرہ سیتی زبس آنسو ڈھلک دریا — کہیں کیونکر نہ چشموں کو مری مردم پلک دریا

افسوں مار جھٹ پٹ لیتے ہیں دل کو اٹکا — کن ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا

چھپکر مخالفوں سے اس طرح آ پلنگ پہ — کوئی سنے نہ پیارے ترے قدم کا کھٹکا

نہ یہ ہے فتنہ قد و قامت ہے — ہے سکے پھر دیکھئے قیامت ہے

ایک تو تھا ہی وہ مہرو خود پسند ہو گیا دیکھ آرسی کے تئیں دو چند

ہنسی تیری پیارے کھلجھڑی ہے یہی غنچے کے دل میں گلجھڑی ہے

میکدے میں گر سراسر فعل نامعقول ہے مدرسا دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے

کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج ہوا منصور سے نکتا یہ حل آج

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ ہوا ہے خون ہمارا آ کے لبریز

چلا کشتی میں جب آگے سے وہ محبوب جاتا ہے کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے

مرا یہ اشک قاصد کی طرح ہرگز نہیں تھمتا کسی بیتاب کا شاید لیے مکتوب جاتا ہے

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھ

مضموں تو شکر کر کہ ترا نام سن رقیب غصے سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

مرزا مظہر از فصحاے زمان و بلغاے دوران مرزا مظہر جان جاناں المتخلص بہ مظہر شاعریست مقدس و بزرگ، اصلش از اکبرآباد است، خوش تقریر بمرتبہ البتہ کہ در تقریر و تحریر یکے گنجینہ یقین و حزین شاگردان او بہدین شرف تشریف تو رسیدہ باشد الحال بمعرفت مشغول مراد آباد استقامت دارد و ہمانجا وعظ میفرماید اکثر اہل سنت مرید او شدہ اند خدا ایشاں سلامت دارد۔ از وست ؎

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

جواں مارا گیا خوباں کے اوپر میرزا مظہر بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

سے ہنسنے کی ہے تو یہ اور دھوم مچاتی ہے بہار ہائے کچھ چارا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

نرگس و گل کی دیکھو کلیاں کھلی جاتی ہیں سب پھیر ان خوابیدہ فتنوں کو جگاتی ہے بہار

مرتا ہوں زاری گل دیکھ ہر سحر سورج کے ہاتھ چوری و نکہت صبا کے ہاتھ

آتش کہو شرار کہو کوئلا کہو مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کہو

چلی اب گل کے ہاتھوں سے جلا کر آشیاں اپنا نچھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

مرا جلتا ہے جی اس بلبل بیکس کی غربت پر — کہ جن نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا

آہ مت رنگِ حنا سے کفِ پا لال کرو — اے بتاں اس دل پر خون کو پامال کرو

میر مدد اللہ والد میر حمزہ علی رند کہ بیشتر مذکور شد جوان محمد شاہی بود تخلص نمے کرد۔
گاہ گاہے دو سہ بیت میگفت و با شعرا بسیار ربط داشت۔ در علم موسیقی نیز مہارتے
پیدا کردہ بود، خیال نعمت خاں را درست میخواند از وست ؎

ایسا نہیں وہ شوخ جسے گھر کوئی پالے — یہ مجھ سا ہو تو اسے ڈھونڈ نکالے

اشک آنکھ سے دل ہاتھ سے جی تن سے چلا جائے — اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے

کرتے تو ہیں گھر دل پہ بتاں کعبہ دل میں — سب خوبیاں ہیں ہی یہ خدا کام نہ ڈالے

شیخ محمد مراد مراد تخلص در سلکِ متوسطین شخصے گزشتہ است از وست ؎

جاں بلب ہوں میں خماروں سے ادا آتی ہے بہار — وقت ہے ساقی اگر جام میں صہبا کیجیے

منعم تخلص برادرِ بزرگ میاں محمد قائم، از مشاہیران نیست لیکن شعر ربتہ دار
میگوید از کلامش پختگی ظاہر است از وست ؎

بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز — دل کے نگیں پہ نقش ہے نامِ خدا ہنوز

آنکھوں میں کس کے پائے نگارین کا نقش ہے — ٹپکے ہے جاے اشک جو رنگِ حنا ہنوز

تصویر اس کی کھینچ کے ناز و ادا کے ساتھ — نازاں ہے اپنے آپ یہ دستِ قضا ہنوز

لوہو سے عاشقوں کے گلی لالہ زار ہے — منعم وہ طفل کرتا ہے مشقِ جفا ہنوز

مرزا محمدی برادر کلاں مرزا فرید ؎

پلنگ پہ ایک رات آمن ہرن سد — ہمارے من کا چیتا بھی کبھی ہو

مرزا مہدی نام شخصے بود از وست ؎

مرا احوال مت فرما درو دے — وہ اپنا کھودنا پتھر کا کھودے

سید امام الدین خاں ولد سید معین الدین خاں سر جو کی رسالہ والا شاہی بود

در وقت محمد شاہ غفر اللہ لہ - او ہم تذکرۂ مختصر معاصرین خود نوشتہ است احوالش معلوم نیست ؎

جب سے سنی ہے اپنے فصلِ بہار آتی — گلشن کے بیچ بلبل پھولی نہیں سماتی

جو تجھے گلعذار جانے ہے — اپنے دل کو بہار جانے ہے

آکے لینا قرار زلفوں میں — یہ تو اپنے قرار جانے ہے

گر برقِ تجلّی و وٹک اک جلوہ گر آوے — تب بھر کے نظر دیکھنا سب کا نظر آوے

تم سب سیتی ہوتے ہو بغل گیر پیارے — معلوم نہیں میری کب امید بر آوے

دل داغ سے گلشن ہیں نین اشک سے دریا — ہر جا پہ تیرے عیش ہے ظالم جدھر آوے

میاں صلاح الدین عرف لکھن مشہور بہ پاک باز، لکھن و پاکباز، ہر دو تخلص داشت پسر شاہ کمال نبیرۂ شاہ جلال قدس سرہٗ شخصے بود گوشہ نشین از سلکِ متوسطین جوان محمد شاہی متوطن شاہجہاں آباد، اکثر بہ ورد و وظائف مشغول بود - شنیدہ ام کہ در لکھنؤ آمدہ بر سوہنا و لکھن کہ قوال بچہ مشہور اند نظرِ الفتے داشت عاشق و معشوق ہر دو ہمنام گویا خود بر خود عاشق بود چنانچہ در عشق او خود گفتہ ؎

بہیں ندیاں مرے آنسو سے جو میں ہجر میں رویا — کہے ہے ساری بستی ہائے لکھن نے ہمیں کھویا

جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں — تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں

نہیں یوسف کی گئی گرمیِ بازار ہنوز — روح پھرتی ہے زلیخا کی خریدار ہنوز

راجہ رام نراین صوبہ دار عظیم آباد، موزوں تخلص از شاگردان شیخ علی حزیں صاحب دیوان فارسی، بسیار خوش گو، آشنا پرست و سپاہ دوست بود، شعر ریختہ کم گفتہ بلکہ نگفتہ مگر در وقتیکہ خبر شہید شدن سراج الدولہ در شہر افتاد ہمانوقت فی البدیہہ این شعر میخواند از خبرداران خبری رسید و دیگر بیت ہمیں شعر از و بیادگار ماند ؎

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی — دِوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

شیخ محمد محسن المتخلص بہ محسن جوانے است بکمال علم و حلم از اقربائے شیخ سراج الدین علی خان آرزو برادرزادۂ میر محمد تقی، اصلش از اکبرآباد است تربیت در صحبت خان مذکور یافتہ در علم شعر مہارت بسیار دارد الحال در سرکار نواب فلک جناب سالار جنگ بہادر سرفراز است از سبب تکلیفات زمانہ مدتے شدہ مزاجش راغب باین طرف کمتر شود در اوائل آنچہ گفتہ ہماں گفتہ پارۂ ازاں نگارش می آرد

محسن نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کیا کروں ۔۔۔ اک دل بساط میں تھا سو اسکو بھی کھو دیا

جس دن تری گلی سے میں عزم سفر کیا ۔۔۔ ہر اک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

کیا جانیے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں ۔۔۔ ہم کو تو تن بدن کی ہی اپنی خبر نہیں

جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ جاں کہیں ۔۔۔ دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے ارماں کہیں

مرا رنگ رو اسقدر زرد ہے ۔۔۔ کہ یاں زعفران زار بھی گرد ہے

یوسف مصر پہنچتا ہے کوئی ۔۔۔ تجھ سے دلبر عزیز دلہا کوں

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ ۔۔۔ زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کوں

ٹک آکے دیکھ نہیں کچھ بھی حال آنکھوں میں ۔۔۔ پھرے ہے تسپہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں

نہ پوچھ دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت ۔۔۔ لیے ہی جاتی ہے دل پہ چھنال آنکھوں میں

رباعی

جب تخم محبت اپنے دل میں بویا ۔۔۔ دین و دنیا سے ہاتھ ہم نے دھویا

اس عشق کا ہووے خانہ ویراں یارب ۔۔۔ دونوں عالم سے ان نے ہمکو کھویا

میر شعرائے ہندوستان افصح فصحائے زبان شاعر دلپذیر سخن سنج بےنظیر میاں محمد تقی المتخلص بہ میر رفعت رواق کاخ بیانش از طاق سپہر برتر و گوہر کان ضمیرش از جوہر مہر عالی گوہر، فکر عالیش در عین خوش آبی و طبع روانش بنہایت شادابی، چراغ نثرش روشن و ساحت نظمش گلشن، شعرش چون دُر خوشاب و ادا از نخشش بیحجاب صیقل ذکائے اور ناسا

زدایے آئینۂ خورشید بینش ضیائے او، روے رخشانِ ماہِ سپید، از استادانِ صاحب قدرت است، طرزش ماناے بطرزِ شفائی، برادرزادۂ سراج الدین علی خان آرزو، ہم از شاگردانِ اوست، متوطنِ اکبرآباد، جوانِ محمد شاہی، الحال در شاہجہان آباد است، سنِ او قریب شصت رسیدہ، تذکرۂ متقدمین و معاصرین از تالیفِ او بیادگار ماندہ است، رباعی و غزل و قصیدہ ہجو و مدح ہمہ میگوید لیکن آنچہ گوید از غزلیات کہ بسیار باندازہ و طرز از دمی تراود و بلکہ گرم بازاری او ہمینست بسیار صاحبِ دماغ است و دماغِ او می زیبد، خدایش سلامت باکرامت دارد

ازوست ؎

کیا دن تھے وہ کہ یاں بھی دلِ آرمیدہ تھا
رو آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریبان دریدہ تھا

تجھے ہر آن مرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلہ کیجیے غرض اب وہ زمانہ ہی گیا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

جو لے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو جیب چاکوں میں تب اسکا جی نکلتا تھا

مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل تو دیگا
مے گلگوں کا شیشا ہچکیاں لے لیکے رو دیگا

کہاں آتے میسّر مجکو تجسے خود نما اتنے
یہ حسنِ اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا

گلی میں اس کی گیا سو گیا نہ بولا پھر
میں میر میر اسے کر بہت پکار رہا

شب ہجر میں کم تظلم کیا
کہ ہمسائگان پر ترحم کیا

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

صیاد دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ
تجکو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

جو اس شور سے میر روتا رہیگا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا

ہیں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے
جیسے ابر ہر سال روتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہو تا رہے گا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا
جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

دل کا نہیں ٹھکانا بابت جگر کی گم ہے
تیرے بلاکشوں کا ہم نے حساب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے
ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

گزرا بنائے چرخ سے نالا پگاہ کا
خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں پناہ کا

طوفِ مشہد کشتیں جو آؤں گا
تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا
کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

کبتک یہ ستم اُٹھائیے گا
اک دن یونہی جی سے جائیے گا

شکلِ تصویر بیخودی کب تک
کسی دن آپ میں بھی آئیے گا

شرکتِ شیخ و برہمن سے میر
کعبۂ و دیر سے بھی جائیے گا

اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد
کسی ویرانے میں بنائیے گا

گُل کو محبوب میں قیاس کیا
فرق نکلا بہت جو باس کیا

صبح تک شمع سر کو دُھنتی رہی
کیا پتنگے نے التماس کیا

سوجھتا کچھ نہیں ہمیں اُس بن
شوق نے ہم کو بے حواس کیا

تا بمقدور انتظار کیا
دل نے پھر زور بیقرار کیا

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

دل کتیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے اور ہم سے بجھایا نہ گیا

گُل نے ہر چند کہا باغ میں رہ پر اس بن
جی جو اُچٹا تو کسی طرح لگایا نہ گیا

گھلاتے ہیں جو گُڈی کا پیچ اُس کے میر
سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

مانندِ شمع آتشِ غم سے پگھل گیا،
بزمِ جہاں میں روتے ہی روتے ہیں گل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

میں غش کیا جو خط لے اُدھر نامہ بر چلا
یعنی کہ فرطِ شوق سے جی بھی اُدھر چلا

پوچھیؔ دیکھ ہنسکے رُخِ زرد پر مرے
کہتا ہے میر رنگ تو کچھ اب نکھر چلا

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس
ہائے افسوس صد ہزار افسوس

رخصتِ سیرِ باغ ہم کو نہ ہوئی،
یونہی جاتی رہی بہار افسوس

گُل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل
اک مشت پڑے تھے گلشن میں جائے بلبل

کی سیرِ جذبِ الفت گلچین نے کل چمن میں
توڑا تھا شاخِ گُل کو نکلی صدائے بلبل

ٹک لطف سی ملا کر پھر گو کبھو کبھو ہو
سو تب تلک کہ مجکو ہجراں سے تیری خو ہو

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

جنون میر کی باتیں دشت اور گلشن میں جب چلیاں
نہ چوبِ گُل نے دم مارا نہ چھیڑیاں بید کی ہلیاں

مطرب نے پڑھی تھی غزل اک میر کی شبکو
مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سبکو

ہوگا کسی دیوار کے سائے میں پڑا میر
کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

مرتے ہیں تیری نرگسِ بیمار دیکھ کر
جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر

جاتا ہے آسمان لیے کوچے سے یار کے
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

افسوس وے کہ منتظر اک عمر تک رہے
اور مر گئے ترے تئیں یکبار دیکھ کر

ڈھب ہیں تیرے سے باغ میں گل کے
بو گئی کچھ دماغ میں گل کے

جائے روغن دیا کرے ہے عشق
خونِ بلبل چراغ میں گل کے

سیر کر میر اس چمن کی شتاب
ہے خزاں بھی سُراغ میں گل کے

رہی گفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زبان میری

ترے فراق میں جیسے خیالِ مفلس کا
گئی ہے فکرِ پریشاں کہاں کہاں میری

آتا ہے جی میں حالِ بد اپنا بھلا کہوں
پھر آپ ہی آپ چپکے کہتا ہوں کیا کہوں

نازِ چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے
ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخِ زعفران ہے

از خویش رفتہ اکثر رہتا ہے میر اس بن
کہتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندے میں کچھ رہا نہیں

نازِ بتاں اٹھا چکا دیر کو میر ترک کر
کعبے میں جا کے بیٹھ میاں تیرا مگر خدا نہیں

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے
اس طرح کے رونے کو کہاں سے جگر آوے

نسیم مصر کب آئی سوادِ شہرِ کنعاں کو
کہ پھر جھونکا یہ یہاں سے لگی گلہائے حرماں کو

گل و بلبل ہے بہر تا کب تقاضا سرسری گذرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

کوئی کانٹا سرِ رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل و گلزار کیا درکار ہے گورِ غریباں کو

کیا سیر اس خرابی کا بہت اب چلکے سو رہیے
کسی دیوار کے سائے میں منہ پر لیکے داماں کو

یہ رسم آمد و رفتِ دیارِ عشق بازی ہے
ہنسی دوں جائے میری اور رونا یوں چلا آوے

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دلِ پُرخون کی اک گلابی سے

جی ڈہا جائے ہے سحر سے ہائے
رات گزرے گی کس خرابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہیں فارغ ہوئے شتابی سے

یہ چشم آئینہ دارِ رو تھی کسی کی
نظر اس طرف بھی کبھو تھی کسی کی

سحر بیخودی یاسِ گل ہم کو لے گئی
کہ اس سمت یہاں میں بو تھی کسی کی

دمِ نزع دشوار دی جان اس نے
مگر میر کو آرزو تھی کسی کی

مر گیا کوہکن اسی غم سے
آنکھ او جھل پہاڑ او جھل ہے

کل بارے ہم سے اس سے ملاقات ہو گئی
دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی

کتنا خلافِ وعدہ ہوا ہوگا کہ وہ یہاں
نومیدی اور امید مساوات ہو گئی

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے

دکھائی دیے یوں کہ بیخود کیا
ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے

کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے مُنہ بھی چھپا کر چلے

کہیو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں
جان و ایمان، محبت کو دعا کرتے ہیں

بے بسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے بنے
نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سُنا کرتے ہیں

اس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر
ایسے ہنگامے تو یاں روز ہوا کرتے ہیں

دلِ پُرخون ہے یہاں تجھکو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو ٹک اک دیکھنے آنکھوں کی
ہر مژہ پر مری اشکوں سے رواں ہے شیشہ

جا کے پوچھا جو میں کل کارگہہ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ

کہنے لاگا کہ کدھر بہکا پھرے ہے اے مست
جس طرح کا جو تو چاہے تو یہاں ہے شیشہ

دل ہی سارے تھے پہ اک وقت میں جو کر کے گداز
شکل شیشے کی بنائے ہیں کہاں ہے شیشہ

گرم ہیں شور سے تجھ حُسن کے بازار کئی
جلتے ہیں رشک سے یوسفؑ کے خریدار کئی

کب تلک داغ دکھاوے گی اسیری مجھ کو
مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہیں

بیقراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے میر کہ اک دم تجھے آرام نہیں

نہیں وسواس جی گنوانے کے
ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میرے تغیرِ حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا
اور بھی وقت تھے بہانے کے

رنج کھینچے تھے داغ کھائے تھے
دل نے صدمے بڑے اٹھائے تھے

کچھ نہ سمجھے کہ تجھے یاروں نے — کس توقع پہ دل لگائے تھے
اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں — یاں کبھی سرو و گل کے سائے تھے

ہجرت میں نامہ بر کی دیتے ہیں جان تلک تو — اب کارِ شوق اپنا پہنچا ہے یاں تلک تو
افسانہ غم کا لب تک آیا ہے مدتوں میں — سوجا کیو نہ پیارے اس داستاں تلک تو

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں — اب ہمنے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ٹک سُن کے سو برس کی ناموسِ خامشی کھو — دو چار دل کی باتیں اب منہ پہ آئیاں ہیں

کام آنے کا نہیں ایک بھی یار آخر کار — ہاتھ سے جائیگا سر رشتۂ کار آخر کار
چشم وا دیکھ کے ٹک کیجو چمن میں نرگس — آنکھوں میں جاتی رہیگی یہ بہار آخر کار

ڈوبے اُچھلے ہے آفتاب ہنوز — کبھی دیکھا تھا تجکو دریا پہ
مدت سے لگ رہی تھیں آنکھیں نہ حرم سے — پردہ اُٹھا تو لڑیاں نظریں ہماری ہم سے
اندنوں یاروں کی نظروں سے نہاں رہتے ہو — خوش رہو میر مریچاں جہاں رہتے ہو

رُباعی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہمنے — خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر — مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے
مدت کے جو بعد جی بحال آتا ہے — خاطر پہ جہاں جہاں ملال آتا ہے
وے ڈوں گئے جان یوں چلی جاتی ہے آہ — رہ رہ کے ہمیں یہی خیال آتا ہے

از احوالِ متاخرین وارث رقم دقائق و حارث اجم حقائق حارس سحر و رسوم وحاکم محکمہ علوم ورگلشن فضل وکمال عندلیب حضرت شاہ قطب الدین المتخلص بہ مصیب برادر بزرگوار شاہ اجمل کہ پیشتر مذکور شد از فرزندان شاہ خوب اللہ الہ آبادی، فاضل و عالم شاعر فارسی و عربی گاہ گاہے برائے خاطر ریختہ گویاں آن دیار ریختہ ہم میفرمود از جینہ سے برائے زیارت مکہ معظمہ رفت و بعد از مراجعت منزلِ مقصود جان بجان

آفریں سپرد نور اللہ مرقدہٗ - از وست ؎

سیاہ بخت کے گھر کون ہے جو لائے چراغ — مرے مزار پہ جلتا ہے دل بجائے چراغ

مشکل کہ پہنچے اس صفِ مژگان میں دل تصیب — کیونکہ سپاہی جائے فرنگی کی باڑھ میں

مولوی غلام حسین المتخلص بہ مجذوبؔ الہ آبادی، عالمِ بےنظیر و فاضل خوش تقریر مبارزِ میدان دلائل جاں باک سوارِ عرصۂ فضائل، شاعر فارسی بود، بندہ با وے ملاقات نہ کردہ لیکن اکثر از زبانِ یاران آن دیار وصف آں بزرگوار شنیدہ، درا وائل چندے ریختہ ہم گفتہ طبع ورد مند داشت، از کلامش ظاہر است، اصلش از شاہجہاں آباد بود و برائے تحصیل علم در آں شہر آمدہ استقامت نمود، چنانکہ مدتہا ماند مشہور بہ الہ آبادی شدہ، از مدتے جان بجاں آفریں سپرد رحمہ اللہ ؎

زمیں پر مت ٹپک اشکو نہ ہے یہ سنگ نہ سل ہے — ارے او بیمروت یہ کسی کمبخت کا دل ہے

کوئی نہ منع کرو اس کو مے پرستی سے — ابھی بہ نامِ خدا عالمِ جوانی ہے

یہ نہیں ممکن کہ ہے زاری دلِ ناکام کم — گرچہ آنکھوں میں نہیں باقی ہے پھر نامِ نم

جب سے دل اٹکا ہے زلفوں میں نہیں کرتا ہے آہ — صید کو لینے نہیں دیتا یہ کافر دام دم

بات کہتا غیر سے اور دیکھتا ہر دم ہمیں — سب سمجھتے ہیں پیارے یہ تری ایہام ہم

میر قمر الدین المتخلص بہ منتؔ از نجیب زادہائے قصبۂ سونی پت، ہمراہِ نواب عماد الملک بحالِ خوبی بسر میبرد، حقتعالے بسلامت دارد از وست ؎

منت اپنے کو دل دیا تو نے — اے مرے جاں کیا کیا تو نے

شیخ غلام احمد قادری المتخلص بہ منشیؔ ساکن دادری سرکار نارنول کہ قصبہ ایست از دار الخلافۂ شاہجہاں آباد، از شاگردان مرزا مظہر جان جاناں پیشتر واقف تخلص داشت چون از شاہ واقف واقف شد منشی، نمود در انشا پردازی خیلے مربوط است شعر فارسی نیز میگوید و ریختہ ہم، از چندے وارد فیض آباد است، خوش اوقات و پاکیزہ صفات، تلاش بہ دست

تازہ می نماید خدا سلامتش دارد۔ از وست ؎

سجن تیر نگہ سے کر ھرے دل کو نشان اپنا
کہ میں قربان کیا ہی تجھ کماں ابرو پہ جاں اپنا

چرا لیتا ہے نقدِ حسن کو آئینہ آنکھوں میں
خدا کے واسطے ٹک کر جیا کو پاسباں اپنا

نگر بیا سا ہے زخمِ دل تری بیداد کا ظالم
کہ تر کرتا ہے آبِ تیغ سے ہر دم دہاں اپنا

نہ پہنچی مجکو آفت ہرگز اس گردوں کی گردش سے
زمینِ خاکساری کو کیا میں آسماں اپنا

مسافر تخلص نمیدانم از کیست و کجائیست اینقدر میدانم کہ از معاصرین مہمن است یک شعر از و بگوش خوردہ از کلامش چاشنی تصوف می آید از وست ؎

اب چھوڑ کر کنشت جو کعبے کو جائیے
واں بھی یہی صنم ہو تو کیا منہ دکھائیے

شیخ ولی اللہ المتخلص بہ محب مرد بیست لوکری پیشہ خوش اندیشہ اصلش از شاہجہان آباد است از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا سخن او خالی از لطف نیست پیش مہربان خاں بطرف فرخ آباد بسر میبرد از وست ؎

عارض اُسکے تھے عرق سے یوں سحر بھیگے ہوئے
جسطرح شبنم سے دو گلبرگ تر بھیگے ہوئے

اشک سے مژگاں ہی نم تجھ تک پہنچتی نہیں نگاہ
مانعِ پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

میاں کاظم علی المتخلص بہ مفتون از جوانان الہ آباد است گاہ گاہ فکرے نماید از وست

شکایت کیا رقیبوں کی کروں اس لاابالی سے
سمجھتا ہی نہیں کچھ نیک و بد وہ خورد سالی سے

شاعرِ دردمند و گدا از حافظ فضل علی المتخلص بہ ممتاز سر رشتہ طرزِ کلامش استوار و گلِ فکر بیانش رشک لالہ زار سخنش شاعرانہ و طرزش اُستادانہ فردیست حافظ قرآن از شیخ زادہائے شاہجہان آباد از تلامذۂ مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ شنیدہ ام کہ الحال بطرف دکھن رفتہ۔ یک مثنوی مسمے بہ لاٹھی نامہ خوب گفتہ کہ سلسلہ او را تا بہ عصائے کلیم رسانیدہ و سیے مانند شاخِ گل بر و گلہائے فکر دوانیدہ چند بیتے از آں بیاد است من مثنوی ؎

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ تحفہ چیز — سب سے ہے ممتاز کو لاٹھی عزیز
کوچ و مقام اُس کا ہی سب اپنے ہاتھ — جب کہیں چلیے تو ہے بے عذر ساتھ
ہاتھ میں رکھتے ہیں اسے ہوشمند — ڈرتے ہیں سب اس سے درندہ اور گزند
کھینچ نہ سکیے جہاں شمشیر و تیغ — اُس کو لگا بیٹھیے واں بے دریغ
اتنا کم آزار اور اس پر شفیق — اور بھی کوئی ہے کسی کا رفیق
کس میں یہ توفیق ہے کیجو خیال — ہاتھ پکڑ گرتے کو لیوے سنبھال
چوب نہیں دلبر خوش خو ہے وہ — یار ہے وہ قوت بازو ہے وہ
اسکے گھرانے کو جو کیجے خیال — چھوٹے بڑے جتنے ہیں سب فی کمال
کوئی تو ہے خامۂ معجز طراز — کوئی ستمگر ہے نئے نغمہ ساز
کوئی تو ہے ہمسر تیغ و قلم — نام بزرگان پہ بزرگی علم
اُس کے گھرانے کو بڑائی قدیم — دال ہے اعجاز عصائے کلیم
بیہودہ رکھنے سے وہ وارستہ ہے — راستی اپنی پہ کمر بستہ ہے

غرض ازیں قبیل بسیار گفتہ و دُرہائے معانی سُفتہ من اشعارہ سہ

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا — ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا
عشق کے غم سے کوئی ہیش مقدم نہ سمجھ — یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ
ڈروں میں کس لیے رنجش سی یار میں کیا تھا — میں اب تک انکو جو روؤں بہار میں کیا تھا
جفائے یار نے کسطرح کر دیا مایوس — اور اپنی خاطر امیدوار میں کیا تھا
ترے ہی واسطے آئے عدم سے ہم یاں تک — وگرنہ ہستی ناپائدار میں کیا تھا
کوئی ہزار دعا مانگے یا کرے تعویذ — لکھا ہوا نہ مٹے کوئی کیا کرے تعویذ
میں تیرے داغ کو رکھتا ہوں اسلیے دل میں — کہ آشنا کا دیا آشنا کرے تعویذ
کیونکے سرسبز ہو شاہی و گدائی کی ہوس — رہ گئی آہ مرے دل میں خدائی کی ہوس

بال و پر توڑ کے جب تو نے قفس کو سونپا — وہیں آخر ہوئی صیاد رہائی کی ہوس
طالب وصل بتاں پھر بھی ہوا ہے ممتاز — دل میں باقی ہی کچھ اک داغ جدائی کی ہوس

گزرا کبھی شاید کہ وہ بیباک چمن میں — آتا ہے نظر جامۂ گل چاک چمن میں
اک روز میں ممتاز سے پوچھا کہ تو چل باغ — تا غنچۂ گل دیکھیے اور تاک چمن میں
اتنا ہی کہا سن کے مری بات کو بھر آہ — بن یار کروں سیر چمن خاک چمن میں

ہمارے رونے میں دل سے بخار اٹھتا ہے — کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے
ہے اندنوں دل نالاں فرنگ کا گھڑیال — رہے رہے کبھی آپ ہی پکار اٹھتا ہے

عشق میں عرض تمنا مانع دیدار ہے — میرا ہی دست دعا منہ پر مرے دیوار ہے
دل کے لیجانے سے کچھ خاطر پر اپنی تو نہ لانا — جب تو رہ ممتاز پھر دیوے گا آخر یار ہے

یاد اس شوخ کی اس دل میں بھری رہتی ہے — لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے
گو کہ آنسو نہ رہے تو بھی ہے یاں نم باقی — چشمہ ہر چند کہ ہو خشک تری رہتی ہے
مست ہنر پر تو ہو ناداں مدد بخت ہی شرط — قابلیت جو ہے ممتاز دھری رہتی ہے

جو کیفیت نہ مے میں ہو تو کیا خمار میں ہو — جو رنگ و بو نہ گل میں ہو تو کیا بہار میں ہو
جلا پتنگ تو روتی ہے اسکے حال پہ شمع — بلا سے یہ بھی کہیں طور اپنے یار میں ہو
نکر تو جبر نصیحت کا ہم پر اے ممتاز — سخن تو کہتے ہیں اس سے جو اختیار میں ہو

بے نیازی عشق کی وہ سمجھے تمھارا ناز یہ — اس کا کیا انجام ہوگا جس کا ہے آغاز یہ

ازموزونان جہان و خوشگویان زمان خانصاحب مہربان محترم خان المتخلص بہ محترم جوانے است خوش معاش و یار باش نوکری پیشہ، ہمراہ برادر خود خواجہ محمدی خان کہ صاحب رسالہ در سرکار نواب قاسم علیخان بہادر بود عمدہ روزگار ماندہ ہمہ برادرانش شوق شعر دارند، در آں میاں از ہمہ طرز کلامش موثر، از شاگردان شاہ رکن الدین عشق تخلص، با فقیر بسیار آشنا است، خدایش بسلامت دارد۔

از وست ؎

جو دل سے گرے اہل دلوں کے وہ کدھر کا   دنیا کا نہ دین کا نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا
اہ ہم بیسر کو کہاں جائیں   یار بن سونی ہیں سبھی جائیں
کوئی تیرا خیال جاتا ہے   دل کو ہر چند یار سمجھائیں
ملنے کی میاں تری ہوس کر   رہجاتا ہے ہائے دل ترس کر
سو بار گر لبوں پہ آ مری جان پہنچے   تو بھی نہ دیکھنے کو وہ بدگمان پہنچے
پیغام تو جیتوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک   شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے
جس نے دیکھی ہو یار کی صورت   کب خوش آوے بہار کی صورت
محترم کیا بیاں کروں تجھے   اس دل داغدار کی صورت
خون ہو کر سرشک ہوتا ہے   اس میں ہوتی ہے یار کی صورت
پونچھوں اس کو اگر میں دامن سے   نکل پکڑے نگار کی صورت
یعنی مٹتی نہیں ہے آنکھوں سے   ہائے ری ہائے یار کی صورت

مجنوں تخلص شخصے ست در عظیم آباد، طبع موزوں دارد شعر خود را پیش میر ضیا سلمہ اللہ میگزراند از مذاق کلامش بوے دردمندی می آید از وست ؎

جی مرا از بس ترا محو خیال نور تھا   دل سے جو شعلہ اُٹھا تھا سو چراغ طور کا
دن میں سو سو بار اُس کے روبرو جانا مجھے   اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانا مجھے
کتنا سمجھاؤ کوئی شوخ مرا سمجھے گا   مجھ پہ جو کچھ کہ گزرتی ہے وہ کیا سمجھے گا
خط تو بھیجا ہے پر اب خوف یہی ہے دل میں   میں نے کیا اسکو لکھا اور وہ کیا سمجھے گا
اتنو بھولا ہے تو نا بوتی یہ بتاں کی مجنوں   پر کوئی دل کو مرے یار بھلا سمجھے گا
تیری تو گرد کو بھی نہ ہرگز صبا لگی   اے میری خاک تجھکو کہاں کی ہوا لگی
نہ دل ہے نہ جگر داغدار پہلو میں   بسا ہے آ کے کوئی بیقرار پہلو میں

بہت سے آیا ہے وہ ٹکڑا انتڑا آئینے کو — تب سے اپنی بھی نہیں ہے خبر آئینے کو
بھول کر منہ کہیں اپنے کہیں دیکھا تھا — بیخودی ہے اُدھر اُس کو ادھر آئینے کو
سر سے لے پانوں تلک آپ ہوا جاتا ہی — لگ گئی وائے یہ کس کی نظر آئینے کو
کچھ اور تو نہ لیے دل کا سراغ پایا — پھر پھر اُسی جگہ پہ سینے میں داغ پایا
گرتا ہوا نت ایک زمین آسمان رہوں — مانندِ ریگ شیشۂ ساعت جہاں رہوں
ڈرنا ہی مناسب تھا دلدار کی آنکھوں سے — مارا نہ مجھے آخر کس پیار کی آنکھوں سے

دہی تجیاسب رام منشی تخلص از شاگردانِ شاہ قدرت درمرشدآباد بسر میبرد از مردمان بہان دیار است گاہ گاہ فکر شعرے شاید از وست ؎

نیزے دل سے گرہ کینہ کوئی تب کھولے — غوطہ گر مار سکے آب گہر میں ناخن

از موزونانِ جہان پاد ملیچان ساکن شاہجہان آباد صاحب طبع و دردمند المتخلص بہ ہنرمند از شاگردانِ مرزا فدوی، از وست ؎

بھلی سینے خبر صبا د آیا — موے جب ہم اُسے تب یاد آیا
نزع تک وصل کی ہے بار امید — ہے مثل ایک دم ہزار امید
لگی ہے جسقدر میرے دلِ بیتاب میں آتش — نہ دیکھی ہوگی تو نے شمع اپنی خواب میں آتش

میاں محمدی مائل، تخلص از ساکنان شاہجہان آباد است الحال درمرشدآباد شعر خود را بپیشِ شاہ قدرت میگزراند فکر معقولے دار و سلامت باشد ؎

جلوہ گر تو پردے ہی میں تو لے جانہ تھا — دیر بھی دیکھا تو تیرا خاص خلوتخانہ تھا
حال کہنے کی نہ دی گریہ نے فرصت آنکو — آج پھر کہیو اُسے مائل وہ کیا افسانہ تھا
کیوں نکالے ہے مجھی ہر گھڑی اپنے گھر سے — میرے رہنے سے تجھے کیا ہے خلل جاؤنگا
غیر کے پاس کھڑا تھا میں کہا جایاں سے — لگا کہنے کہ تجھے کیا ہے بے چل جاؤنگا
تو تو مجھ پہ ہو کے غصہ ایک دم سوتا رہا — شمع کی مانند ساری رات میں روتا رہا

معلوم نہیں کچھ دلِ غمخوار کی خبر　　کیا جانیے کہ کیا ہے مرے یار کی خبر
بازاریوں نے گو تجھے کچھ کچھ کہا تو کیا　　کب معتبر ہے کوچہ و بازار کی خبر
کیا کیا کہوں میں تجھسے دلِ زار کی ہوس　　مشہور ہے جہاں میں بیمار کی ہوس
ہونے نہ دے قیمت آگئے ہی اے دل لگانا جا　　دیکھیں کہاں تلک ہے خریدار کی ہوس
کہتا تھا کہ بار آ ہر دم کی اس منتی سے　　آخر گیا نہ ظالم اک بیگناہ جی سے
کچھ تعجب نہیں گر مر گیا تیرا مائل　　یار کیا لگتا ہے انسان کے مرجانیکو
مار اسے مجھے تو فکر نہ کر تو کہ یہ تو بات　　مشہور ہے کہ مار کے پیچھے سنوار ہے

منتظر تخلص. شخصے است در مرشد آباد، احوالش معلوم نیست ہمیں مطلع بگوشش رسیدہ ؎

جبکہ برقع سے ترے منہ کا تل آوے باہر　　دیدکو اُس کی سویدائے دل آوے باہر

بندہ معنی این مطلع ہیچ نہ فہمیدہ برائے نام قلمی نمودہ الا درین شعر سوائے مناسبت خال وسویدائے دل معنی وربط کلام پیدا نیست ـ

شہرستان معانی وباغستان سخندانی طبعش بغایت متین ونظمش نہایت مبین شیخ محمد معین الدین المتخلص بہ معین از شہر بداؤن است، طرز کلامش شاعرانہ وطبع وقت پسندش برنکتہ چینی دیوانہ اکثر باشعرائے معاصرین بحثیں دارد چنانچہ یکبار برشعر فقیر اعتراض بیجا نمود ہر چند فہمانیدم نفہمید ـ سند مرزا رفیع دادم قبول نکرد وگفت دیوان مرزا من صحیح دارم درو این طور نیست ـ غرض ہر جا کہ بحثیں لفظے یا بہ دیوان اُستاد خود را موافق طبع خود درست کند وسخن خود را سر سبز مے نماید چون از شہر بداؤن است حق بجانب اوست لیکن باوجود اینہمہ خود آرائی وخود پسندی مثل او ہم صاحب طبع پیدا نیست مثنوی وقصیدہ وہجو ہمہ خوب میگوید، ہجو کشمیری وقصیدہ در مقدمہ آب برد کہ ہندی ڈوبہ میگویند بسیار باآب وتاب گفتہ مدتے در الہ آباد بسر بردہ الحال شنیدہ ام

کہ بطرف خیرآبا داست خیرآبا دیاشد۔ از وست ؎

دیں جگہ تیری جفا کو دل صد چاک ہیں ہم — دیکھیں گر کچھ بھی وفا تجھ بت بیباک ہیں ہم
نقش پا کی نمط اے راحت جانِ عاشق — تیرے قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک ہیں ہم
لخت دل نہیں ہی جو بہے نکلے ہیں نیت قاصد اشک — ٹپ تیرے حال اپنے کے بھیجے ہیں تجھے ڈاک ہیں ہم

این مضمون بسیار خوب است لیکن بندشش درست نیست ہر کہ محاورہ دانست

میداند۔

خوش ہم عریانی سے اتنے ہیں بہ رنگ بوئے گل — نکلے جاتے ہیں ٹھہرتے نہیں پوشاک ہیں ہم

"خوش ہم عریانی" ناموزون است چراکہ میم بار ار چنان چسپیدہ است کہ عین چوں

چشم غزال ازمیان رم کردہ است واین سخت عیب است نیز از وست ؎

نہ پھرے نالوں سے راتوں کو معین دن ایسے — آہ کتنا کے رہینگے گردش افلاک ہیں ہم
یہ جان تاب تب عشق سے جلی افسوس — کسی نے آن کے اکدم خبر نہ لی افسوس
. . . . — نہ آیا یار دوپہری بھی اب ڈھلی افسوس

مصرع اولے از خاطر رفتہ است۔

این محاورہ درست نیست، مردم شاہجہاں آباد دوپہر ڈھلی میگویند نہ دوپہری

مگر مردم پیر دہجات۔

اٹھائے دیتے ہیں اہل محلہ اس کو آج — معین سے چھٹتی ہی بلا یہ تری گلی افسوس
بیتاب ہو پتنگ جو فانوس میں ہو شمع — یارب کوئی اسیر بت خانگی نہ ہو

مضمون خوبے یافتہ مگر لفظ بت خانگی نامانوس است فقیر در ہیچ جا نشنیدہ،

میاں یہ آرسی ہر ایک کو منہ دکھاتی ہے — تو ایسی تجھ سے کیوں انکھڑیاں لڑاتا ہے

شاہ مجنوں مجنوں تخلص، نومسلم، نبیرہ لبشن ناتھ کہ دیوان محمد شاہ بود پدرش

نیز ہماں مذہب داشت این غریب مسلمان شدہ لیکن تا حال بوے کفر و نفاق از دلش

برہنہ سر و پا برہنہ با حالِ پریشان میگردد پیشتر حسرت تخلص داشت بعدہ حافی نمود چون بصحبت میر انشاء اللہ رفت مجنوں تخلص کرد، خود را از شاگردانِ میر تقی می شمارد لیکن ہمان مثل است خرِ عیسےٰ اگر بمکہ رود، از وست۔

پھر اب یہ جو نچلا ہے کل وہ ول قرار ٹھہرا	کہتا ہے مجھے چل بے تو کب کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجکو جٹ سو	تو اپنے منہ سے آ بھی بے اعتبار ٹھہرا

بدیع الزمان خان المتخلص بہ مخلص جوانے است حسین عمدہ روزگار اصل او از شاہجہان آباد است مدتے درخدمتِ فراشخانہ سرکار نواب عالیہ سرفراز بود از چندے معزول شدہ بوطن خود رفت، از شاگردانِ شاہ واقف، جستہ جستہ خوب میگوید با فقیر نیز آشنا است خدا سلامت دارد ؎

ہاں نکلتا ہو تمجھو نالہ جگر سے باہر	اندر تو ان تیری ہے تاثیر اثر سے باہر
شکو خورشید صفت صبح کو مانند ہلال	دیکھا اُس کا تو ہے شام و سحر سے باہر
لیجا تو دل کو یوں تو ترا اعتبار ہے	پہ شرط اس زمانے میں قول قرار ہے

محمد علیخان ولد نعیم اللہ خان مشہور بہ مرزائی مرد بیست بکمال قابلیت و انسانیت خوش معاش و عمدہ روزگار در سرکار نواب عالیہ اکثر بخدمات دور دست سرافراز میشود در علم موسیقی ہم دستے بہم رسانیدہ و ذوقے پیدا کردہ بیشتر مشغول ہمین است گاہ گاہے دو سہ شعر ہم میگوید حقتعالی سلامت دارد ؎

رباعی

جو کوئی کسی کو یار کلیا دے گا	یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل یاد ریگا
اس دور مکافات میں تم ای غافل	بیداد کرے گا آج کل یاد لگا

مرزا علی نقی محشر، تخلص از کشمیر است در بلدہ لکھنؤ استقامت دارد لیکن وقتی کہ تخلص قیامت دارد سلامت باشد از وست ؎

دریا میں لیکے لاش کو میری بہا دیا   قاتل نے میرے قتل کا یہ خوں بہا دیا

بہارستانِ باغ سخندانی و چمنستانِ گلزار معانی شیخ ہمدانی المتخلص بہ مصحفی طبع رواں‌اش جدولِ کتابِ فصاحت و فکرِ بیانش مسطرِ بیاضِ بلاغت، رنگینیِ نظمش سرخیِ بابِ گلستان و پیچیدگیِ الفاظش چون سنبلِ بوستان از نجبائے امروہہ مولدش اکبرپور کہ قصبہ ایست وطنِ بزرگانش از قدیم متصل دہلی الحال در شاہجہاں آباد بہ پیشۂ تجارت بسر میبرد از دیوان او دو سہ جزو بنظر در آمدہ قصیدہ و غزل و مثنوی ہمہ خوب، کلامش بیشتر شاعرانہ، از تخلص او معلوم مے شود کہ مرد ے صالح است، برائے حجام پسر مثنوی خوب گفتہ چنانچہ این چند شعر قلمی مے شاید از مثنوی اوست ؎

زبس آئینہ رو ہے طفلِ حجّام   نہیں بن دیکھے اس کے دل کو آرام

جو دیکھے انگلیاں وہ گوری گوری   بنے خورشید پانی کی کٹوری

وہ جس کے روبرو ناگاہ آیا   اُسے حیرت نے آئینہ دکھایا

ملا جب آئینے کو اب نائی   بنائی جب ادا ابرو کو صفائی

نہ کھینچے خامۂ مو اسکی تمثال   کہ وہ ہے عاشقوں کی ناک کا بال

سنے ہو مصحفی اب تو بھی فی الحال   منڈا کر سر کو ہو جا فارغ البال

من غزلیاتہ

برہم زن تقریر نہیں پیر و جواں کا   جوں غنچہ میں عقدہ ہوں اپنی ہی زباں کا

پیری میں اور بھی ہوئے غافل ہزار حیف   بے اعتبار زندگی ہم کو یہ خواب صبح

گل کترتے تھے بلبل مری فریاد کے آگے   سرسبز ہوے شاگرد کب استاد کے آگے

ایکدن رشکے نکالی تھی میں دل کلفت دل   اب تلک دامن صحرا ہے غبار آلودہ

تلخ ہو لیتے میں اس کے مزا ہے کچھ اور   چھیڑ کر گالیاں کھانے میں مزا ہے کچھ اور

مار ڈالا ہے مجھے زلف کی دکھلا کے لٹیں   ہیو فاتیہ بھی کھتا ہی جفا ہے کچھ اور

دلا تا چند آہ و نالۂ بس کر
کوئی دم تو بھلا ضبطِ نفس کر

کوئی خوابیدہ ہم سے جا لگے ہیں
نہ اتنی سعی اے بانگِ جرس کر

جہاں کا گل بنے وہ شوخ یارب
مجھے تو اس چمن کا خار و خس کر

ہے اس کی آئینہ میں خط و خال پہ نظر
کرتا ہے کب ہمارے وہ احوال پر نظر

قلیاں ہوا ہے جیسے لبِ یار کا ندیم
مشتاقِ بوسہ رکھتے ہیں قلیاں پہ نظر

اک حشر تازہ ہوویگا دیوانِ حشر میں
جب ہم کرینگے نامۂ اعمال پہ نظر

یار یہ دونوں اگر کم ہوں تو کم ہیں بہتر
نہ ترا پیار بھلا اور نہ ستم ہیں (ہی) بہتر

او نافہم مریجاں کوئی کیا (ہی) سمجھے
کہ سمجھتے ہیں تری بات کہ ہم ہیں (ہی) بہتر

آچکا خط پہ سرِ مو نہ گیا ناز ہنوز
ہے اسی ڈھب پہ نگاہِ غلط انداز ہنوز

بے پر و بال کیا تو بھی قفس میں مجھکو
چین دیتی ہے نہیں شوخیِ پرواز ہنوز

ہوں میں اے مصحفی آئینۂ تہ زنگ ولے
مجھے غافل ہی مرا آئینہ پرداز ہنوز

ہے دلبروں میں تو ہی عاشقوں کا اک خونریز
لہو بھرا اتنا دامن ہے ہم کو دستاویز

اٹھا غبار تو وہ بھی ہوا مشابہ خط
سوائے ہند کے دیکھی نہ خاک قابلِ تیز

بادل سے برستے ہیں مرے دیدۂ تر روز
ساون کا سا گزرے ہے میاں مجھ پہ تو ہر روز

اغیار کی مجلس میں جو تم جاتے ہو شب کو
آ رہتی ہے اس بات کی ہم تک بھی خبر روز

اے مصحفی اس کوچے میں دل اب کے لگا ہی
جاتے نہیں ور کرتے ہیں ہم عزمِ سفر روز

شوق سے لکھیے اگر جانبِ جاناں کاغذ
ہو کبوتر کی طرح آپ پر افشاں کاغذ

دل بہ دل راہ جنھیں ہوتی ہے وہ آپس میں
بھیجے رہتے ہیں نت غنچے سے پنہاں کاغذ

پڑنے پڑتے جو کوئی ہو سو لکھے نامۂ شوق
بھیجنا یار کو ایسا نہیں آساں کاغذ

ہوئی ہے بسکہ یہ فصلِ بہار دامنگیر
چلیں چمن سے تو ہوتا ہے خار دامنگیر

سمجھ کے رکھیو قدم دل جلوں کی تربت پر — مبادا ہو کوئی تیر اشرار دامنگیر

واقف اے پیک نگہ دیدۂ تر ہے درپیش — دل ہیں برسات کی اور رہ میں خطر ہے درپیش

دل حیران کی مرے دیکھیے صورت کیا ہو — اپنو واں آئینہ ہی آٹھ پہر ہے درپیش

کرے ہی جوں جوں اپنے حسن کی وہ شوخ آرایش — ہمارے عشق کی ہوتی ہی یاں اتنی ہی افزایش

نہیں کچھ مصحفی اتنا تو مفلس سوچیے کیا ہو — بطور امتحاں کیجیے کبھی اس سے بھی فرمایش

دیکھ لیتے ہیں ہم اس گاہ گاہے رد گل — تا ابد رہیو سلامت چاک دیوار قفس

ہے نہاں داغ جگر زخم نمایاں کے تلے — جس طرح لالہ کہیں ہو گل خنداں کے تلے

آشیاں بندی کی تکلیف نکر ہمکو ہوس — گر رہینگے کسی دیوار گلستاں کے تلے

فصاحت بیان و بلاغت نشان بہار پیرایے عبارت خوش اسلوب چمن آرائے معانی مرغوب مرزا غلام حیدر المتخلص بہ مجذوب خلف اوستاد اوستادان مرزا محمد رفیع سودا اسلمہ اللہ تعالے اگرچہ ویرا آشناست لیکن باہر کہ آشناست آشناست علو طبیعتش باوجود سخندانی بخاموشی مربوط و مزاجش بکمال گم گوئی مبسوط، الحق ؎

خاموشی کرد اشت ازکمال داشت — آب گہر بموج صدا نیست آشنا

گاہ گاہ از غزل و شعر فکرے نماید، خدا الٰہیٰ سلامت دارد از وست ؎

اشک آنکھ میں ہو عشق سے تا دلمیں غم رہے — یہ گھر ہے وہ خراب جو آتش سے نم رہے

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر — صیاد نے سنا یہ ترا نالہ تو ہم رہے

چمن میں حسن کے جب وہ گل اندام لے آیا — ادھر غنچہ صراحی اور ادھر گل جام لے آیا

عجب قیمت ہے اپنے دل کی بازار محبت میں — جو کوئی صبح اس کو لیگیا تو شام لے آیا

خوباں سے جو دل ملا کرے گا — دھڑکا ہے یہی کہ کیا کرے گا

شکر ہم اس طرح جہاں سے چلے ۔ یا وہی کچھ نہیں کہاں سے چلے

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لیے ۔ ہیں بھی تو یار کم نہیں دو چار کے لیے

طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار ۔ جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لیے

مجذوب بہر سبحہ و منت تھی شیخ سے ۔ پھر برہمن سے عجز ہے زنار کے لیے

ہمیں کیا لطف ہی منہ دیکھنا دلدار کا اپنے ۔ جہاں وعدہ اُسے عالم سے ہو دیدار کا اپنے

کیا ہے دل نے مستغنی وصالِ یار سے ہمکو ۔ تصور دلمیں نت رہتا ہی اس دلدار کا اپنے

گھر امن کا اُسی کو ملا آسمان تلے ۔ جس نے جہاں میں آن کے مسمار کی ہوس

بتاں قربانی عشاق کی تمہید کرتے ہیں ۔ لگا مہندی کو ہاتھوں میں یہ ظالم عید کرتی ہیں

کہو کسطرح تم سے بحث کریں پیش لیجاؤں ۔ تمہارے ہی سخن کی ملکے سب تائید کرتی ہیں

بھڑک اُٹھتا ہے شعلے کی طرح ہر نخل اے بلبل ۔ چمن میں گر ترے نالے کی ہم تقلید کرتی ہیں

خط بھی نکلے گا ترے ایماہ دن دو چار میں ۔ غنچہ کی معلوم ہوگی چاہ دن دو چار میں

اب تو مجذوب اس صنم کے قول پر بھولا ہے تو ۔ یاد آوے گا تجھے اللہ دن دو چار میں

آہ میں اپنی ثمر ڈھونڈی ہے اے مجذوب تو ۔ سرو میں ہم نے لگیں اب تک نہ پھلیاں دیکھیاں

عداوت سی تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں ۔ بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں

تمہارا ہے جو عہد و وفا ہی اس کی تم جانو ۔ مرے پیماں میں کچھ نوع دگر ہووے تو میں جانوں

نہ اندیشہ کرو پیارے کہ شب ہی وصل کی تھوڑی ۔ تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہووے تو میں جانوں

اشراف یا کمینہ طلب گار ہو کوئی ۔ دونگا اُسی کو دل جو طرحدار ہو کوئی

نہ سایۂ چمن میں نہ صیاد کے حضور ۔ یارب مری طرح نہ گرفتار ہو کوئی

دیکھوں ہوں نقاب میں میں رخسار گاہ گاہ ۔ حق کا نظر پڑے ہے یہ اسرار گاہ گاہ

ہر وقت کی طلب سے مباداا سے ہو قدر   دل مانگتا ہے مجھ سے وہ عیّار گاہ گاہ

گزرے ہے یوں خیالِ وطن جوں کرے ہی یاد   خو کردۂ قفس گل و گلزار گاہ گاہ

طاقت کہاں کہ حال کہے اب طبیب سے   ٹھنڈی بھرے ہے سانس یہ بیمار گاہ گاہ

رسوا تو یہ ہوا ہوں کہ ناصح کی بات کا   کر بیٹھتا ہوں دل میں میں اقرار گاہ گاہ

آوے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا ہو   بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو

مجذوب ترے عجز و تکبّر سے ہوں نالاں   بندہ کبھی ہو بیٹھے ہے تو گاہ خدا ہو

جور و جفا یہ یار کی دل مت نگاہ کر   اپنی طرف سے ہووے جہاں تک نباہ کر

مجذوب گر ہے خواہشِ عشقِ بتاں تجھے   ایمان و دین و دل کو تو پہلے تباہ کر

ہم سے ہو خفا غیر سے نرباہ کرے ہے   یوسف تو مرا اور ونکی اب چاہ کرے ہے

زلفوں کی گرہ دینے سے کچھ فائدہ اے یار   ناحق تو مری عمر کو کوتاہ کرے ہے

اعجاز جو تجھ لب کے کرے گوش فلک پر   عیسیٰ کے رہیں سُن کے نہ پھر ہوش فلک پر

پھرتا تجھے خورشید جو دیکھے بسرِ بام   گردش کو کرے اپنی فراموش فلک پر

تیری ہی سن کر رہتا ہوں میں سخت ایک دو   ہیں غیر میرے سامنے کیا زخت ایک دو

خط لائے ہے یہ کثرتِ عشّاق پھر کہاں   مجذوب سے رہے کوئی کمبخت ایک دو

بد کہنے کو کسی کے معیوب جانتے ہیں   اپنے تئیں کو یار وہم خوب جانتے ہیں

خاطر میں کون لاوے میرا سخن کہ مجھ کو   سودا کا سن کے بیٹا مجذوب جانتے ہیں

میر عوض علی اصلش از شاہجہان آباد است فردِ[1] خشاش و بشاش کشادہ پیشانی خوش معاش متواضع دیار باش شاعر بینظیر و منشی خوش تحریر مخزنِ اشعارِ غرّا معدنِ انشا واللہ المتخلص

---

[1] اصل نسخہ میں یہ لفظ ح سے لکھا ہے لیکن صحیح ہائے ہوز سے ہے۔

مدعا، طبیبِ خوش نصیب بحذاقت قریب بعنایات یزدانی از راہ قدرشناسی و نکتہ دانی خان عالیشان خلف حافظ رحمت عنایت خاں غفر اللہ لہ سد صدرہ و پیہ میدا دچندے در بریلی اقامت داشت الحال معلوم نیست کہ کجاست از اشعارِ ریختۂ او کم بنظر آمدہ مگر این چند بیت کہ در تہنیتِ شادی خانِ بلند مکان محبت خاں سلمہ اللہ در زمین قصیدۂ لپک ٹپک گفتہ۔ چنانچہ بنگارش می آید بعضے مضامینِ تازہ یافتہ و زبان افاغنہ بستہ خدایش سلامت دارد از وست

پھر ہی یا دل شدگاں درپئے آزار فلک | متصل چھڑکے ہی نا سور پہ چھاتی کے نمک
مادے نے کھول دیا ہے کفِ سیمیں اپنا | دوسرا ہاتھ جو پایا تو بجایا دستک
نشۂ عیش سے ہی سرو یہاں تک سرشار | کہ لیا چاہی ہے غنچے کے نمکداں سے گزک
حسن کے خلوتیاں یہ رم حنا بندی میں | شعلے سے باندھی ہیں پروانے کے پاؤں پہ کفک
محفلِ عیش میں بلبل نے بجا دی شہنا | گوشۂ باغ میں غنچے نے اٹھا لی ڈھولک
غمزہ یہ گرم کہ ہو برق زنِ خرمنِ عمر | عشوہ یہ ظلم کہ ہو رہزنِ قومِ نردک
چشمِ آشوب قیامت سے لکھا دے محضر | صفِ محشر کو الٹ مارے ہی ہر ایک پلک
شعلۂ حسن کی گرمی سے عرق ریز جبیں | دیکھی ہو گی کبھی مہتاب میں موتی کی ڈھلک
قلقلِ شیشہ یہ کہتا ہی کہ مت بیٹھ خموش | جام ماری ہے صفِ بادہ کشاں پر چشمک
ساقیِ شوخ کہے ہی کہ غنیمت ہی وقت | ساغرِ عمر تو لبریز ہے مت جائے چھلک
شیخ اگر کچھ بھی ہی غیرت کی تری دل میں ترنگ | ساغر و شیشہ اٹھا سبحہ و سجادہ ٹپک
جشنِ نوابِ فلک رتبہ محبت خاں ہی | جس کی شادی میں ہیں سب جمع بزرگ و کوچک
لختے زادوں کو جو دیکھو تو ہنگامِ سرود | مچ رہا ہی یہی غل رعشہ ہلک ہلک
وہ جو گلگون سواری کا ہی تیری مخصوص | کیا کہوں وصف یہاں عقل چلی جائے بہک
ہر نو نعل ہی اور کاہکشاں بحرِ قطاس | اس کی مدرس ہی فلک پر یہ مرصع اورنگ

دلبر تو مرا کل سے نہیں ناصح مشفق — آج اور تماشا ہی کہ دلبر ہیں نہیں ہی
نہیں ملتا ہی تو مجھ سے بت خودکام کس باعث — نہ ملنا تھا تو پھر مجھکو کیا بدنام کس باعث
یوں دیکھتا ہوں زلف سیہ فام کی طرف — گھبرا کے صید دیکھے ہی جون دام کی طرف
جی چاہی بوسہ دے مجھے جی چاہیے اور کچھ — دیجو پر اپنے دیکھکے تو نام کی طرف
ہوا سر دار پر منصور کے ہونے سے یوں ظاہر — کہ بعد از مرگ بھی عاشق کی سرداری نہیں جاتی
جو چاہی ہوش تو بیہوش ہو جام محبت سے — یہ بیہوشی ہی ایسی جس سے ہشیاری نہیں جاتی

صاحب ہوش و گوش میر نبی جان المتخلص بہ ہوش نبیرہ حضرت خواجہ محمد باسط قدس سرہٗ جوانے است خوش رو و نیکخو از شاگردان میر سوز سلمہٗ ہنوز ابتدائی مشق است اگر زمانہ فرصت میدہد گاہ گاہے دو سہ شعر میگوید با فقیر بسیار آشناست سلامت باشد از وست ؎

لیا جس ناز سے تجھنے مرا دل — خدا جانے ہی اس کو یا ترا دل

مردیست متخلص بہ مشتاق از سلک متوسطین مولد وے شاہجہان آباد است اکثر شعرا و دار اطراف شہر مشہور اند با فقیر در فیض آباد ملاقات شدہ است در احاطہ ایلچی خان مسکن دارد گاہ گاہے در بازار برخورد میشود ظاہرا بہ پیشۂ معلمی جائے قرار دارد عمرش قریب شصت رسیدہ باشد لیکن با این بزرگی بعجز و انکسار پیش می آید نامش از یاد رفتہ است غرض منصف مزاج است چند اشعار او بدست آمدہ بود بطور متوسطین میگوید ؎

نہ لطف نہ کچھ مہر نہ کچھ پیار ہی دیکھا — ظالم سے جو دیکھا سو میں آزار ہی دیکھا
مشتاق کو کیا غم ہے خدا جانے یارو — جب دیکھا اسے ہم نے تو بیمار ہی دیکھا
جو ناز سا تھ آگے نازک مزاجیاں تھیں — اب تو وہ رفتہ رفتہ بیداد ہو چلیں ہیں
ہم غریبوں کی اگر تجھنے نہ کی غمخوارگی — جو رضا تیری پیارے بندگی بیچارگی
نہیں اس قدر دل لگانے کی دہشت — جو کچھ ہم کو ہے اس نہ ملنے کی دہشت

کیا بیاں جلدی کا اُس کی ہو کہ جوں مُرغِ دعا ہاتھ اُٹھانے میں گیا فرش سے لے عرش تلک
گر مصوّر کرے تصویر کو اُس کی منظور قبضۂ وہم سے آڑ جائے ہے بے شبہ و شک

ازیں قبیل تعریف ہر یکے نمودہ بعد قصیدۂ مرزا رفیع سوداؔ دریں زمین الحق کہ خوب گفتہ است خان ذیشان محبت خاں خلف حافظ الملک حافظ رحمت خاں المتخلص بہ محبتؔ باوجود اسباب امارت طبع موزوں بتواضع مقروں دارد بعضی اوقات کہ آں منبع جود وسخا قدردانِ شعرا المضمون تازہ مائل میشود باصلاح خواجہ حسن یا میاں حسرت جرأت نمودہ اشعارِ برجستہ ادا مینماید، اکثر با صاحب سخنانِ زباں از روئے خوش خلقی صحبت میدارد از مغتنماتِ وقت است سلمہ اللہ

آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپکے رقم کرتے ہیں یہ جو ہو جھوٹ تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں
مذکور جو مجلس میں ہوا دوش کسی کا سنتے ہی ٹھکانے نہ رہا ہوش کسی کا
تھا ارادہ تو نہ آتے ایکے ہم تیری طرف پر کریں کیا جو پڑا اپنا قدم تیری طرف
غور کیجو ٹک محبت کی نگہ سے حسرتیں نزع میں بھی دیکھتا ہو دمبدم تیری طرف
زلف سے تیری اتّصال ہُوا خوش مرا آج بال بال ہُوا
عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے آج چہرہ مرا بحال ہوا
غیر کے گھر قدم رکھا تو نے دل محبت کا پائمال ہوا
دیکھتے تھی جو کہ ہم عشق اب تجھے دکھلائیگا کوئی دن میں آپ تو اپنے کیے کو پائیگا
جوں ہمارا دل ہمیں لاتا تھا گلیوں میں تری اُس کے کوچے میں ترا دل اب تجھی لیجائیگا
کی کس نے دلا تجھ پہ یہ بیداد بغل میں سُنتا ہوں جو ہر شب تری فریاد بغل میں
اُس یار سے کچھ مجکو نہیں شکوہ جفا کا جو ہے سو یہ اپنا ستم ایجاد بغل میں
کیا دیوے گا کوئی ہمیں تعلیم محبت رکھتے ہیں ہم اس فن کا تو اُستاد بغل میں
درویش کی خوبی تو تونگر میں نہیں ہے اکسیر میں جو کام ہے سو زر میں نہیں ہے

ملا تو ہوں تجھ سے مرحبا ن لیکن | ابھی دل میں ہی روٹھ جانے کی دہشت
چلے تم میری چشم و دل سی اے سرو روان کیدھر | مکان پیدا کیا ہی دو سرا اے میر یجان کیدھر
غنیمت جان لے مشتاق یہ رنج و تعب اپنا | جہاں دم چل بسا یاں سی تو پھر آہ و فغان کیدھر
پاس خاطر ہم غریبوں کی کہاں منظور ہے | تو تو اپنے حسن میں پر مہرباں مغرور ہے
جی میں خطرہ بھی نہیں تیرا گزرتا لطف یار | سینہ و دل حسرتوں سی یاں تلک معمور ہے
یارب تاک کہ آشنائی ہی | ہم ہیں اور تیری بیوفائی ہی
اپنی ہم بندگی پہ بھولے تھے | پھر جو دیکھا تو واں خدائی ہی

ردیف النون

ازاحوال سلک متقدمین ملا نوری از قاضی زادہائے قصبۂ اعظم پور بود با ملا فیضی بکمال ربط داشت شعر فارسی میگفت گاہ گاہے ہندی ہم میگفت از تذکرۂ محمد قایم ہمیں یک شعر یافتہ شد قلمی مینماید از وست ؎

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد | بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

نامی تخلص از نامداران دیار دکھن است بزبان شہر خود دیوان خوبے دارد چون بنیاد ریختہ اول از زبان دکھن است بنا برین صاحب سخنان این فن و معنی شناسان مغز سخن طرز زبان ہر دیار را معیوب نمیدانند و پیروی معانی میکنند حاصل کلام از کلام نامی بوئے دردمندی ہویداست رحمہ اللہ از وست ؎

مجھکو برہ کے پنتھ میں کاہل نکو کرو | یعنی آپسکے کی یاد سے غافل نکو کرو
ہم دل دیا تمھن کو بارد ن کچھ ہیں | دل ہاتھ لو مرا سبھے بیدل نکو کرو
کاٹو جلاؤ راکھ کرو راضی ہیں ہمن | سب کچھ کرو پر ایک کٹھن دل نکو کرو
اوران تری ہیں یار ہمن ہیں ترے غلام | اوران کے ساتھ نامی کو شامل نکو کرو

سید شجاع الدین دیگر نوری تخلص از سادات بلدۂ گجرات است نوکری پیشہ
دسے بعلاقہ روزگار در حیدر آباد بسر بُرد از بسکہ قابلیت داشت و مردم آں دیار
درانوقت قابل دوست بودند رفتہ رفتہ بہ تعلیم پسر وزیر سلطان ابوالحسن تانا شاہ
مقرر گشت و عروجے بہم رسانید آخرالامر حاسدان آں دیار او را بمحبت وزیرزادہ
متہم ساختند بیچارہ ازانجا غربت گزیدہ در بلدۂ سرہند استقامت ورزید چندے
سر بردہ برحمت الٰہی پیوست غفر اللہ لہٗ از وست ؎

نوری اپنے دل کی کسی سے نہ کہہ سکا　　　حاصل بھلا اب اس سے دوانے جو تھا سو تھا

از شعرائے قدیم **مرزا علی قلی** ندیم از تخلص متوطن شاہجہاں آباد مردے بود
بکمال قابلیت شعر فارسی و مرثیہ و ریختہ بخوبی میگفت
چنانچہ اکثر از مرثیہائے او مشہور اند رحمہ اللہ از وست ؎

جُدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں　　　بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

بیقرارِ عشق کو ہے زندگی نقص کمال　　　مر چکے سیماب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

از احوال متوسطین | **محمد شاکر ناجی** تخلص معاصر میاں آبرو اوائل سلطنت
محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرایف مردمان را بخندہ می آورد
و خود نمیخندید مگر تبسمے میکرد متوطن شاہجہاں آباد بود تلاش صنعت ایہام بسیار
داشت کہ رائج الوقت متوسطین بود خدایش بیامرزد از وست ؎

نمکین حسن دیکھکر پی کا　　　رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا

دیکھ موہن تری کمر کی طرف　　　پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

رکھیو مت چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی　　　لب صدف کے تر نہیں ہرچند ہے گوہر میں آب

تری نگاہ کی گرمی سے اے کماں ابرو　　　ہمارے سینہ میں تودا ہوا ہے تیروں کا

پیالہ پیوے ہے سو نہوروں سے　　　کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

کریو کرم ای دوستاں پھر ہم کہاں اور تم کہاں — نہیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

آج تو ناجی سجن سے کرلے اپنا عرض حال — جینے مرنے کا نہ کر وسواس ہونا ہو سو ہو

غم نہیں گر دلبری ہی دل کو لیجاتا ہے وہ — پاس میرے تب تو آتا ہی جو دل پاتا ہے وہ

تبسّم یہ رقیبوں سے خلل ہے — تری بھاویں ہنسی میری اجل ہی

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے — قیامت کا جو دن سنتے تھی کل ہی

ہوا جب آئینے میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ — جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھا کیا ہے

نرگس کہتیں ہیں ہرگز لاتا نہیں نظر میں — دیکھی ہیں میں نے پیاری آخر تمھاری انکھیں

مجھکو باتوں میں لگا کیا جانئے کیا کہہ گیا — لیچلا جب دل کہتیں منہ دیکھتا میں رہگیا

ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف — حیف ناجی کو نپوچھا کس لہر میں بہ گیا

جو کوئی کچھ کہے پگھل جاوے — شمع وہ ہے ہمارا موم کی ناک

نہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتیں ہیں — یہ دن بہار کے ایجان مفت جاتے ہیں

ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہکے دیا — جنھوں سے وعدہ کیا ہی انھیں جھپاتے ہیں

اُس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں — عارضی میری زندگانی ہی

تجھکو کیوں کر جدا کروں ایجاں — زندگانی بہت پیاری ہے

جان ہے جیو ڑا ہے دلبر ہے — پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جاں بخش آگے تیرے سجن — جو مسیحا کا نام لے خر ہے

ان بتوں کو ہم فقیروں سے کہو کیا کام ہی — یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہی

سخن سُن اُس بُت کا فرادا کا — جیا ہوگا کوئی بندہ خدا کا

نپوچھو تو دبجود ہی عارض خورشید کی خوبی — لیا ہی ذرہ ذرہ حسن مہرویاں سے کر چندا

بلند آوازہ سی گھڑیاں کہتا ہے کہ اے غافل — کٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نادر تخلص مردے بود در عہد محمد شاہ غفر اللہ در کوٹلۂ فیروز شاہ میماند بہ ندرت سخن

میگفت اشعارش کم بہم میرسد مثل مشہور است کہ النادر کالمعدوم فکرش بایہ
سخنش با استادان ہمسایہ خدایش بیامرزد از وست

زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دوری ہے یہ ۔ ہر گرہ میں اس کی دل ہی گانٹھ کی پوری ہے یہ
دلبر کہیں ہو چشم سے عاشق کی دور نہیں ۔ دل مل رہے ہیں چشم کا ملنا ضرور نہیں
لپٹی ہی جا ہے مکھڑے سے خورشید رو کے زلف ۔ اتنی بڑی ہوئی ہے پہ ذرہ شعور نہیں

مرزا نور اللہ از مردم شاہجہان آباد بود کہ ہر یک فرنگی بچہ تعشق بہم رسانیدہ آوارہ
میگشت یعنی کارش بسودا کشیدہ بود دگر احوالش معلوم نیست از وست

کبھی تو آ کے مرے دل کے داغ کو دیکھو ۔ یہ یوں جلے ہے کہ جیسے چراغ کو دیکھو

علی نواز خاں مرزا مدو کہ از عمدہ رفقایان عمدۃ الملک بودند چنانچہ الحال درہمیں
شہر موجودند ایں شعر بنام او شنیدہ شد خدایش سلامت دارد

بہار آئی سنی اڑتی خبر سی ۔ چمن میں آج ہے بلبل کی برسی

خواجہ محمد اکرم المتخلص بہ ترار از شاگردان میر تقی است فقیر او را ندیدہ ہمیں غزل
بنام او شنیدہ چنانچہ بنگارش می آرد از وست

کیا کہیے غرض صبر کا مقدور نہیں ہے ۔ اک زخم نہیں دل پہ کہ ناسور نہیں ہے
ہر طرح کی باتیں ہیں تری بزم میں ہر ایک ۔ افسانہ مرے حال کا مذکور نہیں ہے
آنا ہے تو آ جا مری بالیں پہ وگرنہ ۔ کوئی دم میں سنے گا کہ یہ رنجور نہیں ہے
کیا پرسش احوال جب گئے سوختۂ عشق ۔ اس مملکت حسن میں دستور نہیں ہے
نزدیک ہے مرنے کے دفا کشتہ ترار اب ۔ ٹک دیکھنے چلیے تو بہت دور نہیں ہے

میر عبد الرسول نثار از نجبائے روزگار واز شرفائے نامدار مروتیست سنجیدہ و
فہمیدہ اصلش از اکبر آباد است و بزرگانش در عصر فرخ سیر باقتدار بسری بردند بعد
او را در شاہجہان آباد دیدہ بود واز یاران میر محمد تقی است طبعش و فکرش مسرت افزا

سلمہ اللہ الحال احوالش معلوم نیست کہ کجاست ہر جا کہ ہست سلامت باشد از وست ؎

جو ہی یعقوبؑ یوسفؑ دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہی ڈھنگ تجھ بن
منہ سے اڑا ہی گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

ہر سمت صد تمنا تڑپے ہی خاک و خوں میں
ہی صحن خانہ میرا میدانِ جنگ تجھ بن

یاں گل رکھے پھری ہے دستار پر تو اپنی
واں عاشقوں کے سر پہ پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

جی کرتے نثار اُس پہ ڈرتے ہیں کہ وہ شوخ
اس بھی حرکت سے کہیں بیزار نہو وے

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کی نکلجا ویں گی ہم
یہ گریباں دامنِ صحرا کو دکھلا ویں گے ہم

کیا ہوا ہم بھی جو دنیا میں یہ ناشاد رہے
تو سلامت رہے اور یہ تری بیداد رہے

مَی نہ مینا میں رہی ایسے نہ فانوس میں شمع
شیشۂ دل میں مرے جوں وہ پریزاد رہے

انتہا شوق کا پاؤں تو لکھوں ای قاصد
کہیو کچھ حال زبانی جو تجھے یاد رہے

ہم اُس جفا شعار کے آفت رسیدہ ہیں
پہنچے نہ آسماں کا ستم جس کی گرد کو

از سلکِ متاخرین | محمد پناہ خاں نثار تخلص جوانیست مؤدب و متواضع
با فقیر بسیار دوستی دارد بیشتر کہ فیض آباد میماند اکثر در فقیر خانہ بروز مشاعرہ می آمد
اگرچہ دراں ایام شعر نمیگفت لیکن گوشِ دل بر سخنہائے رنگیں داشت ہمراہ نواب
بیرم خاں الحال در شاہجہان آباد مقیم است۔ شنیدہ ام مشقِ سخن از اصلاح حضرت
خواجہ میر درد دام افضالہٗ مینماید اشعارش مشہور نشدہ است سوائے دو سہ بیت
از و بگوش نرسیدہ نو مشق است خوب خواہد گفت ؎

آنکھوں سے لخت دل کو آنسو نکال دے ہے
مُردے کو جس طرح سے پانی اُچھال دے ہے

نعیم اللہ المتخلص بہ نعیم از شاگردان میاں محمد حاتم مردیست متوطن شاہجہان آباد
میگویند کہ بسیار بر خود غلط است بندہ او را ندیدہ است واللہ اعلم، دیوان مختصر
دارد، از کلام او چنیں معلوم میشود کہ فکرش سرسری است بعالم اعلیٰ نرسیدہ است

مگر بعضے جستہ جستہ خوب میگوید این غزلش مشہور عالم است

کیا فائدہ جو غیر سے وہ ہمکنار ہے
ہم سی تو اب تلک وہی دار و مدار ہے

بن دیکھی اس کے جان نہ وے گا میرا اجل
مدت سے مجھ میں اور یہ اس میں قرار ہے

یہ جور اگر اور یہ بیداد رہے گا
تو کاہیکو عالم میں کوئی شاد رہیگا

یہ گالیاں دیتے کی ترا آنکھیں دکھانا
مجھکو تو لب گور تلک یاد رہے گا

جان بھی ادھر گئی جس طرف کو قاتل گیا
میں بھی جاتا ہوں ادھر جس سمت میرا دل گیا

گر ہمیں کہے گا ہم بھی کہیں گر کچھ نہ کچھ
گالیاں دیدی کے غیروں کو بہت تو ہل گیا

آیا نہیں ہی اس کا جو پیغام اب تلک
اس واسطے نہیں ہے مجھے آرام اب تلک

بلبل تجھے ہی صحبت گل اور سیر باغ
ہم کو وہی قفس ہی وہی دام اب تلک

اپنے ہی کچھ نصیب کا شاید قصور ہے
ورنہ وہی ہی صبح وہی شام اب تلک

کھپا ہی جب سے ترا یہ جمال آنکھوں میں
ترا ہی مجھکو رہے ہے خیال آنکھوں میں

خیال کرکے تری مرگ کو ڈرتا ہوں
وہ کیوں نہ رو دیوے جس کی بال آنکھوں میں

کس سے لگاویں دل کوئی محبوب ہی نہیں
اور سچ کہو تو کام یہ کچھ خوب ہی نہیں

کبھو دل سے نعیم کو اپنے
یاد کرتے ہو یار سچ کہیو

گو فرض کیا ہم نے غمخوار بہت ہوں گے
ہمسا نہ کوئی ہوگا یوں یار بہت ہوں گے

دیکھ آئینہ خانے میں گر تجھکو نہیں باور
تجھسے تو جہاں میں بھی دلدار بہت ہوں گے

شاکی ہے ابھی سے دل تو وعدہ خلافی کا
ایسے تو کئی آگے اقرار بہت ہوں گے

ایکدن بھی نہ کیا تو نے کبھو جیف ادھر
ہم ترے واسطے یک عمر سر راہ رہے

اب تو کرتے ہو میاں ہم سے تجنت لیکن
دیکھئے دل کے لئے پر بھی یہی چاہ رہے

حال سنتا ہی نہیں ہی کسی شیدائی کا
باوجود آپ ہی عاشق ہی وہ زیبائی کا

مجھے جو گور میں بھی یاد وہ گلفام آوے گا
تو حیراں ہوں وہاں بھی کس طرح آرام آویگا

جو ایسی بیقراری ہیں خبر اُس کی نہیں لاتا تو پھر اے نامہ بر کس دن تو میری کام آویگا

میاں امان اللہ معمار المتخلص بہ نثار مردے از مردم شاہجہان آباد است تازہ گو است اکثر الفاظ عمارت را لعبارت کُرسی نشین میکند و کار ریختہ و غزل را بخوبی در ہر بیت بسر انجام میرساند تا حال در ہماں شہر است ہمیں یک شعر او بگوش خوردہ ؎

غیر دروازہ پہ بیٹھا راہ ہی تکتا رہا شب کو وہ کوٹھوں ہی کوٹھوں گھر ہمارے آرہا

از موزونانِ جہاں محمد عسکری متخلص بہ نالاں متوطن شاہجہان آباد است تازہ گو یان آں دیار ہمانجا مسکن دارد، از شاگردان میان حاتم ست ؎

تھا منتظر کہ یار کا پیغام آگیا قاصد تو آج روز مرے کام آگیا

از مردم شرفا و نجبا میر مرتضیٰ سلمہ اللہ المتخلص بہ ندا متوطن دہلی بسیار متواضع آشنائے درست طبع موزونے دارد و اکثر بوضع خود میگوید سلامت باشد ؎

صنم کا طاقِ ابرو دل عبادت گاہ جانے ہی بڑا کافر ہی بتخانے کو بیت اللہ جانے ہی

ردیف الواو

از سلک متقدمین غفر اللہ لہم درویش خفی و جلی شاہ ولی اللہ المتخلص بہ ولی مشہور و معروف مردے بود از خاکِ گجرات بر یک صنمے عاشق شدہ در وقت محمد عالمگیر بہ ہندوستان جنت نشان آمدہ در خدمتِ شاہ گلشن قدس اللہ سرہٗ استفادہ حاصل نمودہ از توجہ آں بزرگوار مقبول اعلیٰ و ادنیٰ گردید تعریفش از احاطۂ تحریر و تقریر بیرون است بنائے ریختہ راچنیں مستحکم نمود کہ الحال از بلندیِ طاق سپہر افتخار دد چوں دکھنی است اکثر بزبان خود حرف زدہ است ابتدائے ریختہ از وست اوّل اُستادیِ ایں فن بنام اوست تیمناً و تبرکاً نقل می آرد رحمہ اللہ ؎

دل کو گر مرتبہ ہو درپن کا دیکھنا مفت ہے سریجن کا

نپوچھو عشق میں جوشِ خروشِ دل کی ماہیت — برنگِ ابر دریا بار ہی رو بال عاشق کا
پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا — شاید کہ اُسے حال مرا یاد نہ آیا
ہمیشہ ہے بہارِ سروِ آزاد — تجا وے دولتِ حسنِ خداداد
جب آیا مست ساقی جام لیکر — گیا یکبار گی آرام لے کر
نجانوں خط ترا کس بے خطا پر — چلا ہے آج فوجِ شام لے کر
میں اُس کو جوں نگیں کرتا ہوں سجدہ — جو کوئی آتا ہے تیرا نام لے کر
صنم کے لعل پر وقتِ تکلم — رگِ یاقوت ہے موجِ تبسم
نہ دو آزار میرے دل کو اے آرام جاں سمجھو — یہ خوبی کچھ نہیں رہتی سدا اے مہرباں سمجھو
زندگی جام عیش ہے لیکن — فائدہ کیا اگر مدام نہیں
جوں گل شگفتہ رو ہیں سجن کے چمن میں ہم — جوں شمع سربلند ہیں ہر انجمن میں ہم
اکبار ہنس کے بول سجن ورنہ حشر تک — جوں برق بیقرار رہیں گے کفن میں ہم
سُن کے احوال مرا ناصحِ مشفق نے ولی — ہاتھ سے ہاتھ ملا درد سے سینا کوٹا
تِل میں دل کو ملائے لیتے ہیں — پھر گویا ان تلوں میں تیل نہیں
عجب کچھ لطف رکھتا ہی شب خلوتمیں مہرو سے — سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ
اکبار مری بات اگر گوش کرے تو — ملنے کو رقیبوں کے فراموش کرے تو
ایجانِ ولی وعدۂ دیدار کو اپنے — ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو
دیکھوں ہوں جسے وہ مبتلا ہی — خوباں کی نگاہ میں بلا ہے
دل چھوڑ کے یار کیوں کہ جاوے — زخمی ہے شکار کیوں کے جاوے
ہی حسن ترا ہمیشہ یکساں — جنت سے بہار کیوں کہ جاوے
غنیمت بوجھ ملنے کو ولی کے — نگاہِ پاک باز اں کیمیا ہی
باغِ ارم سے بہتر موہن تری گلی ہے — ساکن تری گلی کا ہر آن میں ولی ہی

غرورِ حسن نے تجکو کیا ہی اس قدر سرکش — کہ خاطر میں نہ لاوی تو ترے ہاں گر ولی آوی
آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہی اُس کو — کرتی ہی نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی
عالم میں تری ہوش کی تعریف میں کی ہی — اب تو نہ کر کام کہ مجھ پر سخن آوے
ولی اس گوہرِ کانِ حیا کی کیا کہوں خوبی — مری گھر اس طرح آتا ہی جو سینے میں راز آوے
سُن ولی رہنے کو دنیا میں مکانِ عاشق — کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

ازسلک متوسطین | **محمد واحد** متخلص بہ واحد اوائلِ سلطنت محمد شاہ طفلے بود شیریں میگفت در صغر سن درگذشت متوطن شاہجہان آباد در محلۂ بیجل مسجد سکونت داشت از متوسطان بود از وست ؎

سُورج کی بھانت آئینۂ دل صفا کرے — اک قرصِ نان پر جو کوئی اکتفا کرے

غنچۂ گلستانِ سخن **میر ابو الحسن صاحب ہمت المتخلص بہ وحشت** مردے بود از سلک متوسطین نبیرۂ تیرانداز خاں مرحوم سپاہی پیشہ بعلاقہ نوکری بسر می برُد مشق شعر بمشورۂ مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ میکرد در ایامے کہ مشاعرہ در شاہجہان آباد بخانۂ خان آرزو مقرر بود مدتے شد کہ بقضائے الٰہی فوت شد جوان اہل بود رحمہ اللہ ؎

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہے چھوڑیو — خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو
لگتا ہی مجھکوں آج پیارا جہاں خراب — شاید کہ مر گیا ہے کوئی خانماں خراب
کہیں یہ جھوٹ دیکھا ہی تجھے جب میں بُلاتا ہو — صریحاً تو چلا جاتا ہی اور کہتا ہے آتا ہوں
ایک جاگہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں — ہی عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں

میر ولایت اللہ خاں حقایق و معارف آگاہ مقبولِ درگاہ آلہ صاحبِ کمالاتِ وافیہ و حالاتِ شافیہ مفتخر الاعیان میر ولایت اللہ خاں گوہرِ دریائے سیادت و جوہرِ تیغ شرافت چراغ بزم ہدایت المتخلص بہ ولایت ابن میر باقی اصلش از خوست است از مریدانِ حضرت خواجہ جعفر قدس سرہٗ بندہ در شاہجہان آباد اکثر آں

بزرگ را بہ مجالسِ فقرا دیدہ در عالمِ پیری رُخش مثلِ ماہ می درخشید در لباسِ فقیری شاہانہ معاش مینمود۔ عالم عالم اکرام و احترامش میکردند۔ طبعِ شریفش مائلِ تصوّف بسیار بود چہ از فارسی و چہ از ریختہ ہمہ بہ تصوف و توحید بر طرزِ خود فرمودہ است عارفی میباید کہ مغز کلامش را دریافت نماید قریب دوازدہ سال شدہ باشد کہ بہ رحمتِ الٰہی پیوست۔ یک رُباعی از دو قلمی مینماید مشتے نمونہ از خروارے۔ غفراللہ ازوست

در بحرِ محیط غیر پانی کیا ہی — ظاہر ہی جو کچھ ہی یاں نہانی کیا ہی
گر پیاسا ہی پی، پیرنہا غوطے مار — باہر تو بجز خاک فشانی کیا ہی

از سلکِ متاخرین لالہ نول رائے مقبولِ خاطر اربابِ صفا لالہ نول رائے المتخلص بہ وفا از تذکرۂ محمد قایم چناں ظاہر گشت کہ جوانے است تو خاستہ بزیورِ علم و عمل آراستہ ہوش و گوش و فہم و ذکا صاحبِ حلم و حیا لطافت مزاج از گل زیادہ مانندِ بلبل دل از دست دادہ۔ برادرِ خردش راجہ گلاب راے دیوان مدار المہام امیرالدولہ نواب نجیب خاں مرحوم بود، لیکن ایں عزیز مصروفِ اکتساب و غریقِ مطالعۂ کتاب طلب ہر کمال دامنگیرِ حال طبع در دمند داشت۔ عاشق مزاج بود اکثر فارسی و ریختہ مینماید خدا بر عمرش بیفزاید ازوست ؎

کہے ہی کس سے دل احوال اپنا — پڑا ہی یاں ہمیں جنجال اپنا
ہووے گا دل سے محو غمِ یار کب تلک — کیوں ہمنشیں یہ جائیگا آزار کب تلک
کہنے لگا وہ سُن کے مرا نالہ و فغاں — یارب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک
کس گلِ تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری — ہم ذرا داغ سے جس کے نہ خبردار ہوئے
پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہی — کیا جانتے نہیں ہو میاں جس طرح سے ہی
ہوتے تو دل سہج میں گرفتار ہو گیا — اب چھوٹنا پہ زلف سے دشوار ہو گیا
دینا تو دل نہ آپ کو منظور تھا و لے — جب مل گئی یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

کچھ خیریت نظر نہیں آتی مجھے کہ آج
لگتے ہیں اس کے کان سے اغیار دمبدم

اپنی ہی چشم کے تئیں تاب نظر نہیں
ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں

حسنِ عمل پہ اپنے نہ بھول اس قدر کہ شیخ
واں کے معاملے کی کسی کو خبر نہیں

کن تیغ برق جلوہ کو دیکھا کہ اب تلک
ان بن ہی التیام سے زخمِ کہن کتیں

الفتِ دل کیا زیادہ ہم سے ہی اغیار کی
ریجھ ہے لیکن نرالی ہی کچھ اپنے یار کی

آنے کا مرے وہ سن کے چرچا
نکلا نہ تمام روز گھر سے

دل کو کہیں ہی جی میں گرفتار کیجیے
یعنی کسی صنم کے تئیں یار کیجیے

گر مانگتا ہے جی کے تئیں دیجیے وفا
کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجیے

رفیق ہر زہ گو ہے دشمنِ جاں
بلد رہزن کو ہے نالا جرس کا

دکھ نہ دے اس قدر وفا کے تئیں
آخرش وہ بھی جان رکھتا ہے

اپنی غرض کو ہم تو سبھی دکھ سہیں گے لیک
ہوتی ہے گالیوں سے تمہاری زباں خراب

بسکہ اپنی انقلابِ بخت سے ڈرتے ہیں ہم
بسترِ گل پر بھی لرزاں ہیں قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ کر لیا ہی اس نے اے محرم تو کیا
یاں تو بیتابی سی دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

حالِ دل کیونکے کہوں اس سی وفا غیروں میں
جی دھڑکتا ہے کہ کوئی پسِ دیوار نہو

راضی وہ ہو کے رات سیج میں مچل گیا
عنقا پھنسا تھا دام میں لیکن نکل گیا

میکشوں نے مے میں پایا بھنگیوں نے بھنگ میں
مل رہا ہی وہ طرح پانی کی ہر یک رنگ میں

شعلہ زن ہے ہمیشہ داغ اپنا
بجھ نہیں جانتا چراغ اپنا

یاں تک از خویش رفتہ ہوں کہ مدام
آپ کرتا ہوں میں سراغ اپنا

نہ کشتی پار ہی بہ کر گئی اپنی نہ دار آئی
ہوئے ہیں غرقِ دریا اس گھڑی جب عین مجدھار آئی

ساتھ تجھ سے کی اگر مہر و وفا کی ہم نے
عفو کر عفو کہ اے شوخ خطا کی ہم نے

میر مبارک علی ولد شاہ قدرت اللہ قدرت پیش پدر خود در مرشد آباد سکونت دارد ۵

ہوئی ہے مشتعل میری دلِ بیتاب میں آتش　　نہ دیکھی تھی کسی نے اب تلک سیماب میں آتش

میر بہادر علی از یارانِ میاں حسرت المتخلص بہ **وحشت** سید زادۂ خوش اوقات نیک صفات جوانِ وضعدار در پیشۂ سپہگری استوار اکثر در تعیناتی بطرفِ گورکھپور بصحبت روزگار بسر میبرد۔ طبع موزونے دارد۔ با فقیر بسیار آشنا ست۔ بفرمایشِ یارانِ آں دیار بارہا دیگر مانند بکٹ کہانی گفتہ است حقتعالے اسلامت دارد از وست ؎

شب و روز وصل کو ر دیئے کہ عجب وہ لیل و نہار تھا　　کبھی ہم سے یار کو لطف تھا کبھی ناز تھا کبھی پیار تھا

مرا دل ہوا اشک ٹپک گیا جگر آہ و نالہ سے پک گیا　　تو نظر سے جوں ہیں سرک گیا میں اجل سے دوں ہیں چار تھا
(ہی)　　(ہی)

رباعی

جب تک کہ کہیں نہ تھا ٹھکانا دل کا　　دشوار تھا اک قدم بھی جانا دل کا

کوچا ترا دیکھا ہے سو جانے کے لئے　　اب لحظہ بہ لحظہ ہے بہانا دل کا
(چہ)

شاہ **واقف** المتخلص بہ واقف عارفِ اسرارِ طریقت و واقفِ رموزِ حقیقت کاشفِ مکاشفات وجدانی سالکِ مراتباتِ وجدانی، اصل وے از شاہجہاں آباد است در اوائل کہ مشقِ سخن در عالمِ مستی و بیباکی داشت بسیار بصفا حرف میزد الحال بسبب فضیلتِ عقابِ فکرش بر سپہرِ معانی بلند پرواز شدہ کہ بنظرِ ہیچو ما پست نظراں نمی آید از انجملہ اینچند بفہم میر سید قلمی مینماید۔ حقتعالے طائرِ بیانش را چوں ہلال از تیز بالی روز بروز بلند تر گرداند۔ در وقتیکہ بسرکار نواب شجاع الدولہ بہ تہمت نقش نویسی ناحق گرفتار شدہ بود دراں مقدمہ حسبِ حال خود ایں غزل گفتہ ؎

دَور آیا ہے کہ ہوں شاہ و گدا پھرتے ہیں　　بیخطا پھرتے ہیں اور اہلِ خطا پھرتے ہیں

تمام غزل ہمیں طور ادا کردہ است طرزِ کلامش ما تا بطرزِ ناصر علی وجسلال ایسہ است الحال ازیں فنِ شعر گذشتہ مصروف بخواندن منطق و معانی و رمل و نجوم است خدا با نصرام رساند با فقیر بسیار دوستی دارد سلمہ اللہ ؎

خیالِ وعدہ ترا بسکہ شب نظر میں رہا — تمام رات مرا جی صدائے در میں رہا
جلایا مجھکو مرے ضبطِ آہ نے جوں شمع — اُٹھا جو شعلہ جگر سے تو پھر جگر میں رہا
چمن سے کون باتیں اپنے جانے کی سُناتا ہے — کہ گُل کا ایک رنگ آتا ہے اور اک رنگ جاتا ہے
اشک سے آتشِ دل ہم تو بجھاتے ہی رہے — آہ پر نالے تو اور آگ لگاتے ہی رہے
نقشِ قالی کی طرح سو کے نہ چونکے ہم آہ — ٹھوکریں دیں سی تو بہت یار جگاتے ہی رہے
(کر)
کہیو اے بادِ صبا واہ میاں واہ میاں — جی سے جاتے رہے ہم اور تم آتے ہی رہے
مانع ہوئے آنے سے جو مجھکو تری ڈر کے — رو یا سرِ بازار میں سر زانوں پہ دھر کے
جب دیکھئے اس کو یہی حسرت رہی دل میں — جوں نورِ نظر ٹک مری آنکھوں سے نہ سر کے
کوئی علم پہ نازاں ہے کرامات پہ کوئی — اک رو سیہ ہم ہیں کہ اِدھر کے نہ اُدھر کے
دیتی ہی نہیں چین مجھے چشم و دل اس بن — بیگانے کا کیا دوش[1] جو دشمن ہوئے گھر کے
صبا کہیو چمن کے عندلیبانِ غزلخواں کو — کرو تم پیچھے ہم دام میں ہو جاتیں زنداں کو
ڈھلا دن آج کا بھی اور نہ آیا تو تو پھر ہم نے — چراغِ آہ سے روشن کیا شامِ غریباں کو
جنت و سایۂ طوبےٰ نہیں درکار مجھے — بس ہے اے یار ترا سایۂ دیوار مجھے
ہوسِ سیرِ چمن لے تو چلی ہے یاں سے — پر کسی دام میں مت کیجو گرفتار مجھے
کبھی ایسا بھی اے خدا ہوگا — وہ صنم ہم سے آشنا ہوگا
روز و شب مجھکو ہے یہی دھڑکا — نہ ملوگے کیا ہوگا
خوبرو ہو کے باوفا ہووے — ہیں نہ مانوں اگر خدا ہووے
جب کہ یاد آتا ہے گلشن میں مرا گلرو مجھے — خضرِ راہِ بیخودی ہوتی ہے گُل کی بو مجھے
یہ دل پھر آہ مژگانِ بتاں سے بے طرح اٹکا — مجھے جس خار کا ڈر تھا سو پہلو میں مرے کھٹکا
وداعِ یار سے دل پر ملال ہے سو ہے — زباں سے گو نہ کہا جی کا حال ہے سو ہے

---

[1] اصل نسخہ میں دست لکھا ہے "دوش" ہونا چاہیے

نپوچھ حسن سلوک آہ مجھ سے اُس بُت کا
وہی ستم وہی ایذا کی چال ہے سو ہی

تم تو شب عدو پر اپنے گھر سے چل کر رہ گئے
صبح ہوتے ہوتے ہم جوں شمع جل کر رہ گئے

انتہ منے ملنے کا اُس کے یاد آتا ہے سماں
اِک قدم رکھا تو وہیں جا گہہ مچل کر رہ گئے

جب تلک نہ وہ مقابل بُتِ مغرور رہوے
بیتابیِ دل کوئی طرح دُور رہوے

سرگوشی سے جو سامنے کرتا ہی میری بات
ڈرتا ہوں اُسی کا کہیں مذکور رہوے

درد جو بے اختیار ہم سے ہم آغوش ہے
یاد سے واقف تو آج کس کی فراموش ہی

غیر کے جا تو اگر ہم سے بھی لے یار ملے
عکس سے اپنے بھی پھر آنکھ نہ زنہار ملے

سب سے ملتے تو ہو ظاہر میں یہ دھڑکا ہی مجھے
کہیں مجھ سا نہ کوئی اور گرفتار ملے

واقف سی ملتے جو کوئی ٹڑکے سبھے تو کہہ
بھولا ہوں راہ پوچھوں ہوں آیا تھا کام کو

کروں میں شکوہ تیری بیوفائی کا
جہاں میں نام نہ لے کوئی آشنائی کا

ابھی حواس بھی ثابت مجھے نہیں آئے
خدا کے واسطے مت نام لے جدائی کا

صد نالہ جانکاہ کرہ در تہ لب ہی
کیا جانیے کیا آج مرے دل پہ تعب ہی

عزہ ہو قرب کرم یار پہ واقف
اِس ابر کے دامن میں نہاں برقِ غضب ہی

نہ قاصد ہی پہنچ سکتا ہی اب اُن تک نہ گام اپنا
الٰہی مضطرب ہوں کس طرح بھیجوں پیام اپنا

بہت موقوف شکوی وصل پر تھی اس جفاجو کے
کیا سو یک نگہ نے اُس کی قصہ ہی تمام اپنا

دام سے زلف کے پھر دل کو چھڑایا نہ گیا
سر سے اس بخت سیہ کا مرے سایا نہ گیا

پھلا ہٹ سے کہتے ہیں کہ شوخی سے وہ شوخ
میری آنکھوں کے تصور میں سمایا نہ گیا

ہجر جانکاہ کس طرح گزرے
یار بن آہ کس طرح گزرے

تو کہیں میں کہیں بھلا اوقات
اپنی دلخواہ کس طرح گزرے

صبح پر وصل یار کی ٹھہری
آہ پھر انتظار کی ٹھہری

کیا طرح اُس گلی میں کہہ تو صبا
میرے مشتِ غبار کی ٹھہری

مت بگڑ اُس سے بن کر ای واقف ابتو دار و مدار کی ٹھہری

روزِ خزاں چمن میں جو دیکھا ہزار کے اک مشت پر پڑے تھے تلے شاخسار کے

آوارہ ہو کے دل سے شکیب و قرار و صبر یارب کہاں بسیں گے یہ اُجڑے دیار کے

یارانِ ہمنشین و رفیقانِ دوستدار سب آشنا ہیں زندگیِ مستعار کے

جب مُند گئی یہ آنکھ تو اید وست بعد مرگ پھٹکے ہے پاس کون کسی کے مزار کے

صبا گلشن میں جاوئگی تو یہ کہیو گل سے تجھے اے بیوفا کیا فائدہ ہے خون بلبل سے

شکیب و طاقت و صبر و توان و دین و دل اپنے سبھی آوارہ ہو کر اُٹھ گئے تیری تغافل سے

خون آنکھوں سے ہم جو روئے ہیں تیری مژگاں کے کانٹے بوئے ہیں

جو صنم تجھ سے دل لگاتے ہیں سو وہ ہم سے خدا کے کھوئے ہیں

کبھی کبھی جو کرم کی نگاہ کرتے ہو غرض کہ جان مری دل میں راہ کرتے ہو

ہمارا تھوڑے دنوں میں یہ حال پہنچا یا بھلا رقیب سے کیوں کر نباہ کرتے ہو

یہ کون ڈھب ہے کہ واقف سے ہیں نہیں واقف وہی نہ جس پہ کرم کی نگاہ کرتے ہو

میں تو گیا تھا سونپنے دل کو وفا کے ہاتھ اے آہ چھٹ[1] گیا یہ کہاں سے جفا کے ہاتھ

جب ہم سے قول وعدۂ دیدار کا ہو ذکر مارے ہی میری ہاتھ پہ تب منہ چھپا کے ہاتھ

کہوں کیا اُس کو وعدی کی حقیقت پوچھئے کیا ہو وہی شام و سحر ہی اور وہی امروز فردا ہی

توقع زندگی کی دوستاں رکھیئے گا کم ہم سے کہ جوں نقشِ قدم چھٹتا نہیں کوئی صنم ہم سے

ہے جس کی خرمی سے زندگانی اپنی وابستہ خفا رہتا ہی سو ساعت بساعت و مبدم ہم سے

پیار کی باتوں سوا ہم بھی تو رہ سکتے نہیں دل میں آتا ہی کہ کچھ کہیئے پہ کہہ سکتے نہیں

ہر آن ہم سے کیوں ہے عبث بدگمان تو اپنا سا اور کو نہ سمجھ میری جان تو

اک روز کی جدائی میں مرتے ہیں یا نہیں یکبار یہ بھی کر لے مرا امتحان تو

---

[1] چڑھ گیا ہونا چاہیئے

کیا کیا کہا تھا کیونکے لیا تھا ہمارا نام
قاصد خدا کے واسطے پھر کر بیان تو

نپوچھو فتنہ برپائی کو میری سرقامت کی
اُٹھا مجلس سے وہ اور اہلِ مجلس پر قیامت کی

یہ دل پھر آہ مژگانِ تباں سے بی طرح اٹکا
مجھے جس خار کا ڈر تھا سو پہلو میں مرے کھٹکا

نہ آیا پھر نظر جیسے۔ گیا جوں عمرِ رفتہ تو
بنارس کی میں گلیوں میں بہت بھولا بہت بھٹکا

جگر میں آہ ہے آنکھوں میں نم ہے
خدا جانے یہ کس کا تازہ غم ہے

ان رقیبوں سی گئے گزری ہیں کیا اے یار ہم
وہ شریکِ بزم ہوویں اور نہ پاویں بار ہم

جو صنم خاطر نہ رکھے عاشقِ رنجور کی
ایسے ملنے سے بھلی صاحب سلامت دُور کی

مژگاں تری ادھر سی کدھر پھر کے رو کریں
اب کس کے دل میں دیکھئے ناخن فرو کریں

ہر چند وہ جمال ہی آنکھوں کے سامنے
لیکن کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

تیری نگہِ لطف سے وابستہ ہیں یاں ہم
جوں عکس ذرا پھرتے ہیں رہ کے کہاں ہم

گہ اُٹھتے گہے بیٹھتے نا طاقتوں سے
جوں سایہ جہاں تو گیا اے دوست وہاں ہم

دیارِ عشق میں ٹک دیکھ تو کیا ہی ستم واقف
کریں ہیں متہم اُس سی ہمیں ہیں جس سی ہم واقف

محمد وارث الہ آبادی المتخلص بہ وارث، فقیر او را ندیدہ بعضے از یاران آن دیار شنیدہ کہ مردیست طالب علم ریختہ و فارسی میگوید طبع موزونے دارد بجائے تخلص کہ وارث است اکثر بالف ندا تو درا یاد میکند یعنی وارثا در ہر مقطع می آرد، از سبب بُعد و کم شہرتی اشعارش بگوش نخوردہ انچہ بیشتر آمد نوشتہ شد حالا در شہر خود یعنی بہ الہ آباد مقیم است سلامت باشد از وست ؂

بتا تو ہاں مرے ظالم مثالِ نقشِ قدم
تری گلی میں کوئی گر کے پھر اُٹھا بھی ہے

الٰہی خیر ہو قاصد تو جلد آتا ہے
ہماری خط کا جواب اُس نی کچھ لکھا بھی ہے

ہم کو تو رند کہتے ہو پر آپ شیخ جی
کیا کچھ شکار کرتے ہو ڈاڑھی کی آڑ میں

وارث پھٹی ہے کب طپشِ عشق مجھ سینی
پیوست ہو گئی ہے مری ہاڑ ہاڑ میں

خوبیِ کلام از کلام ظاہر است احتیاج شرح و بیان نیست ؎

اک عمر تجھے چاہیے اس سیر کو وارث ۔ عالم کا تماشا جو ہیں اک آن میں دیکھا

غنچہ گلشن کیاست و فہم میر محمد علی المتخلص بہ وہم جوانے است بسیار اہل و اہل دل خوش وضع نیک خصال، فرزند ارجمند میر تقی المتخلص بہ خیال کہ بفرمایش فردوس آرامگاہ قصۂ بوستان خیال گفتہ است بست و سہ جلد دارد۔ القصہ تمام عمر دراں قصّہ صرف نمود کارے کردہ است کہ مقدور بشر نیست۔ چوں تخلص پدرش خیال بود بنا بریں تخلص خود وہم کردہ است۔ از سبب فکر روزگار کم بایں طرف راغب میشود۔ در انتخاب موزون اشعار ذہنے و شعورے خوب دارد۔ چوں از یاران بندہ است تعریف او بزبان خود گفتن خوشنما نیست بر ہمہ ظاہر است خدا سلامتش داراد از وست ؎

خدا ہی دوستو حافظ ہے اب مرے دل کا ۔ ہوا ہی دشمن جاں یار بے سبب دل کا

کچھ اس سے تو متعرض نہو کہ آنے کا ۔ تری گلی میں یوہیں پڑگیا ہی ڈھب دل کا

جا کہے اُس سے اتنا اب کوئی ۔ ہے ترے غم سے جاں بلب کوئی

صبر و ہوش و قرار و تاب و تواں ۔ چل بسے رفتہ رفتہ سب کوئی

مرتے ہیں تب جو پاتے ہیں آرام ۔ نہیں مرتا ہے بے سبب کوئی

حرف الہا

از سلک متقدمین | غفر اللہ لہم ہاشم تخلص در دکہن شاعری گزشتہ او راست ؎

دکہن اور ہند دلبر ہیں سوں بیچا ب اچھے! ۔ کہ مکھڑی چاند سی پر جن کی خط کی پیچ و تاب اچھے

ہاتف تخلص نیز از دکہن است او راست ؎

تمری انکھیاں اور زلف سی کافر ہوا سارا جہاں ۔ اسلام اور تقوی کہاں زہد اور مسلمانی کہاں

از احوال متوسطین | سید ہدایت علی خاں صوبہ عظیم آباد ابتدای سلطنت محمد شاہ

غفر اللہ ہدایت تخلص می نمودیک شعر از و بگوش خوردہ رحمہ اللہ ؎

ہرگز یہ میری عشق کا سر فاش ہوتا — کرتا نہ اگر آ کے میرا پردہ دری رنگ

میر ہینگا شخصے از جنبائے دہلی بود بر شخصے تعشق داشت پایش ما در زا دلنگ میکرد طبع موزونے داشت گاہ گاہے دو سہ بیت میگفت۔ از مشاہیر نبود حاسدان و رقیبان بجرم عشق ویرا کشتند۔ یک رباعی از و بگوش خوردہ خدایش مغفرت کناد از وست ؎

میری ایذا سے مُنہ نہ موڑا دل نے — شیشہ مری زندگی کا توڑا دل نے
کام اُس بُتِ سنگدل سے ڈالا مجھکو — مارا آخر مجھے نہ چھوڑا دل نے

از متاخرین میاں ہدایت اللہ شمع انجمن فصاحت و بلاغت المتخلص بہ ہدایت مردیست متواضع دمؤدب، مثل و محاورہ بند عالی طبع و دردمند، شاعر دلپذیر سخن سنج بے نظیر، اصل وے از شاہجہاں آباد ہست در طاہرہٗ حضرت خواجہ میر درد چندے ہمراہ ستدتبہ رائے یکدل تخلص کہ شاعر فارسی گو بود در بنارس افتادہ بسر بردہ در تعریف بنارس مثنوی خوبی گفتہ حالا در خدمت خواجہ میر درد گوشہ نشینی اختیار کردہ بسر میبرد۔ خدایش سلامت دارد از وست ؎

شہید تیغ ابرو ہے اسیر دام گیسو ہے — ہدایت بھی تو کوئی زدہ ہی شہد اشکستہ ہے
یا د کرتی ہے زلف کی ہے قہر — پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر
تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات — رُوتے ہی روتے گذری ساری رات
حیرت میں ہوں کہ تیری تئیں ای شب وصال — ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا
بھلا ہبت تو مری جان کچھ ہدایت نے — تمہاری جو سے شکوہ کبھی کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھی — کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا
تم تو فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو — اپنے مطلب ہی کی سُنتے ہو جہاں سُنتے ہو
آئینہ سا ہی مکھ تمہارا روشن — چشم بد دور چشم ما روشن

اے ہدایت شب جوانی کا — کچھ ہُوا تجھ پہ ماجرا روشن
صبح پیری نمود ہوئی تیری — چل مسافر کہ دن ہوا روشن
موجب صد عیش و عشرت ہم کو تیری دید ہے — مل گئی جس دن گلی تیری اُسی دن عید ہے
خدا جانے صنم آوے نہ آوے — بھروسا کیا ہے دم آوے نہ آوے
غنیمت ہے کوئی دم سیر گلشن — پھر اپنا یہاں قدم آوے نہ آوے
باتیں اشارتوں ہی سے کرتی ہیں انکھڑیاں — بیمار ہیں نہیں انھیں طاقت جواب کی
گویا کہ تیری ہجر میں میں مرگیا ہوں رات — تعبیر جز وصال نہیں میرے خواب کی

رباعی

کوچے میں تیرے جو آن کر بیٹھ گئے — یہاں تک روئے کہ چشم تر بیٹھ گئے
جس طرف کو تو نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا — مانند حباب گھر کے گھر بیٹھ گئے
جی تو کرتا نہیں کہ چھوڑے تری جانے کو — گر تری اس میں خوشی ہی تو بھلا جاتا ہوں

مرزا محمد المتخلص بہ ہاتف شخصے است در شاہجہاں آباد در عالم درویشی شغل شعر در رباعی بسر می برد۔ اکثر مخمس تضمین میکند۔ ہمیں یک شعر ازو بگوش خوردہ ؎

مت پوچھ ہمنشیں کہ جہاں میں کہاں رہے — دل جس جگہ کہ لگ گیا اپنا وہاں رہے

حرف الیاء

از سلک متقدمین الحکیم یونس از قدیم ست احوالش معلوم نیست ؎

ہی معطراب تلک صحرا التمام — اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا
سو گیا جب سے جگایا تھا مجھے — بخت میرا جاگ اُٹھا تھا سو گیا

این شعر ہم از قدیم است معلوم نیست کہ از کیست معانیِ پر پیچ دارد ؎

توحید عشق کی ہوں اثبات کو نہ پوچھو — باقی رہا فنا سے جس نے جپی ہے مالا

یعنی لفظ ما و لا ہر دو نفی است و نفی نفی اثبات می شود۔

احوال متوسطین مصطفےٰ قلی خاں یکرنگ درگلشن بہار سخن آب و رنگ و درچمن گلزار معانی بلبل خوش آہنگ مصطفےٰ قلی خاں المتخلص بہ یکرنگ مرد عمدہ بود در عہد فردوس آرامگاہ بنیرہ خان جہاں لودھی در سلک ملازمان بادشاہی منسلک بود معاصر میاں آبرو خدایش بیامرزد از وست

ہاتھ اُٹھا جور اور جفا سے تو — یہی گویا سلام ہے تیرا

اس قدر کیا ہی حمایت غیر کی — ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن — جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

مجھے مت بوجھ پیاری اپنا دشمن — کوئی دشمن بھی ہوا ہے اپنی جاں کا

اگر آوے میرے گھر وہ پیارا — کروں اُس ماہ کو پتلی کا تارا

بڑا دشمن ہُوا وہ شوخ یکرنگ — کیا کیوں عشق میں نے آشکارا

حق کہے جو کوئی سو مارا جائے — راستی ہیگی دار کی صو[illegible]

وصل او ہجر اُس صنم کا مجھ پہ یکساں ہوگیا — درد میرا ہی مجھے آخر کو درماں ہوگیا

مجھکو اس دل سی توقع تھی مدد کی وقت پر — تیر خوباں کا تو وہ یکرنگ پیکاں ہوگیا

بنا بر مصلحت ہے یہ جو تم سے — رہا ہی روٹھ دن دو چار یکرنگ

کیوں تیغ کھینچتے ہو میاں ہم میں دم نہیں — پنہاں نگہ تمہاری یہ گپتی سے کم نہیں

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے — میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لینی ہے تو لے صیاد — ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے

چاہتا تھا کہ کہے عشق کی باتیں یکرنگ — کیا کرے ہائے اُسے طاقتِ گفتار نہیں

برگِ حنا اوپر لکھو احوال دل مرا — شاید کبھو تو جا لگی اُس دلربا کے ہاتھ

کیا جانئے وصال ترا ہو کسے نصیب ‌‌ ‌ ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

نہ تو ملنے کے قابل اب رہا ہی ‌ ‌ نہ اپنا وہ دماغ و دل رہا ہی

مت تلوّن اس میں سمجھو آپ سا ‌ ‌ مصطفیٰ خاں عاشقِ یکرنگ ہی

سُنتا نہیں تو بات کسی ہی کی اے سجن ‌ ‌ تیرا غرور تجھکو نہ جانوں کریگا کیا

زبانِ شکر ہی مہندی کا ہر پات ‌ ‌ رکھے ہی خوبرو ظاہر کرامات

خیالِ چشم و ابرو کرکے تیرا ‌ ‌ کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

عبث تو بیکسی پر اپنی کیوں ہر وقت روتا ہی ‌ ‌ نکر غم اے دیوانے عشق میں ایسا بھی ہوتا ہی

چند بیت در مرثیہ امام علیہ السلام خوب گفتہ است و آن اینست ؎

زخمی برنگ گُل ہیں شہیدانِ کربلا ‌ ‌ گلزار کی نمط ہی بیابان کربلا

کھانی چلا ہی زخم ستم شامیوں کے ہاتھ ‌ ‌ دھو ہاتھ زندگی سے لی مہمان کربلا

اندھیر ہی جہان میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ ‌ ‌ ہی سر بریدہ شمع شبستان کربلا

یکرو تخلص مردے بود از شاگردان میاں آبرو لیکن فکرش عالی معلوم میشود همیں یک شعر ازو شنیده ام ؎

ہیں دل پہ میری داغ ترے ہجر کے لئی ‌ ‌ گنتی میں جن کی عمر مری سب بسر گئی

میر عزت اللہ یکدل تخلص سید عالی نسب بود عاشق سخن اکثر با شعرا دوستی داشت شعر کم میگفت بیشتر فکر مدح و منقبت ائمہ اطہار صلوات اللہ الملک الغفار بشوق و ذوق تمام نظم می نمود چنانچہ این منقبت مشہور از وست خدایش سلامت دارد ؎

تو گل باغ انّما کی قسم ‌ ‌ سرو گلزار ہل اتیٰ کی قسم

میر میدان لا فتا کی قسم ‌ ‌ میں تو عاشق ہوں مرتضیٰ کی قسم

دل فدا ہوں مجھے خدا کی قسم

میر احمد محبوب روزگار ویار طرح دار میر احمد المتخلص بہ یار ولد شاہ اللہ یار متوطن شاہجہان آباد جوانے بود بجمال وجاہت وملاحت کہ یوسف ثانی تواں گفت دراں زمان عالم، عالم فریفتۂ رخ نیکو وآشفتۂ زلف او بود۔ در وقت احمد شاہ ہنگامہ حسن او گرم بود دایں ہمہ شعرائے متوسطین مانند پروانۂ دل خود را بر شعلۂ حسنش می سوختند واو نیز با اینہا صحبت میداشت اکثر اصلاح سخن از میر محمد تقی سلمہ اللہ می گرفت بطبع موزونے داشت گاہ گاہے دو سہ بیت میگفت۔ از کتب عربی تا شرح ملا خواندہ بود۔ میر ضیا سلمہ اللہ با ونظر الفت داشتند چنانچہ تا حال ہر وقت کہ یاد او میکنند میگریند غرض کہ درعین جوانی از جہان فانی درگذشت رحمہ اللہ ؎

اس چمن میں ناتواں میں سب کے اوپر بار تھا   خوش رہو ای بلبل وگل تم کہ میں ہیں خار تھا
جائے سنگ لوح تربت نصب کیجو آئنہ   تا کوئی جانے کہ یہ حسرت کش دیدار تھا
آفریں ای دست گستاخ محبت آفریں   یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا

انعام اللہ خاں شاعر دردمند وحزیں انعام اللہ خاں متخلص بہ یقین ولد اظہر الدین خاں جوانے بود درعہد محمد شاہ غفر اللہ لہٗ از تلامذۂ مرزا مظہر جان جاناں اصلش از شاہجہان آباد است بسیار نازک مزاج و میرزا منش بود۔ صاحب دیوانست ازبسکہ اشتہار دارد محتاج تعریف نیست۔ میر تقی در تذکرۂ خود نوشتہ است کہ مشہور چنیں است کہ میرزا مظہر تمام دیوان گفتہ دادہ است خود موزوں نیست مرا یقین نبود لیکن میرزا رفیع سودا و میر سوز سلمہما اللہ گواہی دادند کہ روزے ما یاں در خانہ انعام اللہ خاں رفتہ برائے امتحان عربی طرح نمودیم ہر چند مبالغہ کردیم یک مصرع موزوں نکرد ذائقہ سخن فہمی ہم نداشت۔ واللہ اعلم۔ باشد مارا ازیں چہ کار۔ متاع نیک ہر دوکان کہ باشد۔ اشعارش بسیار نمکین و موثر اند سخن او خالی از دردمندی نیست۔ میگویند پدرش بگناہ او را کشت و پارچہ پارچہ کردہ در دریا انداخت بسبش

چنیں معلوم شد کہ پدرش تعلق خاطر با دختر خود داشت نعوذ باللہ واو ازیں چیزہا مخالفت میکرد برائے اخفائے ایں حرکت او را شہید کرد اکثر چنیں شہادت میدہند خدا بہتر میداند ایں چند اشعار انتخاب کردہ قلمی می نماید از دست ؎

ہے ترے داغ سے پر سینۂ سوزاں میرا
اب و رنگ آگ سے رکھتا ہے گلستاں میرا

روا گر دیجیے اُس کو بھی تو کچھ عیب نہیں
آئینہ سے بھی گیا یہ دلِ حیراں میرا

کبھو یہ تھا کہ ہم پردہ بتِ مغرور رو دیتا
بُرا جب دیکھتا حالِ دل رنجور رو دیتا

اگر مر کر نہ میں اُس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کی حق میں کیا گماں کرتا

رہا میں بے خبر افسوس لذت سے اسیری کی
جو میں یہ جانتا کنجِ قفس میں آشیاں کرتا

اُس کو جب خشم و رضا میرا برابر ہو گیا
حیف مضمون روٹھنے کا بھی مکرر ہو گیا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامے کا بند
برگِ گُل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

عجب اتفاق است کہ ایں شعر توارد شد با شعر آنند رام مخلص کہ ہم عصر او بود معلوم نیست کہ ایں معنی در اصل از کیست ؎

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا میکنیم ما

یقیں

اس قدر غرق لہو میں یہ دل زار نہ تھا
جب حنا سے تری پاؤں کو سروکار نہ تھا

دل میں زاہد کی جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

اُس گل سی کچھ حجاب ہمیں درمیاں نہ تھا
جس دن کہ یہ بہار نہ تھی گلستاں نہ تھا

دام و قفس سی چھوٹ کے پہنچے جو باغ تک
دیکھا تو اس زمیں میں چمن میں نشاں نہ تھا

اتنا جہاں میں کوئی کبھی بیوفا نہ تھا
ملتے ہی تیری مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا

جو کچھ کیے ہیں تجھکو یقیں ہے سزا تری
بندہ جو تو بتاں کا ہوا کیا خدا نہ تھا

ہمارا شورشِ مجنوں کو بھولی طرح نالی کی
کوئی شیریں کو منہ پہ ذی بجا سکتا ہے کیا قدرت

بتاں کی مجھ سی خاطر جمع ہی یہاں تک کہتی ہیں
کہاں اس دام سی یہ صید جا سکتا ہی کیا قدرت

عاشق اور معشوق عالم کی سند کرتے ہیں سب
تجھ سی خونخواری کی طرز اور مجھ سی غمخواری کی طرح

کیا مری مژگان تر کی ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بی طرح اُمڈے ہیں یہ برسیں گز ودر

خال گورے مُنہ کا لیتا ہی مرے دل کو چُرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

اب جو اُڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم آگے نہ بوجھی اپنی بال و پر کی قدر

دل ہمیں کہکر چلا تھا اپنے جانے کی خبر
پھر ندی آ کر کسی نے اُس دِوانے کی خبر

بُلبلیں بہم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف
کچھ تو اُڑتی سی سُنی ہی گُل کے آنے کی خبر

سچ کہو اے بلبلو کس باغ سے آتی ہو تم
کچھ بھی ہی تم کو ہمارے آشیانے کی خبر

آج اس لطف کی دیکھی ہی ہیں بیداد کہ بس
سر پہ آیا مرے اس طور سے جلّاد کہ بس

کچھ پر و بال میں طاقت نہ رہی تب چھوٹے
ہم ہوئے ایسے بُرے وقت میں آزاد کہ بس

تو نہ تھا حیف یقیں ورنہ دِوانا ہوتا
آج جس طرح کا دیکھا ہی پریزاد کہ بس

سحر کی ڈوری جو سنتے تھے سو یہ دیکھی یقیں
دل کھچا جاتا ہی اُس زلف پریشاں کی طرف

ناصح سے غم نے مجھکو کیا شرمسار حیف
سو بار پھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف

جاتی نہیں وہ بے مزگی ہجر کی یقیں
کچھ وصل کے نشے نے نہ کھویا خمار حیف

جلتی بلتوں سی نہ مِل ان تیلیا کپڑوں کے ساتھ
جی دھڑکتا ہی مبادا لگ اُٹھے دامن کو آگ

چمن میں مجھ سی دیو نی کے لیجانے کا کیا حاصل
دکھا کر گُل جنوں کو شور پر لانے کا کیا حاصل

جنھیں بالوں کی پھانسی دی سو وہ ہرگز نہیں جیتے
جو زلفوں میں پھنسا دل اُس کے غم کھانے کا کیا حاصل

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اُس کو کہتے ہیں
پھر اُٹھنا بعد مانگوں کا قیامت اُس کو کہتے ہیں

ہوئی جا یار شیریں کو ہکن کے بعد خسرو کے
وہ کیا تھا زخم تیشہ کا جراحت اس کو کہتے ہیں

یقیں مارا گیا جرم محبت پر زہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں سعادت اس کو کہتے ہیں

کوئی دن چلنے پھرنے دیں عبث زنجیر کرتے ہیں
دِوانا مجھ سا کب جیتا ہی کیوں تدبیر کرتے ہیں

اس طرح صیّاد کب آزاد کرتا ہی تمھیں
بلبلو دھومیں مچا لو یہ گلستاں پھر کہاں

کرتا ہی کوئی یار واس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانا اب کھولدو زنجیریں

نہ گزرا ہوگا کوئی مجھ سا نگیں باؤلے پن میں
گریباں آپڑا ہی پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

یقیں ہی جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے
پڑا ہوگا دیوانا باولا سا کوئی گلخن میں

شکوہ جفا کا یار سے کرنا روا نہیں
بندوں کو اعتراض خدا پر روا نہیں

جب دیکھتا ہوں تنہا تجھکو کسی چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میری من میں

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہی داغ دل کو
کیا عیش کر گیا ہی ظالم دیوانہ پن میں

ہم تو حاضر ہیں عشق باز کہاں
خار و خس جمع ہے شرار کہاں

باغباں در نہ بند کر آخر
ہم کہاں تو کہاں بہار کہاں

اسیران چمن کی نامرادی پر نظر کیجو
بہار آوے تو اے صیاد مت ہم کو خبر کیجو

منہ اپنا نہ دیکھا ہو جائے گا دیوانہ
آئینہ کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ

کچھ عمر نہیں باقی ساقی تو شتاب آجا
ڈرتا ہوں چھلک جاوی لبریز ہے پیمانہ

خواب میں کس طرح دیکھوں تجھکو بیخوابی کی ساتھ
جمع آسایش کہاں ہوتی ہی بیتابی کے ساتھ

مفت نہیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقیں
کس قدر بےقدر ہی یہ جنس نایابی کے ساتھ

گئی شب بھول شکوے دیکھ روئے یار کیا کہیے
زباں حیرت سے اپنی ہو گئی بیکار کیا کہیے

یقیں کر واقعے کی سن خبر وہ بدگماں بولا
یہ دیوانا کچھ اتنا تو نہ تھا بیمار کیا کہیے

زنجیر میں بالوں کی پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

دل چھوڑ گیا مجھکو دلبر سے توقع کیا
اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہیے

اگرچہ عشق میں آفت ہی اور بلا بھی ہی
نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

اس اشک و آہ سے سودا بگڑ نہ جاوے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہی کچھ جلا بھی نہیں

یہ آرزو ہی کہ اس بیوفا سے تو پوچھوں
کہ میرے بیمزہ رکھنے میں کچھ مزا بھی ہے

خبر کیا پوچھیے مرغِ چمن سی آشیانے کی
اسیروں کو توقع کب ہی پھر گلشن کو جانے کی

گئی پکڑی شروعِ گل میں اور پرواز اوّل میں
ندی فرصت زمانے نے نہیں دُھوبیں چھانے کی

یہ لذت جس نے اپنے یار سے پائی ہو سو جانے
نشے میں گالیاں کھانے کی اور پیالی پلانے کی

مفت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
جی ہی آخر لے کے چھوڑے گی گرفتاری مجھے

میں جو بن غمخوار ہرگز رہ نہ سکتا تھا کبھی
ان دنوں کرنی پڑی ہی دل کی غمخواری مجھے

رفیقانِ موافق ساتھ زنداں بھی گلستاں ہی
ہوا ہی دام ہم کو آشیاں آپس کی الفت سی

عبث پالی تھی سینے بیچ آہِ بے اثر ہم نے
یہ کیوں اس خاک میں بویا تھا نخلِ دل تخم ہم نے

نہ روئی ہجر میں پر وصل کے دن بہ چلے آنسو
اسی دن کو لئے رکھتے تھے گویا یہ گہر ہم نے

گئی یہ کہہ کے آنے سے خزاں کے پیشتر بلبل
پھر ان آنکھوں سے کیوں کر دیکھ سکیے گا چمن خالی

خوش آئی ہی مجھی یہ بات ٹک مجنونِ عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گزرے گریباں سے

جو سر پاؤں پہ دھر دیجے تو راضی ہوں بتاں ہم سے
ولیکن ہائے ہو سکتی ہی یہ جرأت کہاں ہم سے

جو چھپ کر دیکھی گل تو کب صبا واقف تھا
ہمارے آہ و نالے نے چھڑایا آشیاں ہم سے

یار اگر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گذر
منزلِ مقصود ہی دونوں جہانوں سے پرے

جب ہو معشوق عاشق دلربائی کیا کرے
بندگی سی جس نے خو کی ہو خدائی کیا کرے

وصل کی گرمی سی مجھکو ضعف آتا ہی یقیں
دیکھیے مجھ ساتھ خوباں کی جدائی کیا کرے

معاوضے میں وفا کی جو یہ جفا ہووے
کہو کسی سے کوئی کیوں کہ آشنا ہووے

یہ سب تو کرتے ہیں دعوائے عشق یار کبھو
جو آزمانے پہ آوے تو کیا مزا ہووے

ٹک ایک انصاف کر اتنی بھی کرتا ہی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

گزر جا وصل سی گر ہجر میں دیکھی رضا اس کی
محبت میں یقیں لیتا ہی نامِ مدعا کوئی

حرم کو چھوڑ دل بے طرح تبخانہ پہ چلتا ہی — توقع یار رہنے کی نہیں اُس کو خدا نکرے
خدا مجھے ترے داغوں سے لالہ زار کری — یہ خار خشک مگر آگ سے بہار کرے
قیامت آپ پر اُس قدسی لا چکی ہم تو — کہاں تلک کوئی محشر کا انتظار کرے
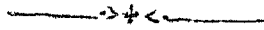
ازسلک متاخرین | از خوبانِ جہاں و از موزونانِ زماں خان عالیشان حسن علیخاں ولد زین العابدین خاں نبیرۂ نواب اسلام خاں بن عقیدت خاں ابن نواب میر جملہ کلاں نعمت آلہی جوانیست بسیار خلیق و باغو باشفیق قدردان و قدر شناس المتخلص بہ یاس اکثر مشورہ سخن با میاں حسرتؔ دارد ہنوز تو مشق است اگر طبیعتش بایں فن راغب شد خوب خواہد گفت در ینولا مائل خواندن عربی است خوشا بحالش کہ عمر عزیز خود را بدیں نحو صرف نماید۔ از متوسلانِ مراتبہ نواب عالیہ است ایں چند اشعار بطریق یادگار بقلم می آید ؎

عشق نے تیری مجھے خلق میں تشہیر کیا — میری اُلفت نے تری دل میں نہ تاثیر کیا
جی تلک دیکے خفا یہ تو نہ ہوتا ہر گز — تونے کیا جانے کیوں یاس کو دلگیر کیا
تو آپ ہی[1] سن رہیگا جو کچھ گذرا ہجر میں — خدا وہ روز نہ لاوے تری جُدائی کا
کسی کو ہجر میں رونا کسی کو وصل میں عیش — میں کیا کہوں ہی تماشا عجب خدائی کا
شہر میں نے پائی کب یہ حلاوت سخن کی بیچ — جو بات لطف دیتی ہی اُس کے دہن کے بیچ
ہوتا ہی جا غریب کوئی اور شہر میں — آوارہ میں تو پھرتا ہوں اپنے وطن کے بیچ

---

[1] دونوں نسخوں میں یوں ہی ہے۔ اگر آپ ہی مصرعہ کے آخر میں ہو تو موزوں ہو جائے گا

منظورِ قتل ہی تو تجھے کیا درنگ ہی ‏ ‏ یہ ہیں یہ تو یہ تیغ یہ تیر و خدنگ ہی

وہ دن گئی کہ جان و دل آپس میں تھی خوشی ‏ ‏ اب یہ خفا ہی اُس سی یہ اس سے بتنگ ہی

بولی ٹھٹھولی غیر سے ہم کو سُنا سُنا ‏ ‏ ظالم بھلا ستانے کا یہ کوئی ڈھنگ ہی

لطف و کرم سے پاس بُلانا تو اک طرف ‏ ‏ احوال پوچھنے سے مرے اس کو ننگ ہی

دیکھیں فلک وہ دَوْر دکھائیگا یا نہیں ‏ ‏ اس دل میں وصلِ یار کی کیا کیا اُمنگ ہی

چھوٹے وہ درد و غم سے جو جی سی گزر گئے ‏ ‏ تیری شبِ فراق میں ہم کیوں نہ مر گئے

گو جی گیا پہ دیکھ لیا تجھکو اِک نگاہ ‏ ‏ منظور تھا جو اپنے تئیں کام کر گئے

ہرگز نہ کام نکلا کچھ دیر اور حرم سے ‏ ‏ آخر ہمارا مقصد حاصل ہوا تو ہم سے

مجھکو یقین ہو چکا تیرا وہ دل رہا نہیں ‏ ‏ اتنا نہ ناز کر صنم بندے کا کیا خدا نہیں

میں نے کہا کہ میری ماہ ٹک تو اِدھر کو کر نگاہ ‏ ‏ کہنے لگا تو کون ہی تجھ سے میں آشنا نہیں

گلِ نرگس میں بھیجو آنکھیں سینے ‏ ‏ چشم تیرے ہی انتظار میں ہی

آپ کو پہلی بار دیکھا اور پیار ہو گیا۔

القمر۔ قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت اور چاند کے متعلق جتنے جدید انکشافات ہوئے ہیں اُن سب کو جمع کر دیا ہے طرزِ بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے قیمت ۸ر

تاریخ تمدن۔ سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے الف سے بے تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے۔ ہر بحث کے لئے ایک عجیب مگر پُرزور اصول اختیار کیا گیا ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی انتقاد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ بمبئی میں سرکاری لائبریریوں کے لئے تجویز کی گئی۔ قیمت حصہ اول غیر مجلد عصہ۸ر حصہ دوم مجلد عاہ

فلسفۂ جذبات۔ کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے متعلمانِ نفسیات اسے نہایت مفید پائینگے۔ قیمت مجلد عہ۸ر

مقدمات الطبیعات۔ یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلی کی کتاب کا ترجمہ ہے جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے۔ اس میں مظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے متعلمان سائنس اور عام شائقین کے لئے بہت مفید ہے قیمت عصہ۸ر

البیرونی۔ کمالاتِ ذہنی میں ابوریحان بیرونی کا مرتبہ تعریف سے مستغنی ہے دسویں صدی کا فاضل ہے مگر تبحر علمی اور دقیق النظری میں بیسویں صدی کا محقق معلوم ہوتا ہے ہندوستان آیا اور ہندوستان کے فلسفۂ تاریخ اور مذہب و معاشرت پر ایک بے مثل کتاب لکھی۔ البیرونی اس کے حالاتِ زندگی اور کمالاتِ علمی پر مشتمل ہے قیمت مجلد عہ۸ر

فلسفۂ اجتماع۔ تالیف ہے اور اس کا موضوع نفس اجتماعی یعنی جماعت کے اعمال و قوائے دماغی کی تحلیل و تشریح ہے موجودہ انقلابات میں اس کا مطالعہ دلچسپی اور فائدہ سے خالی نہ ہوگا اس پر انگلستان و ہند کے علما و اخبارات نے اچھے اچھے ریویو لکھے ہیں قیمت عہ